نام کتاب	اسلام پر سیاست وفلسفہ وتصوف کے اثرات اور اسلامی فرقوں کی پیدائش کا حال
نام مؤلف	سید محمد حسین زیدی برتی
ناشر	ادارہ انتشارات حق الاسلام چنیوٹ
کمپوزنگ	**الرحمن** کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر چنیوٹ (0333-9794804)
تعداد	ایک ہزار
مطبع	معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور
طبع	اول

احقر

سید محمد حسین زیدی برتی

نزد ڈاکخانہ لاہور گیٹ چنیوٹ

فہرست

پیش لفظ

بہت سے علما ، دانشوروں اور محققین نے مسلمانوں نے فرقہ بندی اور مختلف فرقوں کے حالات پر خامہ فرسائی کی ہے ان میں سے مصر کے ابوزہرہ مصری کی کتاب ''اسلامی مذاہب'' اور جھنگ ، پاکستان کے بلال زبیری کی کتاب ''فرقے اور مسالک'' ہمارے پیش نظر ہیں ۔علامہ شبلی نے بھی اپنی کتاب ''علم الکلام اور الکلام'' میں مسلمانوں نے فرقوں کی پیدائش اور عقائد کے اختلاف پر بحث کی ہے اور ان سب نے اپنے اپنے نکتہ نظر سے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ان میں سے ابوزہرہ مصری نے مسلمانوں کے فرقوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے نمبر 1:۔اعتقادی فرقے نمبر 2:۔سیاسی فرقے۔

ان کی یہ تقسیم ایک طرح سے بالکل صحیح اور درست ہے،لیکن انھوں نے اعتقادی فرقوں کا ظہور بنی عباس کے دور میں فلسفہ کے رواج کے بعد لکھا ہے،اور فلسفہ یونان کو اس کا سبب گردانا ہے اور سیاسی فرقوں کا ظہور انھوں نے 35ھ کے بعد سے شمار کیا ہے۔

حالانکہ اسلام نام ہی اعتقاد و عمل کے مجموعہ کا ہے پیغمبرؐ کے زمانہ میں جو اسلام تھا، وہ بھی اعتقاد و عمل پر ہی مشتمل تھا۔اور پیغمبرؐ کے زمانہ میں جو اسلام تھا وہ بھی اعتقاد و عمل پر ہی مشتمل تھا اور پیغمبر کے بعد بھی جو اسلام چلا اور پیغمبرؐ کے فرمودات کے مطابق چلا وہ بھی اعتقاد و عمل پر ہی مشتمل تھا۔اور پیغمبر کے بعد جو سب سے پہلی تفریق ہوئی وہ خالصتاً سیاسی تفریق تھی ، پس اسلام کا پہلا اعتقادی فرقہ اور پہلا سیاسی فرقہ اتنی دور جا کر پیدا نہیں ہوا ۔بلکہ اصحاب پیغمبر کا وہ گروہ جو ارشادات پیغمبرؐ کے مطابق عقیدہ امامت کا قائل رہا وہ اعتقادی فرقہ کے طور پر قائم اور باقی رہا۔اور جنہوں نے پیغمبر کے بعد سیاسی طور پر اقتدار حاصل کر لیا ۔انکی پیروی کرنے والے ایک سیاسی فرقے کے طور پر وجود میں آئے ، البتہ آگے چل کر نئی

امیہ اور بنی عباس کے دور حکومت میں جتنے فرقے بنے ان میں سے اکثر اعتقادی فرقے فلسفہ کی پیداوار ہیں ۔اور اکثر سیاسی فرقے بنی امیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں کے خلاف قیام کی صورت میں بنے اور جب فرقوں کی پیدائش کا آغاز ہو ہی گیا تو اپنی علیحدہ دکان چمکانے کے لئے بعض طالع آزماؤں نے نبوت وامامت ومہدی موعود اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر کے نئے نئے فرقوں کا بھی اضافہ کیا۔جنہیں اسلامی فرقوں میں شمار تو نہیں کیا جا سکتا، لیکن چونکہ وہ مسلمانوں میں سے ہی جدا ہوئے اور نبوت وامامت ومہدی ومسیح کی اسلامی اصطلاحوں کو اختیار کر کے میدان میں آئے لہذا اسلامی فرقوں کا بیان لکھنے والوں نے انہیں اسلامی فرقوں میں شمار کر لیا۔

علامہ شبلی نے عقائد کے اختلاف اور مسلمانوں نے فرقوں کی تقسیم کو اپنی تحقیق کے مطابق اپنی کتاب ''علم الکلام اور الکلام'' میں علم کلام کی تاریخ کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے:

''اسلام جب تک عرب میں محدود رہا، عقائد کے متعلق کسی قسم کی کدو کاوش، چھان بین، بحث ونزاع نہیں پیدا ہوئی ۔جس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کا اصل مزاج تخیل نہیں بلکہ عمل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز، روزہ، زکوۃ، حج یعنی عملی امور کے متعلق ابتداء ہی سے تحقیقات اور تدقیقات شروع ہوگئی تھیں ۔یہاں تک کے صحابہ کے زمانہ میں فقہ کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا تھا۔لیکن جو باتیں اعتقاد اور ایمان سے تعلق رکھتی تھیں ان کے متعلق زیادہ کریدی اور نکتہ چینی نہیں کی گئی ۔بلکہ اجمالی عقیدہ کافی سمجھا گیا''

علم الکلام ص 20

اس کے بعد شبلی صاحب ''اختلاف عقائد کی ابتداء'' کے عنوان کے تحت ''اختلاف عقائد کا پہلا سبب'' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''لیکن جب اسلام کو زیادہ وسعت حاصل ہوئی اور ایرانی، یونانی، قبطی وغیرہ قومیں اسلام کے حلقہ میں آئیں تو عقائد کے متعلق نکتہ آفرینیاں شروع ہو گئیں۔اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ عجمی قوموں کا مزاج ہی یہ تھا کہ بال کی کھال نکالتے اور بات کا بتنگڑ بناتے تھے

دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ جو قومیں اسلام لائیں ان کے قدیم مذہب میں مسائل عقائد مثلاً صفات خدا، قضا وقدر، جزا وسزا کے متعلق خاص خیالات تھے۔ان خیالات میں جوعلانیہ عقائد اسلام کے خلاف تھے مثلاً تعدد الہٰ، شرک، بت پرستی وہ تو بالکل دلوں سے جاتی رہی۔لیکن جہاں اسلامی عقائد کے کئی پہلو ہو سکتے تھے اور ان میں سے کوئی پہلو ان کے قدیم عقائد سے ملتا جلتا تھا۔وہاں بالطبع وہ اسی پہلو کی طرف مائل ہو سکتے تھے۔اور چونکہ مختلف مذاہب کے لوگ اسلام کے دائرے میں آئے تھے اور ان کے قدیم عقائد آپس میں مختلف تھے اس لئے ان مختلف عقیدوں کا جو اثر ہو سکتا تھا اس کا مختلف ہونا بھی ضروری تھا۔مثلاً یہودیوں کے یہاں خدا بالکل ایک مجسم آدمی کے پیرایہ میں تسلیم کیا جاتا تھا اور اس کی آنکھیں دکھنے آتی تھیں، آنکھوں میں نہایت درد ہوتا تھا فرشتے عیادت کرتے ہیں، کبھی وہ کسی پیغمبر سے کشتی لڑتا ہے اور اتفاق سے چوٹ کھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ (یہ سب باتیں توریت میں لکھی ہوئی ہیں)

اس قسم کے عقائد والے جب اسلام لائے تو ضرور تھا کہ ان کا میلان ان آیتوں کی طرف ہو جن میں خدا کی نسبت ہاتھ منہ وغیرہ الفاظ وارد ہیں۔اور ضرور تھا کہ وہ ان الفاظ کے یہی معنی قرار دیں کہ خدا کے واقعی ہاتھ پاؤں ہیں''

علم الکلام شبلی ص 20

علامہ شبلی عقائد کی درجہ بندی کرنے بعد ''فلسفہ اسلام اور اکثر صوفیہ'' کے عنوان

کے تحت لکھتے ہیں چھٹا درجہ ۔خدا ہستی مطلق ہے یعنی وجود اس کی عین ماہیت تھے یہی مسئلہ وحدت الوجود کی صورت اختیار کرلیتا ہے، جہاں پہنچ کر فلسفہ اور تصوف کے ڈانڈے مل جاتے ہیں۔ ''علم الکلام شبلی ص 24''

عقائد میں اس قسم کا تدریجی تغیر ہمیشہ علوم وفنون اور خیالات کی ترقی کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسلام میں بھی ایسا ہی ہوا۔بنوامیہ کے آخر زمانہ میں ہی پہلی سطح سے دوسری سطح تک نوبت آگئیں تھی عباسیہ کا دربار فلاسفہ سے بھرا ہوا تھا اور رات دن یہی چرچے رہتے تھے

''علم الکلام ص 25''

اس کے بعد ''اختلاف عقائد کی بنیاد پالٹیکس سے ہوئی'' کے عنوان ے تحت لکھتے ہیں کہ ''اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے ۔لیکن ابتدا پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی ۔بنوامیہ کے زمانہ میں چونکہ سفا کی کا بازار گرم رہتا تھا۔طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی ۔لیکن جب کبھی شکایت کالفظ کسی کی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت یہ کہہ کو اس کو چپ کردیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دم نہیں مارنا چاہئے۔

آمنا بالقدر خیرہ و شرہ وغیرہ علم الکلام شبلی ص 25

چونکہ مذکورہ محققین نے مسلمانوں کے فرقوں کو دو اقسام میں منقسم کیا ہے نمبر 1 اعتقادی فرقے نمبر 2 سیاسی فرقے لہذا ہم نے اپنی اس کتاب میں قرآن وحدیث وتفسیر و تاریخ وسیرت وفلسفہ وتصوف کی کتابوں سے پہلے یہ ثابت کیا ہے کہ ''دین'' کیا ہے اور ''الاسلام'' کسے کہتے ہیں اور سب سے پہلا اعتقادی فرقہ کونسا ہے اور سب سے پہلا سیاسی فرقہ کون سا ہے۔اور پھر فلسفہ کے زیر اثر کون کون سے اعتقادی فرقے پیدا ہوئے اور پالیٹکس یا سیاست کے زیر اثر کون کون سے فرقے ظہور پذیر ہوئے۔

اگرچہ بہت سے لوگ اپنی علیحدہ دکان چمکانے کے لئے نبوت وامامت ومہدی موعود و مسیح موعود ہونے کا جھوٹا دعوی کر کے نیا فرقہ بنانے میں بھی کامیاب ہوئے لیکن فی الحقیقت ایک طرح سے وہ بھی پالیٹکس یا سیاست کی ہی پیداوار ہیں ۔

ہم نے قرآن وحدیث وتفسیر وتاریخ وسیرت وفلسفہ وتصوف کی کتابوں سے جو کچھ ملا ہے اسے صفحہ قرطاس پر صرف اس لئے منتقل کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ: اسلام حقیقی کیا ہے اور اعتقادی اور سیاسی فرقوں کا تعین بھی صحیح طور پر کیا جاسکے ۔لہذا ان کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد کسی ذات یا شخص یا فرقے کی توہین نہیں ہے ۔اسی لئے قرآن و حدیث وتفسیر وتاریخ وسیرت وفلسفہ وتصوف کی جس کتاب سے ہم نے نقل کیا ہے اس کا حوالہ بھی ساتھ ہی دے دیا ہے

ہم نے بعض حقائق کو پیش کرنے کے لئے موقع محل کے لحاظ سے بعض باتیں مکرر بھی لکھی ہیں ۔جیسا کہ قرآن کریم میں بھی بعض حقائق کو ایک نئے عنوان کے تحت بیان کرنے کے لئے موقع ومحل کے مطابق بعض باتوں کو مکرر لایا گیا ہے ۔لہذا ہم نے بھی بعض باتوں کو ثابت کرنے کے لیے نئے عنوان کے تحت مکرر لکھا ہے ۔

علاوہ ازیں ہم نے اس کتاب میں جدید فرقوں اور فلسفہ وتصوف پر لکھنے والوں کی طرف سے قرآن کریم کی آیات کی غلط تاویلات کا رد بھی کیا ہے، اور فرقوں اور اسلامی مذاہب پر لکھنے والوں کی طرف سے دین حق پر کئے گئے بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے دین حق کے اثبات میں مضبوط قرآنی دلائل بھی پیش کئے ہیں

وما توفيقي الا باالل عليه توكلت واليه انيب

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ و السلام علی اشرف الا نبیاء والمرسلین والہ الطیبین الطاھرین المعصومین ۔ اما بعد فقد قال اللہ تبارکہ و تعالیٰ فی کتابہ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ''ان الدین عنداللہ السلام''

(آل عمران ۔19)

ترجمہ: بیشک دین نزدیک اللہ کے اسلام ہے

تمہید: دین اوراسلام دوعلیحدہ علیحدہ الفاظ ہیں اورکوئی مسلمان ایسانہیں ہے جولفظ دین سے واقف اورلفظ اسلام سے آگاہ نہ ہولیکن دین کسے کہتے ہیں اوراسلام کامعنی ومفہوم کیا ہے۔ شاید ہرکوئی اسے نہ جانتا ہو، جبکہ خداوند تعالی نے قرآن کریم کے معانی میں غورکرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اورقرآن کریم کے معنی میں غوروفکر نہ کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ کیاان کےدلوں پرتالے پڑے ہوئے ہیں جیسا کہ ارشادہوا:

افلایتدبرون القران ام علی قلوب اقفالھا (محمد ۔24)

یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں ذرابھی غورنہیں کرتے یاان کےدلوں پرتالے لگے ہوئے ہیں

قرآن کریم کےمعانی میں غوروفکرکرنے کانتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسےغوروفکرکےبعد اس کا مطلب سمجھ میں آجائے گا،اب اگروہ آیت کسی عقیدہ کوبیان کررہی ہےتووہ اس کے مطابق صحیح عقیدہ اپنائیگااوراگروہ آیت عمل سے متعلق ہےتووہ اس پرعمل کرنے کی کوشش کرےگا۔

کوئی پیغمبرکی اس حدیث کوصحیح مانے یا نہ مانےجس میں مسلمانوں کےفرقوں میں بٹ جانے کابیان کیا گیا ہےاوراایک تعداد بھی ان فرقوں کی بیان کی ہے۔لیکن جن لوگوں نے اسلامی مذاہب یا اسلامی فرقوں اورمسالک پرکتابیں لکھی ہیں انہوں نے

مسلمانوں کے فرقوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ گنوائی ہے جن کی تعداد کا ذکر پیغمبر کی طرف منسوب حدیث میں ہوا ہے۔لہٰذا ہر فرقے نے جو عقیدہ اپنالیا ہے وہ اپنے عقیدہ کی صحت کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیات کو ہی دلیل میں پیش کرتا ہے اور آیات قرآن کی قطع و برید کر کے انہیں اپنے مطلب اور اپنے عقیدہ کے ثبوت میں چپکا دیتا ہے اور چونکہ ہر فرقہ خود کو ہی حق پر سمجھتا ہے لہٰذا اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے سوا دوسرے تمام فرقوں کو غلط اور باطل سمجھتا ہے۔اب چونکہ وہ دوسرا فرقہ جس اس نے غلط اور باطل سمجھا ہے، وہ بھی اپنے حق ہونے کی دلیل قرآن سے ہی دیتا ہے۔لہٰذا ماننا پڑے گا کہ کسی نے تو سمجھنے میں ضرور غلطی کی ہے۔پس اگر کوئی غیر جانبدار اور حق کا متلاشی فرقہ بندی سے بالاتر ہو کر صحیح اور حق بات معلوم کرنا چاہے تو اسے کم از کم مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

نمبر 1: قران کریم کے معانی میں غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ معنی لغت کے مطابق ہو، کیونکہ قرآن فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

نمبر 2: قرآن کریم کی کسی آیت کا معنی قرآن کریم کی کسی دوسری آیت کے معنی کے خلاف نہیں ہوسکتا۔کیونکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ:

ولو کان من عندالله لوجدو افیه اختلافاً کثیراً

(النساء-82)

''یعنی اگر یہ کتاب خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتی تو اس میں بہت سے اختلاف پائے جاتے''۔

کیونکہ قرآن کریم حتماً و یقیناً خدا کی نازل کردہ کتاب اور خدا کا کلام ہے لہٰذا اس کی کسی آیت کے معنی کسی دوسری آیت کے خلاف نہیں ہوسکتے۔اور اگر ہم نے قرآن کریم کی کسی آیت کا مطلب اور ایسا معنی مراد لیا ہے۔جس کی قرآن کریم کی کوئی واضح آیت مخالف

ہےتو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہلی آیت کا معنی اور مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہے

نمبر3: قرآن کریم کی آیات دوسری آیات کی تائید کرتی ہیں اور کوئی آیت کسی دوسری آیت کے خلاف معنی نہیں دیتی

نمبر4: قرآن کریم کے معنی میں غور کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ سیاق وسباق کا خیال رکھے، آیت کے ساتھ ساتھ چلے۔ اور آیت جس معنی کی طرف اشارہ کررہی ہے اس شارہ کو سمجھے اور آیت جس دلیل کو بیان کررہی ہے اس دلیل کو جانے۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم اس بات میں غور کرتے ہیں کہ زیرعنوان آیت میں "دین" اور "اسلام" جو علیحدہ علیحدہ الفاظ ہیں ان کا معنی ومفہوم اور مطلب کیا ہے

دین کا مطلب اور معنی ومفہوم

لغت کی معروف کتاب "مفردات القرآن" میں دین کے دو معنی لکھے ہیں

نمبر1: اطاعت نمبر2: جزا

جزا کے لیے قرآن میں آیا ہے " مالک یوم الدین "

"یعنی وہ جزا کے دن کا مالک ہے" اور روز جزا سے مراد قیامت کا دن ہے۔ جہاں تک دین کے معنی اطاعت کا تعلق ہےتو اس معنی میں یہ لفظ جس کی طرف مضاف ہوگا۔ اسی کا دین کہلائے گا جیسا کہ سورہ الکافرون میں ارشاد ہوا ہے۔

" لکم دینکم ولی دین " (الکافرون۔6)

(اے کافرو) تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

نہ تم نے اس کی اطاعت وبندگی کرنی ہے جس کی ہم کرتے ہیں اور نہ ہم ان کی اطاعت و بندگی کریں گے جن کی تم کرتے ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ دین ایک نہیں ہے، اس کی مزید وضاحت سورہ یوسف کی

ایک آیت سے ہو جاتی ہے جس میں ارشاد ہوا'' **ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملک الا من یشاء اللہ**" (یوسف۔76)

یوسف اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے دین کے مطابق روک نہیں سکتے تھے مگر ہاں اگر خدا چاہتا

سورہ البقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

" لااکراہ فی الدین ، قد تبین الرشد من الغی ، فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لانفصام لھا واللہ سمیع علیم

(البقرہ۔256)

'' دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ہے ۔ کیونکہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے ۔تو جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا اور خدا پر ایمان لایا تو اس نے وہ مضبوط رسی پکڑلی جو ٹوٹ ہی نہیں سکتی ۔اور خدا سب کچھ سنتا اور جانتا ہے"

سورہ البقرہ کی مذکورہ آیت میں جہاں دین میں جبر و اکراہ کی نفی کی ہے وہاں یہ بتلا کر کہ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے، انسان کے اختیار کو بھی واضح کیا ہے کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے چاہے ہدایت کو اختیار کرے یا گمراہی پر چلتا رہے اور ساتھ ہی ہدایت اور گمراہی کے سرچشموں کو بھی بیان کر دیا کہ گمراہی کا سرچشمہ طاغوت ہے اور ہدایت کا سرچشمہ اللہ ہے لہذا گمراہی کے سرچشمہ سے کفر یعنی انکار کو پہلے بیان کیا '' فمن یکفر بالطاغوت'' اور ہدایت کے سرچشمہ پر ایمان کو بعد میں بیان کیا '' و یومن باللہ'' ایسا شخص وہ ہے جس نے اللہ کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ طاغوت کسے کہتے ہیں ۔تو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں سورہ النمل کی آیت نمبر 26 کی تفسیر میں طاغوت کے معنی بڑو نگا کئے ہیں اور پھر اس کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے ۔

ف 6: حضرت شاہ صاب فرماتے ہیں بڑو نگاوہ جا نا حق سرداری کا دعویٰ کرے۔ کچھ سند نہ رکھے۔ ایسے کو طاغوت کہتے ہیں بت، شیطان، زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں۔

(تفسیر عثمانی ص 350)

اب تک بیان سے یہ ثابت ہوا کہ خدا کی اطاعت خدا کا دین ہے اور طاغوت کی اطاعت طاغوت کا دین ہے لیکن خدا کے نزدیک خدا کی اطاعت و بندگی کے سوا اور کسی کی اطاعت و بندگی جائز نہیں ہے جیسا کہ فرمایا

"انا انزلنا الیک الکتاب بالحق فاعبدالله مخلصاً له الدین الا لله الدین الخالص" الزمر 2،3

ترجمہ: (اے رسولؐ) ہم نے تیری طرف قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تو تم اطاعت و بندگی کو اسی کے لئے نرا کھرا کر کے خدا کی عبادت کیا کرو۔ آگاہ ہو کہ اطاعت و بندگی تو خالص خدا ہی کے لئے ہے" خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی غیر کی اطاعت کو اس کی عبادت سے تعبیر کیا ہے اور اسے شرک قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہو " اتخذوا احبائوهم و رهبانهم اربابا من دون الله والمسيح ابن مريم ، وما امروا الا ليعبدوا الهاواحدا لا اله الا هو، سبحانه عما يشركون " (توبہ۔31)

ترجمہ: ان لوگوں نے تو خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو اور مسیح ابن مریم کو اپنا رب بنا لیا تھا۔ حالانکہ انہیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ صرف خدائے واحد و یکتا کی عبادت کریں۔ اس کے سوا اور کوئی لائق پرستش نہیں ہے۔ جن کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح لکھا ہے:

ف 7: ان کے علماء ومشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بتا دیتے خواہ وہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دیتے اسی کو سند سمجھتے کہ بس خدا کے ہاں ہم چھٹکارا ہو گیا۔ کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا محض احبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکور ہے پس جو منصب خدا کا تھا (یعنی حلام وحرام کی تشریح) وہ علماء مشائخ کو دے دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرالیا۔ نبی کریم صلعم نے عدی بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے اور حذیفہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ (تفسیر عثمانی ص 248)

بہر حال اب تک بیان سے ثابت ہو گیا کہ دین کا مطلب اطاعت و بندگی ہے خواہ کسی کی بھی ہو لیکن چونکہ خدا کے نزدیک اطاعت و بندگی خدا کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے لہذا وہ کہتا ہے ''الا للہ الدین الخالص'' الزمر۔3

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''نبی کریم صلعم نے عدی بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اس طرح کی تشریح فرمائی ہے'' تو عدی بن حاتم نے مذکورہ آیت کے نزول کے بعد یہ اعتراض کیا تھا کہ ہم اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے تو آنحضرت نے اس کو یہ جواب دیا تھا کہ کیا ایسا نہیں تھا کہ تمہارے علماء و مشائخ جو کچھ کہتے تھے تم اسے بے چون و چرا مان لیتے تھے۔ تو اس پر عدی بن حاتم نے جواب دیا کہ ہاں ایسا تو ہوتا تھا۔ تو اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ اسی کو ان کی عباد کہا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی بھی انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کی اطاعت کرے۔ چونکہ اطاعت ہی دین ہے لہذا وہ جس کی اطاعت کرے گا اسی کے دین پر کہلائے گا۔ چنانچہ اس بنا پر خدا نے اپنی اطاعت کو اللہ کا دین کہا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا

" افغیر دین الله یبغون وله اسلم من فی السموات والارض طوعاً و کرھاً و الیہ یرجعون " (آل عمران ۔83)

ترجمہ کیا یہ لوگ خدا کے دین کے سوا کسی اور دین کو اپنانا چاہتے ہیں

حالانکہ آسمانوں میں رہنے والے فرشتے ہوں یا زمین میں بسنے والے آدمی ۔سب نے خواہ خوشی خوشی یا اکثریت کے ساتھ اسی کے سامنے اپنی گردنیں ڈال دی ہیں اور اس کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں ۔کیونکہ آ کر سب اسی کہ حضور میں لوٹ کر جائینگے (اور یہ مجبوری کی اطاعت ہوگی)

اس سے ثابت ہوا کہ ہر حال میں خدا کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہنا اللہ کا دین ہے جو "لہ اسلم" کے الفاظ کے ساتھ بیان ہوا ہے ۔اور ہر حال میں خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی "الاسلام" ہے جیسا کہ ارشاد ہوا

" ومن یتبع غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه و ھو فی الاخرۃ من الخاسرین " (آل عمران ۔85)

"اور جو شخص "الاسلام" کے سوا کسی اور دین کی خواہش کرے تو اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں سخت گھاٹے میں رہیگا"

اس سے ثابت ہوا کہ "الاسلام" صرف اللہ کی اطاعت کا نام ہے، اور صرف اللہ ہی کی اطاعت کرنا ہی اللہ کا دین ہے اور اس بات کا کہ "جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے" مطلب یہ ہے کہ دین دوسرے بھی ہیں اور وہ دوسروں کی اطاعت کے دین ہیں، لیکن الاسلام خالص اللہ کی اطاعت کا دین ہے پس یہ اللہ کا دین ہے اور اسی اس نے "ان الدین عند اللہ الاسلام" کے الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

''الاسلام کے معنی''

راغب اصفہانی اپنی لغت ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں الاسلام اس کے معنی ''سلم'' (صلح) میں داخل ہونے کے ہیں اور صلح کے معنی یہ ہیں کہ فریقین باہم ایک دوسرے کی طرف سے تکلیف پہنچنے سے بے خوف ہو جائیں، اس کے بعد لکھتے ہیں۔

شرعاً الاسلام کی دو قسمیں ہیں: کوئی انسان محض زبان سے اسلام کا اقرار کرے دل سے معتقد ہو یا نہ ہو، اس سے انسان کا جان و مال اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے مگر اس کا درجہ ایمان سے کم ہے اور آیت ''قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا (۔۔۔)

دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، میں اسلمنا سے یہی مراد ہے۔

دوسرا درجہ اس کا وہ ہے جو ایمان سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ اعتراف کے ساتھ دلی اعتقاد بھی اور عملاً اس کے تقاضوں کو پورا کرے، مزید برآں قضا و قدر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کردے جیسا کہ '' **اذقال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین** ''

جب ابراہیم سے ان کے رب نے فرمایا کہ ''اسلم'' ہمارے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردو تو انہوں نے عرض کی میں رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

(مفردات القرآن)

اور آل عمران کی آیت 102 بہت اچھی طرح سے اسلام کے معنی کو واضح کرتی ہے جو ایمان لانے والوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے کہ

''یا ایھاالذین آمنوا اتقوا الله حق تقاقته ولا تموتن الا و انتم مسلمون ''

(آل عمران ۔102)

ترجمہ: ''اے ایمان والوں خدا کی (نافرمانی سے) ڈرو جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرنا سوائے اس حال کے کہ تم سراسر اسی کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہو''

پس ''الاسلام'' خدا کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کو کہا جاتا ہے اور یہی اس کا دین ہے۔

تمام انبیاء ورسل کا ایک ہی دین تھا

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ دین مطلقاً اطاعت کو کہتے ہیں اور اللہ کا دین اللہ کی اطاعت کا نام ہے اور صرف اور صرف اللہ ہی کی دین کی اطاعت کرنا ''الاسلام'' ہے لہذا خدا نے جتنے انبیا و رسل اور ہادیان دین انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجے ان سب کا ایک ہی دین تھا جیسا کہ ارشاد ہوا

شرع لکم من الدین ماوصیٰ بہ نوحا و الذی اوحینا الیک و وصینا بھی ابراھیم و موسی و عیسیٰ ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا''

(الشوریٰ۔13)

ترجمہ: تمہارے لیے دین کی وہی راہ مقرر کی ہے جس پر چلنے کا نوحؑ کو حکم دیا تھا (اور وہ) یہ (ہے) کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ آیت کے الفاظ واضح طور پر اس بات کی طرف دلالت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تمام انبیا و رسول اور ہادیان دین کا ایک ہی دین تھا، اور وہ سب اسی دین کو قائم رکھنے پر مامور تھے، اور وہ سب کے سب اسی دین کا قائم رکھنے پر مامور تھے اور ''شرع لکم'' اس بات کی طرف اشارہ ہے جن سے ''کم'' کے ذریعہ خطاب ہے، ان کا فرض منصبی بھی وہی ہے جو خاتم الانبیاء تک مبعوث ہونے والے انبیا و

رسل کا تھا، یعنی دین کو قائم رکھنا یعنی یہ ہستیاں اس فرض منصبی کو خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد انجام دیں گی۔اور وہ دین جس کے قائم رکھنے کا تمام انبیاء و رسل اور ہادین دین کو حکم دیا گیا تھا خدا کی توحید، سارے انبیاء و رسل اور ہادیان دین پر ایمان اور قیامت پر یقین کے عقائد پر مشتمل تا۔

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے، تو وہ ہر ایک کے لئے علیحدہ تھی جیسا کہ ارشاد ہوا کہ "لکل جعلنا منکم شرعة و منهاجا"

(المائدہ۔48)

اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے واسطے (حسب مصلحت وقت) کے ایک ایک شریعت اور خاص طریقہ مقرر کر دیا۔

زمین پر اولاد آدم کے لئے ہدایت کا انتظام

زمین پر اولاد آدم کی ہدایت کا انتظام حضرت آدمؑ کے جنت سے باہر آنے کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا جیسا کہ ارشاد ہوا۔

قلنا اهبطوا منها جميعا فاما ياتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ، والذين كفروا كذبوا باٰيتنا اولئك اصحاب النار هم فيها خالدون : البقر۔29,28

ترجمہ: "اور ہم نے آدم کو یہ حکم دیا کہ تم یہاں (جنت) سے چلے جاؤ (اب تمہارے پاس وہیں میری ہدایت پہنچا کرے گی) پس جب بھی میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے (تو تم اسکی اطاعت و پیروی کرنا) کیونکہ جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے ان پر (قیامت میں) نہ تو کوئی خوف ہوگا، اور نہ ہی کوئی حزن و ملال ہوگا اور جو لوگ کفر اختیار

کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہی تو جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔

پس آدم علیہ السلام زمین پر خدا کے سب سے پہلے نبی ہیں جیسا کہ فرمایا''

ثم اجتبه ربه فتاب علیه وهدیٰ (طہ۔22)

یعنی پھر اس کے رب نے آدم کو برگزیدہ کیا۔ ان کا اجتبےٰ کیا ان کو مجتبیٰ بنایا، ان پر مہربانی کی اور ان کے لئے ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔

لفظ ''تاب'' کی نسبت جب انسان کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں توبہ کی ۔لیکن جب اس کی نسبت خدا کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے مہربانی کی جیسا کہ ارشاد ہوا'' لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین''(9-117) بیشک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین پر'' مفردات القرآن راغب ص 148

اور اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ خدا مجتبےٰ صرف انبیا و رسل اور رہادیان کو ہی بناتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم کے لئے ارشاد ہوا'' ان ابراهیم کان امة قانتاً لله حنیفاً ولم یک من المشرکین ، شاکراً لانعمه اجتبه وهداه الیٰ صراط مستقیم''

(النحل۔121)

ترجمہ اس میں شک نہیں کہ ابراہیمؑ لوگوں کے پیشوا، خدا کے فرمانبردار بندے اور باطل سے کترا کے چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ تھے وہ اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے۔ان کا خدا نے اجتبیٰ کیا تھا، انھیں مجتبیٰ بنایا تھا اور انھیں صراط مستقیم کی ہدایت کی تھی۔

انبیا کے اجتبیٰ اور اصطفیٰ کا مطلب کیا ہے؟

غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''تصوف کی حقیقت میں اس بات کو ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے کہ وحی صرف انبیاء کو کی جاتی ہے کسی اور کو نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''وحی کا ذکر جبرئیل کے واسطے سے ہو یا براہ راست وہ ہوتی تی خدا ہی کی طرف سے اور ہوتی تھی صرف نبی کی طرف بعض مقامات میں وحی کو خدا کی طرف سے ہمکلامی کہہ کر بھی پکارا گیا ہے مثلاً سورہ شوریٰ میں ہے

" ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً اومن ورای الحجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ یا یشاء ''

(42/51)

انسانوں کے ساتھ خدا کے کلام کرنے کے تین طریقے ہیں دو طریقے انبیا سے مخصوص ہیں اور تیسرا طریق عام انسانوں سے۔ انبیاء کے ساتھ خدا کے کلام کرنے کا طریق یہ ہے کہ کبھی خدا کی وحی بوساطت جبرئیل نبی کے دل میں ڈال دی جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پس پردہ خدا کی باتیں ان تک پہنچ جاتی ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ کے ساتھ ہوا۔ یہ دونوں طریق انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں باقی رہے غیر از انبیاء (عام انسان) سو ان کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے۔ جو ان تک خدا کے وہ احکام پہنچاتا ہے جنہیں خدا اپنی مشیت کے مطابق رسول کو دیتا ہے۔ (تصوف کی حقیقت۔ ص 17)

اس آیت میں وحی کے جو تین طریقے یا انسانوں سے کلام کرنے کے جو تین طریقے بیان کیے ہیں یہ تینوں طریقے انبیا سے کلام کرنے کے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

ف 2: کسی بشر سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں

الف: بلا واسطہ پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے، جیسے حضرت موسیٰ سے کوہ طور پر اور خاتم

الانبیاء صلی اللہ سے لیلۃ المعراج کلام کیا

ب: خداوند تعالیٰ فرشتہ کے واسطہ سے کلام کرے مگر فرشتہ متجسم ہوکر آنکھوں کے سامنے نہ آئے۔ بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے۔ اور قبل سے ہی ادراک فرشتہ کا اور صورت کا ہو حواس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے۔

ج: تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسم ہوکر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا کا کلام و پیام پہنچادے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے الخ تفسیر عثمانی ص 634

پس اس آیت میں مذکور اللہ کے کلام کرنے کی تینوں طریقے انبیا علیہم السلام سے ہی مخصوص ہیں جس میں سے ایک ایک استثنا بھی ہے جسے ہم آگے چل کر حضرت مریم کے ساتھ خدا کے کلام کے بیان میں ذکر کریں گے بہر حال خدا نے دوسرے عام انسانوں سے انبیاء کی تبلیغ کو کلام کرنا نہیں کہا بلکہ اسے ابلاغ کہا ہے جیسا کہ فرمایا **" وما علی الرسول الا البلاغ المبین "**

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا مذکورہ بیان ہم نے اس لیے لکھا ہے تاکہ غلام احمد پرویز اور ان کے پیرو یہ نہ سمجھتے رہیں کہ قرآن فہمی کے بارے میں ان کا دعویٰ حجت ہے۔

بہر حال اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی برگزیدہ افراد کو عطا کرتا ہے۔ جنہیں نبی یا رسول کہہ کر پکارا جاتا ہے اس انتخاب کا معیار کیا ہوتا ہے ہم نہیں کہہ سکتے۔ قرآن کریم نے اتنا ہی کہا ہے۔ **" واللہ یختص برحمتہ من یشاء "**

(16/2,14/11,3/73,2/105)

اس نعمت عظمیٰ کے لئے خدا اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا ہے مختص کر لیتا ہے۔ ہمارے ہاں مشہور ہے کہ

؎ خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال

کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

اس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اس اجتبا و اصطفا (یعنی وحی کے انتخاب) کے لئے کسی خصوصیت کی ضرورت نہیں تھی۔ خدا جسے چاہتا ہے یونہی اس کے سر پر تاج رکھ دیتا ہے ایسا سمجھ لینا غلط فہمی پر مبنی ہے" (تصوف کی حقیقت۔ص 17)

پھر وہ اس کے کچھ صفحہ بعد لکھتے ہیں کہ:

خدا کی طرف سے براہ راست علم کہ جسے وحی کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے صرف حضرات انبیا کرام کو عطا ہوتا ہے۔ان کے علاوہ کسی انسان کو ایسا علم نہیں ملتا تھا۔حضرات انبیا کرام کی طرف وحی کا یہ سلسلہ حضرت نوح سے شروع ہوا۔اور حضور نبی اکرم کی ذات گرامی پر آکر ختم ہو گیا" (تصوف کی حقیقت ص 20)

معلوم نہیں پرویز صاحب نے حضرت آدم علیہ سے لے کر حضرت نوح تک آنے والے تمام انبیاء کو کیوں چھوڑ دیا حالانکہ تمام انبیاء کی طرح خود حضرت آدم کے اصطفا کا ذکر بھی خدا نے کیا ہے اور ان کے اجتبا کا ذکر بھی خدا نے کیا ہے خدا کی طرف سے آدم کے اجتبا کا بیان تو سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے۔جہاں تک ان کے اصطفیٰ کا تعلق ہے تو خدا نے ان کا ذکر تمام انبیا ءو رسل اور ہادیان دین میں سر فہرست کیا ہے۔جہاں وہ فرماتا ہے کہ

" ان اللہ اصطفےٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین ذریعة بعضھا من بعض و اللہ سمیع العلیم

(آل عمران ۔33-34)

ترجمہ: بیشک خدا نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیم کی آل کو اور عمران کی آل کو سارے جہاں سے برگزیدہ کیا ہے جو ایک دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا اس آیت میں خداوند تعالٰی نے اپنا مصطفا بندوں کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے،ان میں سب سے پہلے

حضرت آدم ہی ہیں جن کے خدا کی ہم کلامی کو ان کے اصطفا اور اجتبا کا بھی قرآن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور ان کو اپنی طرف سے ہدایت بھیجنے کا واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے۔اور یہ سب ان کی نبوت کا واضح ثبوت ہیں ۔پھر حضرت ادریس جو پر دادا تھے حضرت نوح کے ۔یعنی حضرت نوح کے والد لمک تھے ان کے والد متوشلخ تھے اور ان کے والد حضرت ادریس تھے ۔جن کی نبوت کا قراان کریم میں خدا نے دوٹوک برملا اور واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

" واذکر فی الکتب ادریس ، انہ کان صدیقا نبیا و رفعنا ہ مکان علیا ، اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبین من ذریۃ آدم و ممن حملنا مع نوح و من ذریۃ ابراھیم و اسرائیل ممن ھدینا و اجتبین (مریم۔57 تا59)

(اور اے رسول) قرآن میں ادریس کا بھی تذکرہ کرو،اس میں شک نہیں کہ وہ بڑے سچے (بندے اور) نبی تھے ۔اور ہم انہیں بہت اونچی جگہ بلند کر(کے پہنچا) دیا اور یہ انبیاء لوگ جنہیں خدا نے اپنی نعمت سے نوازا آدم کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے (طوفان کے وقت) نوح کے ساتھ(کشتی پر) سوار کرلیا تھا۔اور ابراہیم ویعقوب کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت کی اور ان کا اجتبیٰ کیا اور انہیں مجتبا بنایا پرویز صاحب نے اپنی کتاب ”تصوف کی حقیقت“ میں حضرت آدم سے لے کر حضرت ادریس تک سارے انبیاء کو نبی ماننے سے اور ان پر وحی آنے سے کیوں انکار کیا؟ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے،بہر حال اس سے ان کے قرآن فہمی کے بارے میں ان کے زعم،ان کے علم اور ان کے دعویٰ ک پتہ چل گیا۔

خداوند تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت نمبر 33-34 میں سارے انبیاء، رسول اور ہادیان دین کا اجمالی طور پر بیان کیا ہے جو اسطرح ہے کہ پہلے حضرت آدم کا

ذکر کیا اور پھر حضرت نوح کا ذکر کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے بعد نوح سے پہلے جتنے نبی آئے ،وہ سب نبی تھے انہیں وحی بھی آتی تھی ۔لیکن وہ رسول نہیں تھے،حضرت نوح پہلے نبی ہیں جو نبی ہونے کے ساتھ منصب رسالت پر بھی فائز کئے گئے ۔اور وہ انبیاء الوالعزم میں سے پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں فرداً فرداً تو میں ان دو ہی انبیاء کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیم کا نام خصوصی طور پر علیحدہ اس آیت میں اس نے نہ لیا کیونکہ انکے اصطفےٰ کا ابوالانبیا ہونے کی حیثیت سے علیحدہ طور پر قرآن میں بیان کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ”ومن یرغب عن ملة ابراهیم الا من سفه نفسه القد اصطفینا فی الدنیا وانه فی الاخرة لمن الصالحین (البقرہ۔130)

ترجمہ: اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے نفرت کرے مگر صرف وہی جو اپنے کو احمق بنائے اور بیشک ہم نے دنیا میں بھی ان کو برگزیدہ کیا۔ان کا اصطفیٰ کیا ان کو مصطفیٰ بنایا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

مذکورہ آیت میں خدا نے حضرت ابراہیم کا علیحدہ طور پر مصطفا ہونا بیان کر چکا تھا ۔مگر چونکہ حضرت ابراہیم کے بعد خدا نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اب کوئی نبی یا رسول ابراہیم کی اولاد کے سوا کسی اور کی اولاد میں سے نہ ہوگا لہذا خدا نوح کے بعد ابراہیم کی آل کا ذکر لایا ہے۔

حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیم کی اور ان کی آل کا علیحدہ سے ذکر اس لئے بھی کی کیونکہ نوح کے بعد وہ پہلے نبی اور رسول ہیں جنہیں نبوت و رسالت کے ساتھ منصب امامت پر بھی فائز کیا جیسا کہ فرمایا:

” واذابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال انی جاعلک للناس امام ، قال ومن ذریتی قال لا ینال عهدی الظالمین “ (البقرہ۔124)

ترجمہ: اور جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمالیا اور انہوں نے انہیں پورا

کردیا،تو خدا نے فرمایا کہ میں تم کولوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔حضرت ابراہیم نے عرض کی ،اور میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا) فرمایا ہاں مگر میرے اس عہد سے ظالموں میں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھائے گا۔

پس حضرت نوح کے بعد آل ابراہیم کا ذکر اس لئے کیا کیونکہ آل ابراہیم میں نبوت و رسالت کے علاوہ امامت بھی جاری ہوگی جیسا کہ فرمایا:

ووھبنا لہ اسحق و یعقوب نافلة و کلا جعلنا صالحین ، و جعلنا ھم آئمة یھدون بامرنا و واحینا الیھم فعل الخیرات و اقام الصلوٰة ایتاء الزکوٰة و کانوا لنا عابدین" (الانبیا۔173)

ترجمہ:اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عنایت فرمایا۔اور ہم نے سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے ان سب کولوگوں کا امام بنایا جو ہمارے حکم سے ان کو ہدایت کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے نماز پڑھنے اور زکوٰة دینے کی وحی بھیجی تھی اور یہ سب کے سب ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

اور سورہ سجدہ میں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے بارے میں اسطرح فرمایا:

" ولقد آتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائه و جعلناہ ھدی لبنی اسرائیل ، وجعلنا منھم آئمة یھدون بامرنا لما صبروا و کانوا بایٰتنا یوقنون " (السجدہ۔24,23)

ترجمہ یعنی اے رسول ہم نے موسیٰ کو بھی آسمانی کتاب (توریت) عطا کی تھی تو تم بھی اس (کتاب قرآن) کے (خدا کی طرف سے) ملنے کے بارے میں شک میں نہ رہو۔اور ہم نے اس (توریت) کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت قرار دیا ہے (اسی طرح قرآن کو تمہاری امت کے لیے ہدایت قرار دیا ہے) اور ان (بنی اسرائیل) میں سے ہم نے کچھ لوگوں کو

جنہوں نے مصیبتوں میں صبر کیا تھا امام وپیشوا بنایا تھا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا دل سے یقین رکھتے تھے (اس طرح ہم تیری امت میں امام وپیشوا بنائیں گے جو لوگوں کو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کریں گے)۔

چونکہ حضرت موسیٰ کے بہت سے حالات وواقعات پیغمبر گرامی اسلام سے بہت ملتے جلتے ہیں، اور سورہ مزمل میں خدا نے آنحضرت کو(کما ارسلنا کے الفاظ کے ساتھ واضح طور پر بھی حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔لہذا سورہ سجدہ کی آیت نمبر 24,23 میں اشارہ ہے اس بات کی طرف اے میرے حبیب جیسا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب توریت دی ایسا ہی تجھے قرآن جیسی مقدس ولاریب ہدایت کرنے والی کتاب دی ہے۔اور جیسا کہ موسیٰ کی امت میں امام ہوئے جو ہدایت کرتے تھے ایسے ہی تیرے امت میں بھی ہم امام مقرر کریں گے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کریں گے۔چنانچہ اہل سنت کے معروف عالم علامہ زمخشری نے بھی آیت کی تفسیر میں اپنی تفسیر کشاف میں اس طرح لکھا ہے کہ" وکذالک لنجعلن الکتاب المنزل الیک ھدی و نوراً ، ولنجعلن من امتک آئمة یھدون مثل تلک الھدایة۔ (تفسیر کشاف ذیل تفسیر آیہ مذکور)

یعنی ہم اسی طرح سے تمہاری آسمانی کتاب کو ضرور ضرور از سر تا پا ہدایت اور نور بنائیں گے اور اسی طرح سے تمہاری امت میں بھی ضرور ضرور آئمہ بنائیں گے جو اسی طرح سے ہدایت کریں گے جس طرح سے بنی اسرائیل میں ہونے والے امام ہدایت کرتے تھے"

بہر حال چونکہ حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے امام تھے اور ان کے بعد انکی ذریت میں نبوت وامامت جاری رہی لہذا حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیم کی آل کے اصطفی کا ذکر کیا۔

یہ آیت واضح طور پر ترتیب کو ظاہر کررہی ہے یعنی سب سے پہلے آدم ہوئے ، پھر

نوح ہوئے پھر آل ابراہیم نبوت، رسالت وامامت کے منصب پر فائز ہوئے آل ابراہیمؑ کے بعد آل عمران کے اصطفیٰ کا ذکر ہے جواس بات کا متقضی ہے کہ آل عمران آل ابراہیم کے بعد شروع ہوں۔

تاریخ ہمارے سامنے تین عمران پیش کرتی ہے ایک حضرت موسیٰ کے والد عمران تھے، دوسرے حضرت مریم کے والد عمران تھے اور تیسرے حضرت علیؑ کے والد عمران تھے۔ جواپنے فرزد طالب کی وجہ سے اپنی کنیت ابو طالب کے ساتھ معروف تھے لیکن اسم گرامی ان کا عمران تھا اب ان تینوں میں سے کون سے عمران کی آل مراد ہے تو یہ آیت اس بات کی طرف دلالت کرتی ہے کہ یہ آل عمران آل ابراہیم کے بعد ہوئے۔

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ تینوں آل ابراہیم میں شمار ہوتے ہیں اور آل ابراہیم کے انبیا کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ حضرت اسحٰق ابن حضرت ابراہیمؑ کی نسل کے آخری نبی ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ حضرت اسماعیل ابن حضرت ابراہیم کی نسل کے آخری نبی ہیں اور آپ پر آ کر نبوت ختم ہوگئی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں ذریت ابراہیمؑ ہیں

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی ذریت میں ہونے والے انبیاء کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

" وتلک حجتنا آتینا ھا ابراھیم علی قومه و نرفع درجت من نشاء ، ان ربک حکیم علیم ، ووھبنا له اسحق و یعقوب کلا ھدینا و نوحاً ھدینا من قبل ومن ذریته دائود و سلیمان ویوسف و موسیٰ و ھارون، واکذلک

نجزی المحسنین وذکریا ، ویحیی و عیسیٰ و ھارون و الیاس کل من الصالحین ، واسمعٰیل والیسع و یونس و لوطاً و کلا فضلنا علی العالمین ، ومن آبائھم و ذریتھم و اخوانھم و اجتنبا ھم وھدینا الیٰ صراط مستقیم "

(الانعام84 تا 88)

ترجمہ: یہ ہماری دلیلیں ہیں جوہم نے ابراہیم کواپنی قوم پر غالب آنے کے لئے دی تھیں ہم جس کے چاہتے ہی مرتبے بلند کرتے ہیں بیشک تمہارا پرودگار حکمت والا اور جاننے والا ہے اور اہم نے ابراہیم کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب سا پوتا عطا کی ہم نے ان سب کو ہدایت کی اوران سے پہلے نوح کو ہدایت کی تھی اوران (ابراہیم ہی) کی اولاد سے داؤدو سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ وھارون ہیں (ان سب کو بھی ہم نے ہدایت کی) اورنیکو کاروں کو ہم ایسا ہی صلہ عطا فرماتے ہیں اور (ان ہی کی اولاد میں) ذکریا و یحییٰ و عیسی والیاس ہیں (ان سب کو بھی ہم نے ہدایت کی) اور یہ سب خدا کے نیک بندوں میں سے ہیں اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس و لوط (کو بھی ہم ہی نے ہدایت کی) اور ہم نے ان سب کو سارے جہان پر فضیلت ی (اور صرف انہیں کو نہیں بلکہ) ان کے باپ داداؤں اوران کی اولاداوران کے بھائی بندوں میں سے (اور بھی بہتیروں کو ہدایت کی) اوران کو مجتبے بنایا اوران اجتبے کیا اورا نہیں صراط مستقیم کی ہدایت کی۔

مذکورہ آیات میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ ابن عمران اور حضرت عیسیٰ ابن مریم بنت عمران حضرت ابراہیم کی ذریت میں شمار ہوتے ہیں

پیغمبر گرامیؐ اسلام بھی ذریت ابراہیمؑ میں شمار ہوتے ہیں

پیغمبر گرامی اسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ میں اپنے جد ابراہیم کی دعا ہوں۔ حضرت

ابراہیم یہ دعا سورۃ البقرہ میں اس طرح آئی ہے'' واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمعیل ربنا تفعل منا انک انت السمیع العلیم . ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امتہ مسلمة لک و ارنا مناسکنا و تب علینا انک انت التواب الرحیم ، ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو ا علیھم آیتک و یعلمھم الکتاب و الحکمة و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم " (البقرہ۔ 127 تا 129)

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کر رہے تھے (اور دعا کرتے جاتے تھے) کہ اے ہمارے پروردگار ہماری یہ خدمت قبول کر لے بیشک تو ہی (دعاؤں کا) سننے والا اور (نیتوں کا) جاننے والا ہے اور اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنائے رکھ اور ہماری اولاد سے ایک گروہ ایسا پیدا کر جو تیرا فرمانبردار رہے اور ہم کو ہمارے حج کی جگہیں دکھلا دے اور ہماری توبہ قبول کر لے۔ بیشک تو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے اور اے ہمارے پالنے والے ہم دونوں کی اس ذریت میں سے ان ہی میں سے ایک رسول بنا کر مبعوث کر دے جو ان تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائیں اور آسمانی کتاب اور عقل کی باتیں سکھائے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ کر دے بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

اس بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے حق میں پوری ہوئی اور خود خدا نے سورہ آل عمران میں مومنین پر احسان جتاتے ہوئے اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا

" لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیتہ و یزکیھم و یعلم الکتاب و الحکمتہ و ان کانوا من قبل لفی ضلال

مبین " (آل عمران

164-)

یقیناً خدا نے صاحبان ایمان پر یہ بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں سے ان کے واسطے ان ہی میں سے ایک کو رسول بنا کر بھیجا جو انہیں خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک و پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں کتاب خدا اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے اگر چہ وہ اس سے پہلے ان باتوں کا کوئی علم نہ رکھتے تھے۔

پس ان آیات سے ثابت ہوا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ ذریت ابراہیم میں حضرت اسحق کی نسل کے آخری نبی ہیں اس طرح پیغمبر گرامی اسلام حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ ذریت ابراہیم میں حضرت اسمٰعیل کے آخری نبی ہیں اور آنحضرت پر آ کر ذریت ابراہیمؑ میں نبوت ختم ہوگئی لیکن امامت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ کیونکہ خداوند تعالی کیونکہ خداوند تعالی نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم کی امامت کا اعلان کی اپھر ان کی اولاد میں امامت کا سلسلہ جاری رہا اور سورہ السجدہ کی آیت نمبر 24,23 میں جہاں بنی اسرائیل میں موسیٰ کی امت میں امامت کو بیان کیا اس میں یہ پیش گوئی بھی کردی کہ آنحضرت کے بعد بھی امام ہوں گے

پیغمبر گرامی اسلام کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آنحضرت کی نیابت دو عنوان سے قائم ہوئی، ایک اقتدار دینا کی نیابت خلافت کے نام سے اور دوسرے کار ہدایت کی نیابت امامت کے نام سے اقتدار دنیا کی نیابت پالیٹکس اور سیاسی حیلوں سے سقیفہ بنی ساعدہ میں قائم ہوئی اور امامت خدا کے حکم سے پیغمبر اکرم صلعم کے اعلانات کے ذریعے قائم ہوئی۔

ہم نے اپنی کتاب خلافت قرآن کی نظر میں" تفصیل کے ساتھ اس بات پر روشنی

ڈالی ہے کہ خلافت کوئی منصب نہیں بلکہ لفظ خلیفہ، خلف سے مشتق ہے، جس کے معنی کسی کے پیچھے آنے کو ہیں پس جو کوئی کسی کے مرنے یا ہلاک ہونے یا تبدیل ہو جانے کے بعد اس کی جگہ لے وہ اس کا جانشین یا خلیفہ ہے چونکہ آدم علیہ السلام زمین سے جنوں کو باہر نکالنے اور فرشتوں کو واپس بلانے کی صورت میں زمین پر آباد کئے گئے ہیں لہٰذا وہ ان کی بجائے زمین پر ان کے جانشین ہوئے۔ اسی لئے سالم قرآن میں جہاں بھی لفظ خلیفہ آیا ہے یا اس کے مشتقات آئے ہیں ان سب کے ساتھ ''الارض'' کا لاحقہ ہے یعنی فی الارض خلیفہ، خلفیۃ فی الارض، خلفاء الارض، خلائف فی الارض، مستخلفین فی الارض، لیستخلفنکم فی الارض اور یستخلفھم فی الارض۔ پس کسی کے مرنے یا ہلات ہونے یا تبدیل ہونے کے بعد اسکی جگہ لینے والے اور زمین بسنے اور آباد ہونے والے ان کے جانشین اور خلفیہ کہلاتے ہیں چونکہ پیغمبرؐ نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ لیکن کار ہدایت انجام دینے کے لیے خلیفہ یعنی نائب و جانشین میرے بھی ہوں گے اور اپنے ان جانشینوں کا جو پیغمبر کے بعد کار ہدایت انجام دیں گے دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر غدیر خم تک اور غدیر خم سے لے کر بستر مرگ تک حتیٰ کہ ان کی تعداد تک کا کہ وہ بارہ ہوں گے طرح طرح سے اور کئی طریقوں سے اعلان فرما چکے تھے اور چونکہ خدا کی طرف سے انسانوں پر ہادیوں کے سوا اور کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے لہٰذا پیغمبران کی اطاعت کا حکم نافذ کر چکے تھے اور چونکہ دراصل خدائی نمائندے اور ہادیان خلق ہی حکومت الٰہیہ کے نمائندے ہوتے ہیں لہٰذا خدا کی طرف سے حکومت کا اختیار بھی انہیں کو حاصل ہوتا ہے پس خدا کے مقرر کردہ یہ ہادی کار ہدایت اور امور حکومت میں پیغمبر کے حقیقی جانشین تھے، جسے عربی میں خلفیہ کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرت پیغمبر کے بعد پیغمبر کے نائب کی حیثیت سے کار ہدایت اور امور حکومت انجام دینے والے ہیں پس لفظ خلیفہ اور خلاف کوئی منصب یا عہدہ نہیں ہے، لیکن

پالیٹکس اوراپنی سیاست کے ذریعے پیغمبر اکرم کی حکومت کو نبوت سے الگ قرار دے کر بر سراقتدار آنے والے اس لفظ خلیفہ کو لے اڑے اور انہوں نے اسے حاکم وفرمانبروا اور بادشاہ وسلطان کے منصب کے معنی قرار دے لیا اور پھر بنی امیہ، بنی عباس اور سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ سب ہی خود کو خلیفہ کہلاتے رہے لیکن اکثر مسلم دانشوروں اور علماء نے خلافت اور امامت کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں الفاظ علیحدہ علیحدہ وضع ہوئے ہیں اور بالکل مختلف معنی رکھتے ہیں ۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہم نے خلاف کے موضوع پر اپنی کتاب " خلاف قرآن کی نظر میں "میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور قرآن سے ثابت کیا ہے کہ خلافت کوئی منصب نہیں ہے اور امامت کے موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "امات" ایک منصب الٰہیہ ہے لہٰذا تفصیل کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے ۔خلاف کے بارے میں مختصراً اوپر بیان ہو چکا ہے منصب امامت کے بارے میں مختصراً یہ جان لینا چاہیے کہ امام کے معنی رہنما اور پیشوا کے ہیں اور سالم قرآن میں جہاں بھی لفظ امام آیا ہے یا اس کی جگہ آئمہ آئی ہے تو وہاں الارض کا لاحقہ نہیں ہے بلکہ امام کا لاحقہ یا انسان ہے یا ہدایت سے مشتق الفاظ ہیں مثلاً حضرت ابراہیم کو فرمایا "انی جاعلک للناس اماما" اے ابراہیم میں تمہیں لوگوں کی امام بنانے والا ہوں" یا جیسے حضرت اسحٰق ویعقوب کے لیے فرمایا" وجعلنا هم آئمة يهدون بامرنا "

ہم نے انہیں امام بنایا وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اس طرح سورہ السجدہ کی آیت نمبر 24,23 میں حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں ہونیوالے آئمہ کے ساتھ یہدون بامرنا آیا ہے اور ان آیات میں پیغمبر اکرم کے بعد آئمہ کے ہونے کی بھی پیش گوئی ہے اور قرآن میں خدا نے پیغمبر کے بعد جاری رہنے والی امامت کا واضح

طور پر اعلان کیا ہے جو اس طرح ہے

"والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماماً۔ اولئک یجزون الغرفۃ بما صبروا و یلقون فیھا تحیۃ و سلاماً

(الفرقان۔75,74)

ترجمہ: اور وہ (ہمارے خاص بندے) جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری ازدواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف اے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت کر اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام و پیشوا بنا دے۔ یہی ہیں وہ ہستیاں جنہوں نے کارِ ہدایت انجام دینے میں بڑے ہی صبر و استقامت کی وجہ سے جنت میں بالاخانے اور بلند مقام عطا کیا جائے گا اور اس میں ان کو ہر طرف سے مبارکبادیاں دی جائیں گے اور ان کو سلام پیش کیا جائیگا۔

ان تینوں آیتوں میں خداوند تعالی نے واضح الفاظ میں یہ کہا ہے کہ امت محمد میں ایک مخلص بندہ ایسا ہے جس نے خود اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لیے متقین کا امام بنانے کی دعا کی ہے، اور خداوند تعالی نے قرآن کریم میں اپنے مخلص بندوں کی جتنی دعاؤں کا ذکر کیا ہے ان کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا ہے ہم نے ابراہیم کی اپنی ذریت کے لیے دعا کو ذکر بھی اسی لئے کیا کہ ہم نے ابراہیم کی دعا ان کی ذریت میں سے امام بنانے کی قبول کر لی ہے اور پیغمبر کی امت سے اس مخلص بندے کی دعا کا ذکر بھی اسی لئے کیا ہے کہ ہم نے پیغمبر کی امت میں سے اس مخلص بندے کی اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لیے امام بنائے جانے کی دعا قبول کر لی ہے اور یہ ایک انداز ہے خدا کے بیان کرنے کا جس میں اس نے اپنے ایک مخلص بندے کی دعا کا ذکر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ پیغمبر صلعم کے بعد بھی امام و ہادی خلق ہوں گے

اور وہ امام المتقین کے لقب سے ملقب ہوں گے اور نہ صرف یہ دعا کرنے والا امام ہوگا بلکہ اس کی ذریت میں سے بھی امام ہوں گے۔

پس یہ وہ ہستی ہے کہ جو پیغمبر کے بعد خود امام المتقین ہوا اور کی بعد اسکی ذریت میں سے امام ہوتے رہے انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا کارہدایت انجام دینے اور ایک گروہ کثیر نے ان کی امامت کو مانا اور ان کی پیروی کو فرض جانا اور ان کی امامت قرآن کریم کی صداقت کی ایک بین دلیل ہے۔

لیکن پیغمبر اکرم صلعم کے بعد لوگ پالیٹکس اور سیاسی حیلوں کے ذریعہ برسر اقتدار آئے اور خلیفہ کے لقب کے ساتھ معروف ہوئے ان میں سے کسی کی اولاد خلیفہ بھی نہ بنی لہذا نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دعا انہوں نے کی تھی کیونکہ یہ دعا امام المتقین وہ ہے جس کی ذریت میں امامت چلی۔

اب تک جو کچھ بیان ہوا یہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 34,33 ان اللــــه اصــطفی آدم الخ (یعنی بیشک اللہ نے آدم کو نوح کو آل ابراہیم کو آل عمران کو مصطفیٰ بنایا ہے) کے ذیل میں آیا ہے اب جبکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ سب کے سب آل ابراہیم کے انبیا ہیں ،تو آیت کی ترتیب کا تقاضا یہ ہے کہ آل ابراہیم کے بعد جس آل عمران کی کے اصطفی کو بیان کیا گیا ہے اس کا سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ کے بعد شروع ہوا۔

ہم سابقہ اوراق میں لکھ آئے ہیں کہ غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" میں یہ کہا ہے کہ وحی کے انتخاب کے لئے جو ان کے نزدیک صرف انبیا ورسل کو ہوتی ہے قرآن میں صرف دو لفظ آئے ہیں ایک اصطفی اور دوسرے اجتبٰے ۔

چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ پر نبوت کا خاتمہ ہوگیا اور اب اور کوئی نبی نہیں آئے گا

۔لہذا غلام احمد پرویز صاحب کے نظریہ کے مطابق خاتم الانبیاء کے بعد نہ تو کسی کا اصطفی ہونا چاہیے اور نہ ہی کسی کا اجتبے ہونا چاہیے۔چونکہ اصطفی اور اجتبے' دونوں کا تعلق صرف اور صرف خدا کے ساتھ ہے یعنی خدا کے سوا نہ تو کوئی کسی کا اصطفے کرسکتا ہے اور نہ ہی خدا کے سوا کوئی اور کسی کا اجتبے کرسکتا ہے پس اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد خدا کچھ ہستیوں کا واضح الفاظ میں اصطفے کا بیان کرے جو کچھ ہستیوں کے اجتبے کو بھی بیان کرے جو اصطفے' کے بعد کی منزل ہے تو یہ بات مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ وہ آل عمران جن کے اصطفے کا ذکر آل ابراہیم کے بعد آیا ہے وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد آنے والی ہستیوں کے اصطفے' اور اجتبے کو بیان کرتی ہیں لہذا ہم اس کے بعد یہ ثابت کریں گے کہ پیغمبر کے بعد خدا کے ایسے بندے موجود رہے جن کا خدا نے اصطفی بھی کیا اور جن کا خدا نے اجتبی بھی کیا۔

قرآن پیغمبر کے بعد خدا کے مصطفے' بندوں کی گواہی دیتا ہے

خداوند تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ

"والذی اوحینا الیک من الکتاب هو الحق مصدقاً لما بین یدیه ، ان الله لعباده لخبیر البصیر ، ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا"

(فاطر 32,31)

ترجمہ: اور ہم نے جو کتاب تمہارے پاس وحی کے ذریعہ بھیجی وہ بالکل حق ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے کی اس کے سامنے موجود ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے بیشک خدا اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے اور دیکھ رہا ہے۔پھر ہم نے (پیغمبر کے بعد) اپنے بندوں سے خاص طور پر ان کو قرآن کا وارث بنایا جنہیں ہم نے مصطفیٰ بنایا تھا جن کا ہم نے اصطفی

کیا تھا۔

سورہ فاطر کی مذکورہ آیت واضح طور پر بیان کررہی ہیں کہ پیغمبر کے بعد خدا نے قرآن کا وارث ان کو بنایا جو خدا کے مصطفیٰ بندے ہیں

قرآن کے وارث کا کیا مطلب ہے؟

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو ایک کتاب ہدایت ہے جو سب کو ہدایت کرتی ہے، تو خدا نے ''اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا'' کیوں کہا؟

غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں احادیث کی بے اعتباری ثابت کرنے پر جہاں بہت زور لگایا ہے وہاں قرآن کریم کے بارے میں کھلے دل کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی آیت:

''انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون'' (15/9)

کا حوالہ دیا ہے، اور جس کا ترجمہ انھوں نے یہ کیا ہے ''یقیناً ہم نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''

(مقام حدیث ص 3)

بیشک خدا نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے مگر غور طلب بات یہ ہے کہ حفاظت سے کیا مراد ہے؟

کیا حفاظت سے مراد یہ ہے کہ چاہے اس کو آگ میں ڈال دو یہ جلے گا نہیں یا اس کو کنویں میں ڈال دو یہ گلے گا نہیں تو یقیناً اس سے کوئی بھی یہ مراد نہیں لے سکتا ہے

پھر کیا قرآن کی حفاظت کا یہ مطلب ہے کہ قرآن ایک ایک لفظ ایک ایک حرف

ایک ایک زیر ایک ایک زبر ایک ایک پیش ایک ایک شد ایک ایک جزم اسی طرح رہے گا نہ کوئی لفظ اوپر ہوگا نہ کوئی حرف بدلے گا نہ کوئی لفظ ہلے گا نہ زبر، زیر، پیش شد اور جزم میں کوئی فرق آئے گا۔ تو جمہور علما اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کی ایسی حفاظت بھی خدا نے فرمائی ہے اور قرآن اس قسم کی تحریف سے ۔۔۔۔۔۔ ہے البتہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ فلاں آیت یوں نازل ہوئی تھی اور فلاں آیت اس طرح تھی اسے مسلم علماء اور دانشوروں اور مفسروں نے علیحدہ سے تشریحی اور تفسیری بیان قرار دیا ہے کہ خدا نے صرف الفاظ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ یا اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا نے قرآن کی آیات جس مقصد، جس مطلب اور جس معنی ومفہوم کو بیان کے لئے نازل کی ہیں اس کی حفاظت کا بھی خدا نے ذمہ لیا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن کریم کی آیات کا معنی ومفہوم اور مطلب محفوظ نہ رہے تو الفاظ کی حفاظت کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اور اسمیں ذرا بھی شک نہیں ہے اور ڈنکے کی چوٹ کہی جا سکتی ہے یہ بات کہ قرآن کریم کے معانی ومطالب ومفاہم کے بیان کرنے میں تحریف ہوگئی ہے اور اس تحریف کا ہی نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے اس سے کہیں زیادہ فرقے بن گئے جتنے فرقوں کے بارے میں حدیث کی نسبت پیغمبر کی طرف جاتی ہے کیونکہ ہر فرقہ قرآن سے ہی سند لاتا ہے۔ آخر خدا نے جو اس قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا تو اسے کوئی ایسا انتظام بھی تو کرنا چاہیے تھا کہ قرآن کریم کی آیات جس مقصد جس مطلب اور جس معنی ومفہوم کو بیان کرنے کے لیے نازل کی گئی ہیں اس مقصد، اس مطلب اور اس معنی ومفہوم کو صحیح صحیح جاننے والا بھی تو کوئی موجود رہے۔ ورنہ الفاظ، حروف، لفظوں، زیر، زبر، پیش، شد، جزم کو جوں کا توں رکھنے اور اس کی حفاظت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اسی چیز کو خدا نے بیان کیا ہے اس نے اس کا بھی انتظام کیا ہے اور اس نے پیغمبر کے بعد قرآن کا وارث اپنے مصطفےٰ بندوں کو بنایا ہے جو

قرآن کریم کی آیات کے مقصد ان کے مطلب اور معنی ومفہوم کے محافظ ہیں ۔اور قرآن کریم کے معنی میں تحریف کرنے والوں کی تحریف کے ابطال کے لئے پیغمبر گرامی اسلامؐ کے بعد بھی موجود رہے ہیں۔

قرآن کریم کی آیات کو اپنے مطلب کے مطابق استعمال کرنے والے اکثر حضرات کا شیوہ یہ ہے کہ آیات قرآنی کا قتل عام کرکے اور قطع وبرید کے بعد سر بریدہ یاپا بریدہ آیت کا صرف اتنا ٹکڑا جس سے وہ اپنے مطلب کو اپنے گمان کے مطابق ثابت کرسکیں پیش کرتے ہیں ۔یا سیاق وسباق کو ظاہر کرنے والی ان آیات کو جو ماقبل و مابعد ہیں اور صحیح مطلب کو معلوم کرنے کے لئے ان کو ساتھ رکھنا ضروری ہے وہ ان کو چھوڑ دیتے ہیں

چنانچہ غلام احمد پرویز صاحب قرآن کریم کی جمع وتدوین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''قرآن کریم حضور پر نازل ہوا اور اس کے متعلق جمع وتدوین کی ذمہ داری خود اللہ تعالٰی نے اپنے اوپر لی۔

" ان علینا جمعه و قرآنه" (75/17)

''یقیناً اس (کتاب) کا جمع کرانا اور اس کو پڑھانا ہمارے ذمہ ہے''

(مقام حدیث ص 3)

لیکن قرآن کریم کے نزول اور اس کے جمع کرنے اور پڑھانے کے بارے میں میں جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ اس طرح سے ہیں ۔

" لا تحرک به لسانک لتعجل به، ان علینا جمعه و قرآنه فاتبع قرانه ، ثم علینا بیانه"

القیامۃ 16 تا 19

ترجمہ: اے رسول وحی کے جلدی یاد کرنے کے واسطے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ اس کا جمع کر دینا اور اس کو پڑھوانا تو یقیناً ہمارے ذمہ ہے۔ تو جب ہم اس کو (جبرئیل کی زبانی) پڑھ لیا کریں تو پھر تم (پورا سننے کے بعد) اسی طرح پڑھا کرو، پھر اس کے بعد اس کے معانی و مطالب اور مشکلات کو سمجھانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے قرآن کریم کی یہ آیت یہ کہتی ہے کہ جمع کرنا پہلے ہے اور پڑھوانا بعد میں ہے، اسی لئے ابن عباس اور ضحاک کا کہنا یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے سینے میں جمع کرنا اور پھر اس کو تیرے لئے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تا کہ اس کی تلاوت ممکن ہو جائے۔

بہر حال خدا نے جمع کرنے کے بعد پڑھوانے کا ذمہ لیا ہے اور کہتا ہے کہ جب ہم (جبرئیل کی زبانی) پڑھ لیا کریں تو تم پورا سننے کے بعد پھر پڑھا کرو۔ یہ بات تو جمع کرنے اور پڑھنے پڑھانے کی ہے۔ اس سے آگے جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب سے زیادہ قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ "ثم ان علینابیانہ"

پھر اس کو پڑھانے کے بعد اسی کے معانی و مطالب اور مشکلات کا سمجھانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جبرئیل قرآن نازل کرنے کے بعد اس کی وضاحت کے بیان کے لئے دوبارہ نازل ہوا کرتے تھے۔

اب وہ بات جو پیغمبر کو قرآن کے طور پر پڑھائی گئی وہ تو قرآن میں محفوظ ہے لیکن قرآن کے وہ معنی و مطلب اور مشکلات جو پیغمبر کو خدا نے علیحدہ سے سمجھائے وہ کہاں ہیں اگر خدا نے ان کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ کیا ہو تو پھر یہی بات ہو سکتی ہے تھی کہ جس کا جو دل چاہے اس مطلب نکالتا ہے۔ لہذا خدا نے اس کا بندوبست کیا اور اپنے مصطفیٰ بندوں کو قرآن کا وارث بنایا جن کے پاس قرآن بھی محفوظ ہے اور ان کے معانی و مطالب بھی محفوظ ہیں، جیسا کہ راغب اصفہانی نے اپنی کتاب "مفردات القرآن" میں البیان کے معنی اس

طرح لکھے ہیں۔

"البیان" کے معنی کسی چیز کو واضح کرنے کے ہیں اور یہ نطق سے عام ہے کیونکہ نطق انسان کے ساتھ مختص ہے اور کسی چیز کے ذریعہ بین کیا جاتا ہے اسے بھی بیان کہہ دیتے ہیں

اصطفیٰ کا لغت میں معنی

چونکہ خداوند تعالی کا ارشاد یہ ہے کہ میں نے قرآن کا وارث اپنے مصطفےٰ بندوں کو بنایا ہے اور ان کا اصطفےٰ کیا ہے لہذا دیکھنا یہ ہے کہ خدا کے مصطفےٰ بندے کیسے ہوتے ہی اور لغت میں اصطفا کے کیا معنی ہیں۔ راغب اصفہانی اپنی لغت کی معروف کتاب (مفردات القرآن) میں لکھتے ہیں

الاصطفاء: اصطفے کے معنی بہتر چیز لے لینا اور الاجتبا .... یہ عمدہ چیز منتخب کرلیا آتے ہیں

اس کے بعد راغب اصفہانی لکھتے ہیں

"اللہ تعالی کو کسی بندہ کو چن لینا کبھی تو بطور ایجاد کے ہوتا ہے۔ یعنی اسے اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف پیدا کرت ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔ اور کبھی اختیار و حکم کے ہوتا ہے گو یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔

مفردات راغب ص 587

اصطفے کے اس لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلب یہ ہوا کہ اردو میں اگرچہ ترجمہ کرتے وقت اس لفظ کا ترجمہ برگزیدہ کرنا یا چننا یا منتخب کرنا ہی کیا جاتا ہے اور اختیار اور اجتبا کا معنی بھی یہی کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان تینوں کے معنی میں ایک خاص فرق ہے کیونکہ اصطفے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے کسی کا اصطفے یہ ہوتا ہے کہ وہ خلقی اور پیدائشی طور پر

بطور ایجاد کے اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف پیدا ہوتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور کسی کا اختیار کرنا اور کسی کا اجتبا کرنا بعد کا مرحلہ ہے۔لیکن وہ اپنے کسی منصب کے لئے اختیار صرف انہیں کو کرتا ہے جو پیدائشی طور پر پہلے سے مصطفے ہوتے ہیں جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القران میں بیان کیا ہے کہ یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی اور اختیا وہ اپنے مصطفے بندوں کو ہادی بنانے کے لئے کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے پھر وہ ان کا اجتبا کرتا ہے اور انہیں مجتبے بناتا ہے اور یہ انبیا ورسول وہادین دین کا آخری درجہ ہے اور ان کے معصوم ہونے کی آخری ڈگری ہے۔

اب ہم پہلے مرحلہ میں اصطفے کا معنی سمجھانے کے لیے ایسی ہستی کا حال قرآن سے بیان کرتے ہیں جس کا خدا نے اصطفے کیا،لیکن وہ نبی یا رسول اور امام نہ تھیں

حضرت مریم کا اصطفے

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ

" و اذ قالت الملائکۃیا مریم ان اللہ اصطفاک و طھرک و اصطفاک علی نساء العالمین "

(آل عمران 42)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ملائکہ نے (مریم سے کہا) اے مریم اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔اس نے تمہارا اصطفے کیا ہے اور تم کو پاک وپاکیزہ رکھا ہے، اور تم کو دنیا جہان کی عورتوں پر برتری دی ہے۔

اس آیت میں اصطفاک دو مرتبہ آیا ہے ایک مرتبہ طھرک سے پہلے اور ایک مرتبہ طھرک کے بعد اور اردو زبان میں یہاں بھی اصطفاک معنی برگزیدہ کرنا یا چننا ہی کیا جاتا

ہے۔لیکن اردو کے ان الفاظ سے وہ معنی ومفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا جس معنی یا مفہوم کے لئے یہ لفظ وضع ہوا ہے۔کیونکہ حضرت مریم کا برگزیدہ کرنا یا چننا اس طرح نہیں ہے کہ پہلے تو انہیں پیدا کردیا ہو، پھر وہ ان کثافتوں میں مبتلا رہی ہوں جس میں دوسرے مبتلا رہتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے چن کر انہیں مصطفےٰ بنایا ہو اور انہیں پاک کیا، نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اصطفاک کا مطلب یہ ہے کہ اے مریم اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا ہی پاک کیا ہے اور تجھ میں وہ کثافتیں نہیں ہیں جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے اور غلام احمد پرویز صاحب اور طلوم اسلام والوں کو خاص طور پر غور کرنا چاہئے کہ حضرت مریم نہ تو نبی تھیں نہ رسول تھیں اور نہ ہی امام تھیں۔لہذا یہاں اصطفےٰ کا معنی یا انہیں مصطفیٰ بنانے کا مطلب ان عہدوں میں سے کسی منصب کے لئے چننا نہیں ہوسکتا۔کیونکہ ان کے پاس نبوت ورسالت وامامت میں سے کوئی منصب تھا ہی نہیں پس یہاں اصطفےٰ کا معنی چنا لینے کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا،سوائے اس کے جو راغب اصفہانی کی مفردات القران سے سابقہ صفحات میں بیان ہوا ہے،یعنی انہیں ان اندرونی کثافتوں سے اور عیوب سے پاک وصاف پیدا کیا جو دوسروں میں پائے جاتے ہیں۔

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت مریم چونکہ نبی ورسول یا امام نہیں تھیں کہ ان کا ہادی بنانے کے لے اجتبا کیا جاتا، جو انبیاء ورسل کو معصوم رکھنے والی اور ان کی عصمت کو بیان کرنے والی آخری ڈگری ہے لہذا خدا نے ان کے اصطفےٰ کے بیان کے بعد ان کی عصمت کو بیان کرنے کے لئے ایک علیحدہ لفظ استعمال کیا اور وہ لفظ ہے طھرک، یعنی اے مریم پہلے تو خدا نے تجھے مصطفےٰ پیدا کیا۔اور تیرے اصطفےٰ کے ساتھ ساتھ تجھے طاہر ومطہر اور پاک وپاکیزہ بھی رکھا ہے یعنی چونکہ حضرت مریم نبی ورسول وامام نہیں تھیں کہ ان

کی عصمت کو اجتبا کے لفظ کے ساتھ بیان کیا جاتا لہذا خدا نے ان کی طہارت و پاکیزگی اور عصمت کو طھر ک کے ذریعہ بیان فرمایا۔

اور اسی طرح سے خداوند تعالی نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عصمت و طہارت کو آیہ تطہیر میں اس طرح سے بیان کیا ہے۔

"انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهر کم تطهیرا"

(الاحزاب۔133)

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ اللہ یا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت تم سے رجس کو دور رکھے اور تمہیں ایسا طاہر و مطہر اور پاک و پاکیزہ رکھے، جیسا کہ پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ اور اسی بات پر سب کا اتفاق ہے ہے کہ یہ آیت پنجتن پاک یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ، علی المرتضیٰ، فاطمۃ الزہراؑ، اور حسن و حسین علیہما السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ان حضرات کا حدیث کساء میں جس طرح سے تعارف کرایا گیا ہے وہ اسطرح سے ہے۔

"هم فاطمة و ابوها و بعلیها و بنوها"

یعنی یہ فاطمہ ہیں ان کے والد بزرگوار ہیں ان کے شوہر نامدار ہیں اور ان کے فرزندان گرامی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیہ تطہیر خصوصی طور پر حضرت فاطمہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ بھی نبی یا رسول یا امام نہیں تھیں کہ ان کی عصمت کو اجتبا کے لفظ کے ساتھ بیان کیا جاتا۔ جو ہادیان دین کے ساتھ مخصوص ہے لہذا ان کی عصمت کو اذہاب رجس اور یطہر کم تطہیرا کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا اور ساتھ ہی ان کے والد بزرگوار اور ان کے شوہر نامدار اور ان کے فرزندان گرامی کی عصمت پر یہ آیت مزید ایک علیحدہ دلیل بن گئی ہے۔ یعنی وہ بھی اس اذھاب رجس اور یطہر کم تطہیرا کے مصداق ہیں۔

بہر حال خداوند تعالی نے حضرت مریم کی عصمت کو اصطفاک کے بعد طھرک کے لفظ کے ذریعہ بیان کیا ہے اور خدا جسے منصب نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے وہ مصطفی ہوتے ہیں یعنی وہ خلقی اور پیدائشی طور پر اس قابلیت وصلاحیت واستعداد کے مالک ہوتے ہیں خدا انہیں ان مناصب کے لئے اختیار کرے اور خدا خود یا فرشتوں کے ذریعہ ان سے کلام کرے، لیکن حضرت مریم نہ تو نبی تھیں نہ رسول تھیں نہ امام تھیں لہذا یہ ان کے اصطفے ہی کی وجہ سے تھا کہ خدا نے ان سے کلام کیا اور یہ کہا کہ

" یامریم اقنتی لربک واسجدہ الرکع مع الراکعین

(آل عمران -43)

یعنی اے مریم تم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

قرآن کریم کی یہ آیت اس بات کی گواہ ہے کہ خدا نے فرشتے کے ذریعے حضرت مریم سے کلام کیا۔ سورہ مریم میں اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں انہیں سے ایک یہ ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضرت مریم سے کہا:

" قال انما انا رسول ربک یلھب لک غلاماًذ کیا ، قالن انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا "

جبرئیل نے کہا ، میں تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا رسول ہوں تا کہ (خدا کی طرف سے) تم کو پاک و پاکیزہ لڑکا عطا کروں ،مریم نے کہا مجھے لڑکا کیوں کر ہوسکتا ہے حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جبرئیل خدا کی طرف سے رسول بند کی بھی وحی لاتے رہے اور یہ آیت یہ کہتی ہے کہ خدا نے جبرئیل کے ذریعے مریم سے کلام کیا اور یہ ان کے

اصطفے کی وجہ سے تھا

پس خدا جن کا اصطفے کرتا ہے ان میں یہ قابلیت وصلاحیت واستعداد ہوتی ہے کہ وہ خدا سے ہم کلام ہوں اور خدا ان سے وحی کے ذریعے کلام کرے۔ چاہے وہ منصب نبوت پر فائز نہ ہوں، لیکن ایسی وحی امت کے لئے خدا کی طرف سے احکام پہنچانے کے طور پر نہیں ہوتی بلکہ یہ تربیتی وحی ہوتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر اکرم صلی علیہ وآلہ کو جو قرآن وحی کے ذریعہ پڑھایا وہ تو امت کے پہنچانے کے لئے تھا۔ مگر خدا کے مصطفےٰ اور خدا کے مجتبےٰ ہونے کی حیثیت سے جو دوسری وحی انہیں آتی تھی وہ اسی طرح کی تربیتی وحی ہوا کرتی تھی اور ''ثم ان علینا بیانہ'' سے ثابت ہے کہ خدا نے قرآن پڑھانے کے بعد آنحضرت صلعم کو اس کے مطالب ومعانی ومفاہیم ومشکلات بھی سمجھائے اور ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور ان کی توضیح وتشریح وتفسیر علیحدہ سے بیان فرمائی۔

لہذا اصطفے کے معنی جان لینے کے بعد اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خدا نے اپنے جن مصطفے بندوں کو پیغمبر کے بعد قرآن کا وارث بنایا ہے ان کا اصطفیا بھی اسی شان کا ہوگا اور جس طرح خدا نے قرآن کے الفاظ وحروف کی حفاظت کی ہے اسی طرح وارثان قرآن کے ذریعہ ان کے معانی ومطالب ومفاہیم کی بھی حفاظت کی ہے۔ لیکن جس طرح قرآن سے ہدایت بھی صرف وہی لے سکتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے، اس طرح ان وارثان قرآن سے صحیح معنی ومطالب ومفاہیم بھی وہی معلوم کرسکتا ہے جو ان کی طرف رجوع کرے

پیغمبر صلعم کے بعد خدا کے مجتبیٰ بندے بھی موجود رہے ہیں

غلام احمد پرویز صاحب نے وحی کے لئے انتخاب کے واسطے جو الفاظ بیان کئے تھے ان میں لفظ اصطفا پر سابق میں گفتگو ہوچکی، اب ہم لفظ اجتبا کی تحقیق کی طرف آتے

ہیں۔

قرآن کریم واضح الفاظ میں اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام کے بعد بھی خدا کے ایسے بندے موجود رہے ہیں جن کا خدا نے اجتبٰے کیا ہے اور جن کو اس نے مجتبٰے بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا۔

" هوا جتباكم وماجعل عليكم في الارض من حرج ملة ربيكم ابراهيم هوسائكم المسلمين من قبل و في هذا ليكون الرسول شهيداً عليكم و تكونو شهداء على الناس. الحج 78

ترجمہ: اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے، تم کو مجتبٰے بنایا ہے اور امور دین میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں رہنے دی۔ یہ تمہارے بات ابراہیم کی سنت ہے اس نے ہی تمہارا نام پہلے سے (فرمانبردار) رکھا ہے، تا کہ رسول تم پر گواہ ہو، اور تم تمام انسانوں پر گواہ ہو۔

یہ آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم کے بعد بھی ایسی ہستیاں موجود رہی ہیں جن کا خدا نے اجتبا کیا جو "ھواجتباکم" سے ثابت ہے۔

ہم نے اس آیت کی تشریح اور یہ کہ یہ حضرات لوگوں پر کس بات کے گواہ ہوں گے۔ اور پیغمبران کے لئے کس بات کی گواہی مجموعی طور پر اجتبا کا بیان، اور حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت یونسؑ کے اجتبا کا علیحدہ علیحدہ بیان خاص طور پر اپنی کتاب "امامت قرآن کی نظر میں" کیا ہے لہذا مزید تشریح و تفصیل معلوم کرنے کے لئے مذکورہ کتاب کی طرف رجوع کریں۔ جس سے اجتباء کی حقیقت اور خدا کے مجتبٰے بندوں کی شان معلوم ہو سکے۔

اجتبٰے کا لغت میں معنی

راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں از روئے لغت اجتبا کا معنی اس طرح لکھا ہے

الاجتباء: کے معنی انتخاب کے طور پر کسی چیز کے جمع کرنے کے ہیں لہذا آیت کریمہ "

واذلم ... آیۃ قالوا لولا اجتبیتھا" (الاعراف ۔203)

اور جب تم ان کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے خود ہی) کیوں نہ بنالی میں لولا اجتبیتھا کے معنی یہ ہوں گے کہ تم خود ہی ان کی تالیف کیوں نہیں کر لیتے ، دراصل کفار یہ جملہ طنزیہ کہتے تھے کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے نہیں ہیں تم خود ہی اپنے طور پر بنا لیتے ہو" مفردات القران ص 171

اس آیت اور لغت کے اس معنی سے ثابت ہوا کہ اجتبا کا معنی کسی کا کسی چیز کو بنانا ہے،اور انبیاو رسول اور ہادیان دین کے لیے اجتباء کی منزل انکی عصمت کی آخری منزل ہے ۔یعنی پہلے وہ پیدائش اور خلقی طور پر مصطفےٰ ہوتے ہیں پھر خدا انھیں اپنے کام انجام دینے کے لئے دوسرے تمام لوگوں میں سے اختیار کرتا ہے جیسا کہ فرمایا:

"وربک یخلق مایشاء و یختار ماکان لھم الخبرۃ سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون "

اور تمہارا پروردگار ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) اختیار کر لیتا ہے، منتخب کرتا ہے ۔اور یہ انتخاب کرنا یا اختیار کرنا، لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے اور جس کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں اس سے خدا پاک اور برتر ہے۔

یقینی طور پر کوئی شخص کسی کو اس کے منصب کے لئے کیسے منتخب یا اختیار کر سکتا ہے، کیونکہ اپنے ان بندوں کو جس اس نے اس مقصد کے لیے اصطفا کیا ہے اس کے سوا اور کوئی جانتا ہی نہیں ۔لہذا صرف خدا اپنے مصطفےٰ بندوں کو اپنے منصب کے لئے اختیار کرتا ہے اور

پھر ان اختیار کردہ بندوں کو اپنے کام کا بنانے کے لیے انہیں خود تربیت کرتا ہے، انہیں تعلیم دیتا ہے اور انہیں اپنے زیر نگرانی رکھ کر خصوصی طور پر ہدایت دیتا رہتا ہے اور انبیاء و رسل اور ہادیان دین کو ایک چشم زدن اور ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے نفس کے حوالہ نہ کرنا خدا کی طرف سے ان کا اجتبا ہے اور انہیں مجتبےٰ بنانا ہے اور یہی اجتبا انبیا و رسل اور ہادیان دین کو معصوم رکھنے والی ہے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہوا کہ خدا نے انبیاء و رسول اور ہادیان دین کی عصمت بیان کرنے کے لئے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ دو ہیں نمبر 1 اصطفےٰ نمبر 2 اجتبا یعنی خدا جن کے اصطفےٰ کی گواہی دے وہ پیدائشی طور پر اس قابلیت وصلاحیت و استعداد کے مالک ہوتے ہیں کہ خدا ان سے وحی کے ذریعے کلام کرے اور وہ خدا کی وحی اور کلام کو سمجھیں خدا انہیں کو انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے طور پر اختیار اور منتخب کرتا ہے۔اور خدا جن کے اجتبا کی گواہی دے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ، ہمہ وقت اور ہر لمحہ اور ہر آن خدا کے لطف و کرم اور ہدایت سے فیض یار ہو رہے ہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی وہ اپنے نفس کے حوالے نہیں ہوتے اور خدا سے ان کا ایک چشم زدن اور ایک لحظہ کے لئے بھی رابطہ نہیں ٹوٹتا۔ ۔لہذا وہ یقینی طور پر معصوم ہوتے ہیں اور خدا کی طرف سے ہدایت خلق کے لئے معمور ہوتے ہیں۔

اور کوئی بھی شخص اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ خدا نے قرآن میں اس بات کی گواہی دی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد بھی ایسی ہستیاں ہیں جن خدا نے اصطفےٰ کیا ہے اور اخدا نے پیغمبر کے بعد اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو ہی وارث قرآن بنایا ہے۔اور خدا انہیں اجتبا کرتا مگر صرف انہیں کا جن کا اس نے اصطفےٰ کیا ہوا ہوتا ہے، اور قرآن گواہی دیتا ہے اس بات کی پیغمبر اکرمؐ کے بعد بھی ایسی ہستیاں موجود رہی ہیں جن کا خدا نے اجتبا کیا ہے اور جن سے خطاب کرتے

ہوئے وہ خود فرمارہا ہے "ھو اجتبا کم" اس نے تمہارا اجتبےٰ کیا ہے اس نے تم کو مجتبےٰ بنایا ہے۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے ہماری کتاب "امامت قرآن کی نظر"۔

لیکن یہاں پر اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آیہ **اصطفا یعنی الله اصطفے آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران الخ۔**

جو ترتیب کو بیان کرتی ہے، اور چونکہ پیغمبر اکرم صلعم آل ابراہیم کے آخری نبی ہیں اور قرآن پیغمبر اکرم صلعم کے بعد ایسی ہستیوں کا پتہ دیتا ہے جن کا خدا نے اصطفا بھی کیا ہے اور ان کا اجتبا بھی کیا ہے لہذا حتماً و یقیناً پیغمبر کے بعد خدا نے جن ہستیوں کے اصطفےٰ اور اجتبےٰ کا ذکر کیا ہے یہی آل عمران ہیں وہ جن کا آیہ اصطفٰی میں آل ابراہیم کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور وہ حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کی اولاد میں ہونے والے گیارہ معصوم امام ہیں اور ان ہی کے بارے میں پیغمبر نے فرمایا کہ " **ومن مات لم یعرف امام زمانه فقد مات میتتة الجاھلیة**" مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 ص 96

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

یہ حدیث درایت کے اعتبار سے بھی بالکل صحیح ہے کیونکہ پیغمبر کے بعد آنے والی یہ ہستیاں جن کی امامت کی قرآن نے خبر دی ہے۔ جن کے وارث قرآن ہونے کی قرآن نے خبر دی ہے جن کے اصطفےٰ کی قرآن نے خبر دی ہے۔ جن کے اجتباء کی قرآن نے خبر دی ہے جو قرآن کے مطالب و مفاہیم اور مشکلات کے معنی کے امین ہیں۔ اگر ان کی معرفت حاصل نہ ہوگی تو اور ان کی طرف رجوع نہ کرے گا۔ جب ان کی طرف رجوع نہ کرے گا تو قرآن کی صحیح ہدایت سے بھی محروم رہے گا اور جو قرآن کی صحیح ہدایت سے بھی محروم رہے گا وہ جاہلیت کی موت ہی مرے گا۔

غلام احمد پرویز صاحب کے نزدیک دین کا مفہوم

تعجب پر تعجب اور حیرت پر حیرت ہے اس بات پر کہ غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں تو حدیث کی بے اعتباری ثابت کرنے کے لئے اپنا پورا زور لگا دیا ہے۔لیکن انھوں نے دین کا مفہوم بیان کرنے میں کس طرح ایسی حدیثوں کا سہارا لیا جو خود ان کے معیار کے مطابق قطعی جعلی، وضعی اور جھوٹی ہیں وہ اپنی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' کے گیارھویں باب کے عنوان میں ''مقام نبوت اور منصب امامت'' کے ذیلی عنوان ''دین کا مفہوم'' کے تحت لکھتے ہیں

وہ ہم نے سابقہ باب میں تصوف کے مختلف جزئیات کے متعلق گفتگو کرنے کے بعد بتایا ہے کہ وہ کس طرح قرآن کے خلاف ہے۔آخری مرحلہ پر ہم چاہتے ہیں کہ من حیث الکل اس حقیقت کو سامنے لایا جائے کہ نبوت کا مقام کیا ہے اور دین کا مقصود منتہا کیا اس سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجائے گی کہ تصوف اس پورے کے پورے نظام کی نقیض ہے۔

ہمارے ہاں نبی کے متعلق عام طور پر یہ تصور ہے کہ وہ واعظ اور مبلغ ہوتا ہے۔جو لوگوں کو اچھے کاموں کی تلقین کا ور نصیحت کرتا اور برے کاموں سے منع کرتا تھا۔اس وعظ و نصیحت کے بعد اس کا فریضہ ختم ہو جاتا تھا، یہ تصور نبوت اور رسالت کے قرآنی تصور کے یکسر خلاف ہے قرآن مجید کی رو سے انبیاءکرام عظیم انقلابی شخصیتیں ہوتی تھیں جن کا فریضہ حیات یہ ہوتا تھا کہ انسانوں کے خود ساختہ نظام ہائے حیات کو مٹا کر (جو انسانیت کا گلا گھوٹنے کے لئے وضع اور قائم کئے جاتے ہیں) اس نظام کو نافذ کریں جو اقتدار خداوندی کے مطابق کے متشکل ہو''   تصوف کی حقیقت ص 231

اس کے بعد علامہ اقبال کے خطبہ کا ایک اقتباس اور خود اپنی کتاب ''معراج انسانیت'' کا ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد، انہوں نے نبوت کا اپنے ظن وگمان اور تصور کے مطابق پروگرام متعین کیا ہے اس میں ''رسول کا پروگرام'' کے عنوان کے تحت اس طرح سے لکھتے ہیں۔

''وہ اپنے اس عظیم پروگرام کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے اپنے پیغام کی عام اشاعت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور کو مخاطب کر کے فرمایا'' **یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالۃ**" 5/67

اے رسول تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے اسے دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم فریضہ رسالت کی ادائیگی میں قاصر رہ جاؤ گے۔

اس پیغام خداوندی پر غور وفکر کے بعد جو لوگ اس کی صداقت کے قائل ہو جاتے وہ اس مرکز ہدایت رسول کے گرد جمع ہو جاتے اور اس طرح سے **ایک نئی جماعت** امت مسلمہ وجود میں آجاتی۔ تصوف کی حقیقت ص 233

اس کے بعد اگلے صفحہ پر ''مرد مومن کی خصوصیات'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''مرد مومن کس قسم کی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے اس کے متعلق بھی میں نے اپنی کتاب معراج انسانیت میں لکھا تھا۔

''مقام نبوت تو ایک طرف شمع نبوی سے اکتساب ضیاء کرنے والے مرد مومن کی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں سے قوموں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف اس کے دل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس کی شمشیر جگر دار کے سامنے لرزہ براندام ہوتی ہیں اس کی قوت بازو حکومت خداوندی کے تمکن وبقا کی ضامن ہوتی ہے وہ قوانین خداوندی کا عملاً نفاذ کرتا ہے۔ یہ وہ ''مجدد'' ہوتا ہے جس کی قوت

ایمانی اور بصیرت فرقانی سے" محمد رسول اللہ والذین معه" کے عہد سعادت مہد کی یاد تازہ ہوجاتی ہے یہ وہ "مسیحا" ہوتا ہے جس کے اعجاز نفس سے مردہ قوم میں از سر نو زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے یہ وہ "مہدی" ہوتا ہے جو خود اللہ کے صراط مستقیم پر گامزن ہوکر ساری دنیا کے لئے ہدایت وارشادت کا نمونہ بن جاتا ہے یہی وہی مرکز ہوتا ہے جس کے گرد ایسی جماعت کا دائرہ کھنچ جاتا ہے جس کے متعلق فرمایا کہ

" یحبهم و یحبونهم اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین یجاهدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم " (5/54)

اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے، وہ مومنوں کے سامنے جھکے ہوئے اور مخالفین کے مقابل غالب ہوتے ہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے" (تصوف کی حقیقت ص234)

جماعت کا لفظ تمام قرآن میں نہیں ہے

اپنے مذکورہ بیان میں غلام احمد پرویز صاحب دو آیات قرآنی کو اپنے مطلب پر چپکا کر پہلی آیت یاایھا الرسول بلغ (5/67) سے بھی ایک جماعت کی تشکیل پر دلیل لائے ہیں۔قطع نظر اس سے کہ یہ آیات جس مطلب کو بیان کررہی ہے انہوں نے اس سے اعراض کیا ہے اور ان آیات کے صحیح مفہوم سے رخ موڑنے کی کوشش کی ہے کیونکہ ان آیات کا جماعت کی تشکیل سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ بات ان کے طرف استدلال کے بھی خلاف ہے۔چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" کے ص 48 پر صوفیا کی اصطلاحات کو رد کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ "روحانی ترقی کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں آیا" اور اپنی اس کتاب تصوف کی حقیقت کے ص 72 اور ص 145 پر لکھا ہے کہ "قرآن اور حدیث میں

تصوف اور صوفی'' کا لفظ تک نہیں ملتا اور اپنی اسی کتاب کے ص 21 پر یہ لکھا ہے کہ ''کشف و الہام'' کی سند قرآن میں نہیں ملتی۔

غلام احمد پرویز صاحب کے اس معیار تحقیق اور رد و ابطال کے اس اصول کے مطابق ہم کہتے ہیں کہ غلام احمد پرویز صاحب اور ادارہ طلوع اسلام والے اور سارے جن و انس مل کر بھی قرآن میں ''جماعت'' کا لفظ تلاش کریں تو انھیں بسم اللہ کی 'ب' سے لے کر والناس کی 'س' تک 'لفظ' جماعت نہیں ملے گا، لہذا ان کے اس معیار کے مطابق یہ تحقیق سراسر باطل اور غلط ہو گئی۔

قرآن کریم کی آیات 5/67 اور 5/54 کا جو مفہوم انھوں نے ان دونوں آیات کے سر اور پیر قلم کر کے نکالا ہے اس پر تو ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔ یہاں پر صرف یہ دکھانا مطلوب ہے کہ انہوں نے اپنے معیار تحقیق کو چھوڑ کر ایسے لفظ کو جو سارے قرآن میں نہیں ہے اپنی فکر کا محور کیوں بنالیا اس کا پتہ ان کے اس عنوان سے چل جاتا ہے جو انہوں نے آگے چل کر جماعتی زندگی کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے جو اس طرح ہے

پرویز صاحب کا اسلام اور جماعتی زندگی

پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ

''حقیقت یہ ہے کہ اسلام نام ہی جماعتی زندگی کا ہے حضرت عمر کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی تبئیین ہے یعنی آپ نے فرمایا''**لا اسلام الا الجماعة و الاجماعة الا بامارة ولا امارة لا بطاعة''** جامع بن عبد العزیز

یعنی جماعت کے بغیر اسلام کا وجود ہی نہیں ہے اور جماعت کی ہستی امیر کے ساتھ ہے اور امارت کا مدار اطاعت پر ہے۔

(تصوف کی حقیقت ص236)

ہمیں معلوم نہیں کہ یہ قول حضرت عمر کا ہے یا نہیں لیکن یہ بات قرآن کے سراسر خلاف ہے قرآن کی رو سے اسلام نام ہے صرف اور صرف خدا کی اطاعت کا جسے ہم سابقہ اوراق میں قرآن کریم سے ثابت کر آئے ہیں لہذا اگر صرف ایک آدمی بھی خدا کا مطیع ہے تو وہ اسلام پر ہے لیکن چونکہ ان کے قول کے مطابق یہ قول حضرت عمر کا ہے لہذا باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنی کتاب 'مقام حدیث' میں احادیث کی بے اعتباری ثابت کرنے کے لئے انتہا سے زیادہ کوشش کی ہے مگر حضرت عمر کی طرف منسوب اس قول کی تائید میں صحیح حدیث '

من مات علم یعرف امام زمانه مات میتة الجاهلیه'

مسند امام احمد حنبل جلد 4 ص 96

کے مقابلہ میں صریحاً گھڑی ہوئی احادیث کو دلیل میں سامنے لے آئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

تمسک بالجماعت کی اہمیت کے سلسلہ میں حضور نبی اکرم کے ارشاد گرامی کتب و روایات میں درخشندہ موتیوں کی طرح بکھرے ملتے ہیں۔

دیکھا آپ نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں ساری احادیث کو بے اعتبار ثابت کرنے والا اپنے مطلب کی وضع شدہ احادیث پیش کرنے کے لئے یہ کہتا ہے کہ

''تمسک بالجماعت کی اہمیت کے سلسلہ میں حضور نبی اکرم کے ارشادات گرامی کتب احادیث میں درخشندہ موتیوں کی طرح بکھرے ملتے ہیں۔ہم ان احادیث کو جو پرویز صاحب نے جماعت کے سلسلہ میں پیش کی ہیں قارئین کے ملاحظہ کے لئے یہاں پر نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں:

''حضور نے فرمایا: کہ میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا حکم مجھے اللہ نے

دیا ہے۔ جماعت، سمع، اطاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ، یقین کرو جو مسلمان ایک بالشت بھر جماعت سے الگ ہوگیا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے جاہلیت کی زندگی (یعنی انتشار و لامرکزیت کی زندگی) کی طرف دعوت دی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ایسا شخص روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو فرمایا ہاں اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ بھی رکھتا اور بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا ہو" "تصوف کی حقیقت"

دیکھا آپ نے حدیث کا آغاز تو اس طرح کیا کہ حضور نے فرمایا کہ میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم مجھ اللہ نے دیا ہے اور وہ پانچ باتیں یہ تھیں، جماعت، سمع، اطاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ، لیکن پھر سارا زور جماعت پر ڈال دیا اور باقی کی چار چیزیں بالکل ہی چھوڑ دیں اور یہ کہا کہ "یقین کرو جو مسلمان ایک بالشت بھر جماعت سے الگ ہوگیا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور نماز پڑھنے اور روزے رکھنے اور مسلمان کہلانے کے باوجود وہ شخص جہنمی ہے۔

اب جو شخص نماز بھی پڑھتا ہو روزے بھی رکھتا ہوں اور مسلمان بھی کہلاتا ہوں تو اب یہ کونسی جماعت ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں

"غور فرمایئے کہ التزام جماعت کی کس قدر تاکید کی گئی ہے اس لئے کہ اسلام کی بنیاد ہی اس اصول پر قائم ہے یہ نہ رہے تو دین باقی نہیں رہتا، مسلم کی ایک روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ

" من فرج من الطاعة و فارق الجماعة ماته میته الجاهلیه " جو شخص اطاعت سے الگ ہوگیا اور جماعت کو چھوڑ بیٹھا تو وہ اسلام کی نہیں جاہلیت (زمانہ قبل از اسلام) کی

موت مرا اس لئے کہ اطاعت سے نکل جانا نظام اسلامی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا ہے جسے قرآن نے اللہ اور رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے اور اس کی سزا (اس دنیا میں) صلیب ہے اور عاقبت میں جہنم۔ بخاری میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ: **لیس احد یفارق الجماعة شبراً فیموت الامات میتة الجاهلیه** ۔جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہو جائے گا اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

یعنی صرف یہی نہیں بلکہ کہ جماعت سے یکسر الگ ہو جائے بلکہ یہ بھی کہ اگر جماعت کے فیصلوں سے بالشت بھر بھی الگ ہو جائے تو بھی اس کی موت مسلمان کی موت نہیں۔

" **یدالله علی الجماعة ومن شد شذنی فی النار** " ابن ماجہ

اللہ ہاتھ جماعت پر ہے جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گرا

تصوف کی حقیقت ص 237

تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ احایث کا سرے سے انکار کرنے والا اور احادیث کی بے اعتباری کو بڑے شدومد کے ساتھ ثابت کرنے والا حضرت عمر کی طرف منسوب قول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کس طرح گھڑی ہوئی حدیثوں کا سہارا لے رہا ہے۔حالانکہ یہ احادیث پیغمبرؐ کے اس ارشادگرامی کے مقابلہ میں وضع کی گئی ہیں جن میں آنحضرت نے فرمایا کہ

" **من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة الجاهلیه** ''

مسند امام احمد جلد 4 ص 96

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

کیونکہ جو امام کی معرفت نہ رکھتا ہو گا وہ امام کی طرف رجوع نہ کرے گا اور جو امام

کی طرف رجوع نہ کرے گا وہ بے ہدایت رہے گا اور جو بے ہدایت رہے گا وہ یقیناً جاہلیت کی موت مرے گا۔

ب ہم جماعت کے موضع پر اس سے زیادہ بحث نہیں کریں گے صاحبان عقل غور کرسکتے ہیں وہ مسلمان جو بلال زبیری کی کتاب ''فرقے اور مسالک'' کے مطابق 265 فرقوں میں بٹ چکے ہیں اور ابو زہرہ مصری کی کتاب اسلامی مذاہب کے مطابق بھی سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں آج مسلمان ان میں سے کس کے ساتھ چپکے کیونکہ تمام فرقے علیحدہ سے ایک جماعت ہی ہیں۔اوران احادیث کی رو سے اسلام کے ساتھ وابستگی ضروری نہیں، بلکہ جماعت کے ساتھ وابستگی ضروری ہے اور جماعت کے ساتھ وابستگی کا نام ہی اسلام ہے جیسا کہ حضرت عمر کی طرف منسوب قول میں کہا گیا ہے کہ

لا اسلام الا بجماعة

جس کا ترجمہ پرویز صاحب نے یہ کیا ہے کہ جماعت کے بغیر اسلام کا وجود ہی نہیں ہے حالانکہ قرآن کی رو سے اگر ساری کائنات میں صرف ایک اکیلا شخص بھی خدا کا خلوص دل کے ساتھ اطاعت گزار ہے تو وہ اسلام پر ہے

آیت یا ایھاالرسول بلغ پر غور

اب ہم ان آیات میں غور کرتے ہیں جن کو پرویز صاحب نے جماعت کے ثبوت میں دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ ''رسل کا پروگرام'' کے عنوان کے تحت ایک آیت '' یا ایھا الرسول بلغ'' ہے جسے انہوں نے نامکمل لکھا ہے۔ہم سالم آیت درج کر کے اس کے مفہوم کو بیان کریں گے جو اس طرح ہے

"یا ایھاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ، و ان لم تفعل فما بلغت

رسالته ، واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یهدی القوم الکافرین ''

(المائدہ۔67)

اس آیت کا سلیس اردو ترجمہ یہ ہے کہ اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو۔اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (ایسا ہے) گویا تم نے اس کا کوئی کار رسالت انجام ہی نہ دیا۔اور تم ڈرو نہیں ،خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا،خدا ہرگز کافروں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا''

اس آیت کا لب ولہجہ یہ بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی خاص حکم تھا جو اس حکم سے پہلے نازل ہوا تھا اور جو ابھی تک پہنچایا نہیں گیا تھا اور '' وان لم تفعل '' سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عملی طور پر کر کے دکھانے کا حکم تھا اور اس کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں یہ کہا گیا کہ اس کو عملی طور پر کر کے نہ دکھانے کا نتیجہ یہ کہ آج تک جتنی تبلیغ کی ہے وہ ساری اکارت چلی جائے گی۔یہی ''فما بلغت رسالته '' کا صحیح مفہوم ہے اور واللہ یعصمک من الناس کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اس بات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے لوگوں سے خوفزدہ تھے۔لہذا حکم خدا ہوا کہ اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچالے گا اور کافروں کی مراد پوری نہ ہوگی

اہل سنت کے معروف مفسر جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درالمنثور کی جلد 3 ص398 پر اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

ابن مردویہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ کے زمانے میں اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے

''یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولیٰ المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمک من الناس ''

یعنی اے رسول جو حکم اس بات کا کہ علی تمام مومنین کے حاکم و مولا ہیں تمہارے

پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور خدا تمہیں لوگوں کے شر سے بچا لے گا۔

اس آیت میں 'ان علیاً مولی المومنین' توضیح وتفسیر ہے 'ما انزل الیک من ربک' کی اور چونکہ ان علینا بیانہ کے مطابق کہ یہ توضیح وتفسیر بعد میں نازل ہوئی تھی اور یہ توضیح بھی جبرئیل ہی لے کر نازل ہوئے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ قرآن کے نزول کے بعد اس کی وضاحت کے لئے جبرئیل دوبارہ نازل ہوتے تھے پس پیغمبر اس وضاحت کو بھی اصحاب سے بیان فرما دیتے تھے اور اصحاب اسے اس آیت کے ساتھ ہی لکھ لیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ آیت یونہی نازل ہوئی تھی یعنی قرآن کی یہ آیت وضاحت کے ساتھ اس طرح سے ہے

غلام احمد پرویز کا آیات کی تنزیلی شکل پر اعتراض اور اس کا جواب

غلام احمد پرویز صاحب نے تفسیر طبری سے متعہ کے بارے میں کوئی اقوال نقل کئے ہیں کہ فلاں کے مصحف میں یہ ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی ''فما استمتعم به منهن الیٰ اجل مسمی''

''یعنی تم عورتوں سے متعہ کرو ایک میعاد مقرر کے لئے'' اور فلاح کے مصحف میں بھی یہی ہے اور فلاں کے صحیفہ میں بھی یہی ہے۔ اس طرح انھوں نے تفسیر طبری سے کوئی اقوال نقل کرنے کے بعد اس طرح سے محاکمہ کیا ہے۔

یہ دو اقتباس کسی شیعہ بزرگ کی کتاب کا نہیں بلکہ سنیوں کے جلیل القدر امام طبری کی تفسیر کا ہے اور جن حضرات کی طرف یہ روایات منسوب ہیں وہ بلند پایہ صحابی ہیں جو کہ

قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہیں کہ یہ آیت اس طرح نازل نہیں ہوئی تھی جس طرح قرآن میں درج ہے بلکہ اس اضافہ کے ساتھ نازل ہوئی تھی جس سے متعہ کا جواز ثابت ہوتا ہے''

مقام حدیث ص 131,130

اس کے بعد قارئین کو دعوت غور دیتے ہوئے لکھتے ہیں

''تصریحات بالا سے دیکھئے سنیوں کی نہایت معتبر کتب روایات اور مستند تفاسیر میں خدا و رسول، صحابہ، تابعین وغیرہ کی کس قسم کی تصویریں سامنے آتی ہیں۔ ان روایات اور تفاسیر کی رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ: جو آیات قرآن میں درج ہیں وہ اس شکل میں نازل نہیں ہوئی تھیں بلکہ مختلف صحابہ کی قراتوں کی رو سے انکی تنزیلی شکلیں کچھ اور تھیں۔

پرویز صاحب کے دل میں یہ سارا خلفشار اس لئے ہے کہ ان کی تفسیر وحدیث و تاریخ کی تمام معتبر کتابوں میں اس طرح لکھا ہوا ہے اور مانتے تو وہ اس لئے نہیں ہیں کہ حضرت عمر نے اس کے خلاف حکم دے دیا تھا اور یہی وجہ دوسرے اہل سنت کے نہ ماننے کی ہے حالانکہ صحابہ کے مختلف صحیفوں میں جن آیات کے ساتھ یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ چیز جو موجودہ قرآن کے علاوہ تھی وہ اس آیت کی تفسیر وتشریح وتفسیر اور اس کے معنی ومفہوم سے متعلق تھی جو سورہ القیامۃ کی آیت نمبر 16 تا 19 کے بیان میں ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ جبرئیل کے ذریعہ جو قرآن نازل کیا جاتا تھا اس کے بارے میں تو یہ کہا کہ: 'ان علینا جمعه و قرانه' بیشک اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ہی ذمہ ہے یہ تو وہ قرآن ہے جو جمع ہوا صدر پیغمبرؐ میں بھی اور بین الدفتین بھی لیکن ''ثم ان علینا بیانہ''

یعنی پھر قرآن کو نازل کر کے، تیرے سینہ میں جمع کرنے کے بعد اور تجھے پڑھانے کے بعد اس کے معانی ومطالب اور اس کے مشکلات کو سمجھانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے اور یہ معانی و

مطالب بھی جس کا خدا نے سمجھانے کا ذمہ لیا ہے جبرئیل ہی کے ذریعہ نازل ہوئے تھے اور پیغمبرؐ کے بیان کرنے کے بعد اصحاب نے اپنے صحیفوں میں لکھ لئے تھے اصل قرآن میں نہیں تھے بلکہ یہ ان کی تفسیر وتوضیح اوران کے معانی ومطالب ومفاہیم اور مشکلات قرآن کا حل اور متشابہات کی تاویل تھے جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ ''وما یعلم تاویلہ الا اللہ''یعنی ان متشابہ آیات کی تاویل سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔تو اگر خدا نے ان متشابہ آیات کی تاویل پیغمبرؐ کو بھی بیان نہیں کی تھیں تو ان کے نازل کرنے کا فائدہ کیا تھا، لہذا یہ تاویلیں بھی جبرئیل کے ذریعہ ہی نازل ہوئی لیکن یہ اصل قرآن نہیں تھیں بلکہ ان کے معنی ومفہوم اور تاویل ومراد تھیں اور مشکلات ومبہمات کا حل تھیں۔مثلاً سورہ الانشراح میں ایک آیت ہے ''فاذا فرغت فانصب'' (سورہ الانشراح)

''جب تم فارغ ہوجاؤ تو نصب کردو، یا جب تم اس کام سے فارغ ہوجاتو دوسرے اہم کام میں مصروف ہوجاؤ، کسی نے کہا جہاد سے فارغ ہوجاؤ، کسی نے کہا حج سے فارغ ہوجاؤ، غرض جتنے منہ اتنی باتیں اگر خدا نے پیغمبر کو یہ نہ بتلایا ہوتو پھر جس کا جو دل چاہے مطلب نکالتا ہے چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اسی وجہ سے مسلمانوں کے بے شمار فرقے بن گئے لیکن خدا کہتا ہے کہ ''ثم ان علینا بیانہ'' قرآن پڑھانے کے بعد اس کے معانی ومفاہیم اور مشکلات کا حل سمجھانا اور متشابہات کی تاویل بتانا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے اور وہ خدا نے سمجھایا اور پیغمبرؐ نے لوگوں کو بتلایا اور لوگوں نے اس کو قرآن کے ساتھ لکھ لیا اور جب کسی نے پوچھا تو کہا کہ یہ آیت یوں ہی نازل ہوئی تھی یعنی اصل قرآن کے نازل کرنے کے بعد اس کی تشریح وتوضیح و تفسیر میں یہ بات نازل کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عثمان نے قرآن سے ان تمام عبارتوں کو جو ایسی تشریح وتوضیح وتفسیر پر مشتمل تھیں مٹا دیا یا بعض روایتوں کے مطابق ان قرآنوں کو جلا دیا جن میں ایسی توضیحات وتشریحات وتفسیری عبارتیں تھیں چنانچہ خود غلام احمد پرویز

صاحب اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں 'عہد عثمان میں قرآن کیسے جمع ہوا' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

عہد عثمانی میں قرآن کیسے جمع ہوا؟

''جب مصحف لکھنے سے فراغت ہوگئی تو حضرت عثمان نے تمام شہروں میں لکھ دیا کہ میں نے ایسا کام کیا ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا میں نے اس کو مٹا دیا ہے لہذا جو کچھ اس قرآن کے خلاف تمہارے پاس ہو تم بھی مٹا دو''

مقام حدیث ص 175

بعض لوگ یہ دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ جیسے حضرت عثمان نے قرآن میں سے کچھ حصہ نکال دیا ایسا ہرگز نہیں ہے پرویز صاحب نے خود اسے اختلاف قرأت کے بیان کے بعد لکھا ہے اور اختلاف قرأت کے بارے میں بیان ہو چکا کہ وہ آیت کی توضیح وتفسیر و تشریح کو قرآن سے نکال دیا اور اصل قرآن شائع کیا اس میں شک نہیں کہ اگر وہ توضیح و تشریح وتفسیر باقی رہنے دی جاتی جو خدا کی طرف سے نازل شدہ تھی تو آج اتنا اختلاف واقع نہ ہوتا آج ہر کسی نے اپنے مطلب کے مطابق قرآن کی آیات کی توضیح وتشریح وتفسیر کی ہے بعض تفاسیر میں قرآن کے ساتھ حاشیہ میں وضاحت ہے حضرت عثمان بھی اگر ایسا کرتے کہ قرآن کو متن میں رکھتے اور وضاحت وتشریح وتفسیر کو حاشیہ میں لے آتے تو امت خدا کے بیان کردہ مطلب پر قائم ہو جاتی۔ شاید قرآن کی ان توضیحات وتشریحات کو مٹا کر بغیر توضیح و تشریح کے قرآن شائع کرتے ہیں اور ان توضیحات وتشریحات کو مٹانے یا ان توضیحات و تشریحات والے قرآنوں کو جلانے میں بھی وہی مصلحت کارفرما ہو واحادیث کو جمع کرنے سے روکنے اور جمع شدہ احادیث کو جلانے اور احادیث کو بیان کرنے والوں کو سزا دینے میں

کارفرما تھی۔ بہرحال اس کے بعد پرویز صاحب اختلاف قرأت کامفہوم سمجھاتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں۔

اختلاف قرأت کامفہوم

''جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے روایات میں وہ آیات بھی درج ہیں جو مختلف صحابہ کی طرف منسوب مصاحف تھیں ان سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ اختلاف کس قسم کا تھا، ہم یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں:

آیات کے ان اختلافات کو'اختلاف قرأت' کہتے ہیں مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ'قرأت ابن عباس میں یوں آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا جو نسخہ حضرت عباس کے پاس تھا اس میں یہ آیت اس طرح درج تھی۔

مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کے سلسلہ میں قرآن کریم سورہ النساء میں ان رشتوں کی تفصیل دینے کے بعد جن سے نکاح حرام ہے کہا گیا ہے

" واحل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مصافحین ، فما استعمتعم به منهن فاتوهن اجورهن فریضة " (4/24)

اور جو اس کے سوا ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں اس طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ساتھ چاہو نکاح میں لا کر نہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔ سو تم ان میں سے جس کے ساتھ نفع اٹھانا چاہو تو انہیں ان کے مقرر کردہ مہر دے دو''

سنیوں کے ہاں اس معاہدہ کا نام نکاح ہے جو مہر ادا کرکے دائمی طور پر کیا جاتا ہے اور جو عدت یا طلاق سے فسخ ہوسکتا ہے۔ اس کے برخلاف شیعہ حضرات متعہ کے قائل ہیں جس میں ایک مرد اور ایک عورت مدت معینہ کے لئے مباشرت کا معاملہ طے کرتے ہیں اور اس

کے لئے اس عورت کو جنسی تعلق کا معاوضہ دیا جاتا ہے سنیوں کے ہاں متعہ حرام ہے"

مقام حدیث ص 182

اس کے بعد لکھتے ہیں

''اس تمہید کے بعد آگے بڑھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس سنیوں کے جلیل القدر صحابی ہیں ان کی قرأت (مصحف) میں مندرجہ بالا آیت یوں آئی ہے

" **فمااستمتعم به منهن الی اجل مسمیً**

تم ان سے ایک مدت معینہ کے لئے فائدہ اٹھاؤ

یعنی اس قرأت کی رو سے آیت قرآنی میں الی اجل مسمی کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں متعہ کی سند مل جاتی ہے اس کے بعد سنیوں کی سب سے زیادہ قابل اعتماد تفسیر "تفسیر طبری" سے مذکورہ آیت کی تفسیر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''اسے کہتے ہیں اختلاف قرأت یعنی روایات کی رو سے حضرت عباس (اور دیگر صحابہ) کا دعویٰ تھا کہ آیات اسی طرح نازل ہوئی تھیں جس طرح سے ان کے صحیفوں میں درج ہیں نہ اس طرح جس طرح وہ مصحف عثمانی میں مذکور ہیں

مقام حدیث ص 183

پرویز صاحب کے مذکورہ دونوں عنوانات پر غور کرنے سے نتیجہ یہ نکلا کہ ابن عباس اور دیگر صحابہ کے مصاحف میں جو اختلافی قرأت تھی اسے حضرت عثمان نے مٹا دیا اور باقی قرآن جن میں ایسا لکھا ہوا تھا انہیں جلا کر یا جس طرح بھی ہو تلف کر دیا حالانکہ خود پرویز صاحب کے بیان سے یہ ثابت ہے کہ خدا کے حکم اور پیغمبر کے ارشاد سے صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا ہے اور حتماً اس سے قرآن کی اس آیت کی وضاحت اور تشریح ہوتی تھی کہ خدا کا اس آیت میں مطلب اور مراد کیا ہے

اس قسم کی توضیح وتشریح وتفسیر" **آیہ یا ایھاالرسول بلغ**" میں بھی آئی تھی جیسا

کہ اہل سنت کے معروف مفسر جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی ''یا ایھا الرول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولی المومنین و ان لم تفعل فما بلغت رسالته ''تو اس آیت میں'' من ربک ''کے بعد ''ان علیاً مولیٰ المومنین '' توضیح وتشریح وتفسیر ہے ماانزل من الیک ربک کی یعنی وہ حکم جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر پہلے نازل ہوا تھا اور وہ ابھی تک پہنچایا نہیں گیا ہے اسے پہنچا دو اور وہ حکم یہ تھا کہ علی مومنین کے حاکم ومولی وآقا ہیں اور اسی لئے کہا گیا کہ ''وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ'' یعنی اگر اس حکم کو عملی جامہ نہ پہنچایا گیا تو ایسا ہے جیسا کہ تم نے کوئی بھی کار رسالت انجام نہیں دیا اور یہ بات واضح ہے کہ اگر پیغمبر کی تبلیغ کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہوتا تو پیغمبر کا سارا کیا کرایا ضائع ہوجاتا ،لہذا ایسی ہستی کے تقرر کی ضرورت تھی جو پیغمبر کی شریعت کی پیغمبر کے بعد حفاظت کرسکے اور باطل کا ابطال کرسکے ۔یہ آیت بالاتفاق حج آخر کے موقع پر نازل ہوئی اس وقت تک پیغمبر اکرم امت کو تمام احکام شریعت پہنچا چکے تھے لیکن آیت میں یہ کہا گیا ہے ہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو تمہارا سارا کیا کرایا اکارت ہوجائے گا اور ایسا ہوگا جیسا کہ تم نے کوئی بھی کار رسالت انجام نہیں دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح خدا نے قرآن کے الفاظ وحروف کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی اسی طرح اس کے معانی ومطالب اور مفہوم ومراد کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا تھا جو پیغمبر کے بعد وارث قرآن ھادی خلق اور امام برحق کے تقرر کے ذریعے کیا گیا لہذا اب اگر کسی نے قرآن کے صحیح معنی و مفہوم پوچھنا ہو تو ان سے پوچھو جن کو خدا نے وارث قرآن بنایا ہے، جن کا خدا نے اصطفےٰ کیا ہے جن کا خدا نے اجتبا کیا ہے جون کو خدا نے امام بنایا ہے وہی اس کا صحیح مطلب بیان کریں گے ۔ورنہ پرویز صاحب کی طرح جس کا دل چاہے گا آیات کو سر و پا اڑا کر اپنے عقیدہ اور نظریہ کے مطابق مطلب نکالتا رہے گا اور اصحاب پر بھی اور اپنے بزرگ مفسرین پر گرجتا

رہے گا۔اور اگر خدا پیغمبر کے بعد اس کا انتظام نہ کرتا تو پھر ایسا ہی ہوتا کہ گویا کوئی کار رسالت ہی انجام نہیں دیا کیونکہ اور کوئی بتلانے والا ہی نہ ہوتا کہ اس کا صحیح مطلب کیا ہے لہذا پہنچانا اور نہ پہنچانا برابر ہو جات لیکن خدا نے جہاں قرآن کے الفاظ و حروف، زیر و زبر پیش وشد و جزم وغیرہ کی حفاظت کا انتظام کیا وہاں کے معانی و مفاہیم و مطالب اور مشکلات کے حل اور متشابہات کی تاویل کا انتظام بھی کیا اور یہ اعلان کیا کہ اس نے قرآن (معانی و مطالب و مفاہیم و مراد) کا محافظ اپنے مصطفےٰ بندوں کو قرآن کا وارث بنا کر کیا ہے اور پیغمبر نے حدیث ثقلین کے ذریعہ ان وارثان قرآن کا اعلان فرمایا جیسا کہ ارشاد ہوا کہ " **انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اهل بیتی و تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی** "

میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے (وارثان قران)میرے عترت میرے اہل بیت اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوں گے۔

اس حدیث کو اہل سنت کے تقریباً 185 مخرجین حدیث نے بیان کیا ہے جن کے اسماء ے راویان اور کتب حدیث و تفاسیر کے نام ابلاغ المبین کے صفحہ نمبر 759 سے صفحہ نمبر 776 تک ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔اور آیہ یا ایھا الرسول بلغ کی تعمیل میں پیغمبر اکرم صلعم نے غدیر خم کے مقام پر ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ اصحاب کے مجمع میں اس طرح سے ارشاد فرمایا " **یا ایھا الناس ان الله مولائی و انا مولیٰ المومنین و انا اولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** "

اے لوگوں خدا میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور ان کی جانوں پر حق تصرف رکھتا ہوں پس جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علی مولا ہے۔

یہ حدیث جو مقام غدیر خم پر آپ نے ارشاد فرمائی حدیث غدیر کے نام سے مشہور ہے اور اس کو اہلسنت کے 152 کے قریب مخرجین حدیث نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے جن کی فہرست، اسمائے راویان اور کتب احادیث و تفاسیر کے نام کے ساتھ البلاغ المبین کے صفحہ نمبر 791 سے صفحہ نمبر 804 پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے اب ہم دوسری آیت پر غور کرتے ہیں جسے پرویز صاحب نے ''مرد مومن کی خصوصیات'' کے عنوان کے تحت لکھ کر جماعت کی تشکیل پانے کے لئے دلیل بنایا ہے

آیت یحبھم و یحبونھم پر غور

وہ آیت جس کو پرویز صاحب نے سرقلم کر کے تحکم سے شروع کیا ہے اس طرح سے ہے'' **یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبھم و یحبھونھم اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم ذالک فضل الله یوتیه من یشاء و الله واسع علیم** '' المائدہ-54

''یعنی اے ایمان لانے والوں تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا تو (کچھ پرواہ نہیں پھر جائے) خدا ایک اور قوم کو لے آئے گا جنہیں خدا دوست رکھے اور وہ اس کو دوست رکھیں گے وہ مومنین کے ساتھ نرم اور کافروں کے ساتھ سخت ہوں گے وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کچھ پرواہ نہ کریں گے یہ خدا کا فضل و کرم ہے جسے چاہے عطا کرتا ہے اور خدا بڑا ہی گنجائش والا اور بڑا ہی جاننے والا ہے۔

یہ آیت خود اہل ایمان سے مخاطب ہے اور ان سے یہ کہہ رہی ہے کہ اگر تم دین سے پھر گئے تو خدا کا تو کچھ نہیں بگڑے گا تمہارا ہی نقصان ہوگا۔اور پھر اس کے بعد پیش گوئی

کے طور پر یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم مرتد ہو گئے تو خدا زمانہ مستقبل میں ایک اور قوم کو لے آئے گا
جو ایمان میں ثابت قدم رہے گی، اور پھر اس دوسری قوم کی خوبیاں بیان کرتے کہتا ہے کہ
خدا ان کو محبوب رکھے گا اور وہ خدا کو محبوب رکھے گی وہ خدا سے محبت کرنے والی ہوگی اور وہ
اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتی رہے گی یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں پر یقاتلون نہیں ہے
یعنی تلوار سے لڑنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ کی راہ میں جہاد یعنی جدوجہد کرنے کا بیان ہے
اسی لئے کہا کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرے گی۔ اگر قتال مطلوب
ہوتا تو خدا یوں کہتا ولا یخافون بالسی والیستان والیسام۔ یعنی وہ تلواروں، نیزوں اور تیروں
سے کوئی خوف نہ کرے گی خدا کی اس محبوب قوم کی ملامت کون کرے گا وہی، وہ اہل ایمان
کی قوم جو مرتد ہو جائے گی خود کو ہی سچا مسلمان کہے گی اور اس نئی قوم کو جو داخل ایمان ہوئی
ہے جس سے خدا محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتی ہے اسے نئے نئے القاب سے نواز
کر اس کی ملامت کرے گی اس کے بعد خدا کہتا ہے کہ اس نئی داخل ایمان ہونے والی قوم
سے محبت کرنا ہی اللہ کا بڑا فضل ہے جسے چاہے وہ عطا کرے اور آخر میں واسع علیم کہہ اپنے
وسعت علم کو بیان کیا ہے کہ وہ بہت ہی بڑا جاننے والا ہے ایسا ضرور ہوگا۔

اس آیت میں ایک قوم کے من حیث القوم دین سے مرتد ہونے کی پیشین گوئی
ہے اور دوسری قوم کے من حیث القوم دین میں داخل ہونے کی پیشین گوئی ہے اور وہ قوم جو
دین سے پھرے گی وہی ہے جس سے نزول قرآن کے وقت خطاب ہے اور فسوف کے
الفاظ سے ثابت ہے کہ آئندہ چل کر ایسا ہوگا جن سے خطاب ہے وہ مرتد ہو جائیں گے یعنی
یہ جن سے خطاب ہے وہ خطاب کے وقت کافر نہیں تھے بلکہ 'یا ایھا الذین آمنوا' تھے اور وہ
قوم جو آئندہ چل کر دین میں داخل ہوگی وہ اس خطاب کے وقت تک ایمان نہیں لائی بلکہ وہ
آگے چل کر زمانہ آئندہ میں ایمان لائے گی۔ پرویز صاحب بہت سی احادیث کو جوان کے

نزدیک صحیح نہیں ہیں نقل کر کے حیرانی کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ ایک حدیث جسے انہوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا "آگاہ ہو کہ چند آدمی میری امت کے لائے جائیں گے اور فرشتے ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے اس وقت میں کہوں گا اے رب یہ میرے صحابی ہیں (اللہ کی جانب سے) ندا آئی تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا' اس وقت میں عیسیٰ کی طرح کہوں گا کنت علیھم شھیدا" الایہ

پھر اللہ کی جانب سے ندا ہوگی کہ یہ لوگ تیرے (محمد کے) جدا ہونے کے بعد ہی مرتد ہو گئے تھے"

صحیح بخاری مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

جلد دوم صفحہ 850 حدیث نمبر 1733 باب 678

اس کے بعد اس حدیث پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ کچھ (معاذاللہ) صحابہ کبار کے متعلق کہا جا رہا ہے کیا آپ تصور بھی کر سکتے ہیں کہ ایسا کچھ رسول نے فرمایا ہو گا

مقام حدیث ص 120

اب یہ غور کا مقام ہے کہ رسول اللہ کے فرمانے میں کونسی غلطی ہے جب قرآن کہہ رہا ہے کہ "یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منک علی دینہ" قرآن ایمان لانے والوں کو مرتد ہونے کی خبر دے رہا ہے اور پیغمبر کے زمانے کے سارے "یا ایھا الذین آمنوا" پیغمبر کے اصحاب ہی تھے لیکن پرویز صاحب احادیث پیغمبر کا انکار کرنے کے لئے بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ پیغمبر ایسا نہیں کہہ سکتے۔

تکمیل دین اور اتمام نعمت کیسے ہوا؟

طلعت محمود صاحب بٹالوی اپنی کتاب "مظلوم قرآن" میں لکھتے ہیں "جس عمر

نے حضرت ابو ہریرہ کو حضور پُر نور کی زندگی میں پیٹ ڈالا تھا اور جس نے حکم رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہہ دیا تھا "حسبنا کتاب اللہ" وہ اپنے عہد خلافت میں ابو ہریرہ یا کسی اور بزرگ کو روایات احادیث کی اجازت کیسے دے سکتا تھا۔

مظلوم قرآن ص 171

طلعت محمود صاحب بٹالوی اپنی کتاب مظلوم قرآن میں ایک اور جگہ اس طرح لکھتے ہیں

"وہ قرآن کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب رحلت سے پہلے حضور نے فرمایا کہ

" ایتونی بکتاب و قرطاس لکم شئاً لن تضلوا بعدی "

لاؤ قلم دوات اور کاغذ امیں تمہیں ایک ایسی چیز لکھ کر دے جاؤں کہ میرے بعد تمہاری گمراہی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ تو حضرت عمر بن خطاب جھٹ بول اٹھے ہمیں کسی مزید تحریر کی ضرورت نہیں اس لئے کہ " حسبنا کتاب اللہ "

ہمارے پاس کتاب الٰہی موجود ہے جس میں انسانی فلاح و نجات کے مکمل گر درج ہیں اور یہ کتاب ہمارے لئے کافی ہے حضرت عمر فاروق کا یہ جملہ رسالت پناہ کے حضور میں جسارت معلوم ہوتا ہے لیکن وہ مجبور تھے اس ئے کہ کچھ عرصہ پیشتر قرآن کی یہ آیت نازل ہو چکی تھی " الیوم اکملت لکم دینکم "

مظلوم قرآن 156

لیکن یہی حضرت عمر اصحاب کو جمع کر کے اپنے دور خلاف میں اصحاب سے پوچھ رہے ہیں کہ کسی نے اس مسئلہ میں پیغمبر سے کوئی حدیث سنی ہو تو بتاؤ۔ طلعت محمود بٹالوی صاحب ہوں یا غلام احمد پرویز صاحب حضرت عمر کے حسبنا کتاب اللہ کہنے کے باوجود اپنے دور حکومت میں تفحص احادیث کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اگر کتاب خدا کافی تھی تو

احادیث کا تفحص کیوں؟ اور اگر احادیث کے بغیر چارہ نہیں تھا تو پیغمبر کو کیوں نہ لکھنے دیا؟ اور برسر اقتدار آتے ہی احادیث کو بیان کرنے سے منع کیوں کیا؟ اور جو احادیث جمع ہو چکی تھیں ان کو جلانے کا حکم کیوں دیا؟ یہ بات سوائے اس کے نہیں ہے کہ پیغمبرؐ یہ چاہتے تھے کہ یہ جماعت جو میرے بعد ہر طرح سے اقتدار پر قبضہ کر کے اپنی من مانیاں کرنے پر تلی ہوئی ہے اور میرے بعد جتنی احادیث میں نے بیان کی ہیں انہیں جلا دیگی لہذا مسلمانوں کو آگاہ کرنے کرنے کے لئے میں اپنے جانشینوں کی امامت کا زبانی طور پر جو اعلان کیا ہے اسے احاطہ تحریر میں لے آؤں اور حضرت عمر نے بھی اسی لئے رکاوٹ ڈالی۔لیکن وکلائے حکومت ان کے اس فعل کی تائید میں تکمیل دین اور اتمام نعمت والی آیت سے استدلال کرنے سے بھی نہ چوکے لہذا آیئے دیکھتے ہیں کہ تکمیل دین اور اتمام نعمت کی سالم آیت کس طرح ہے اور تکمیل دینا اور اتمام نعمت کس طرح ہوئی ارشاد رب العزت ہے

" الیوم ئیس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم و اخشونی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

المائدہ۔3

(مسلمانوں) اب تو کفار تمہارے دین (کے خاتمہ) سے مایوس ہو گئے تو تم ان سے نہ ڈرو بلکہ صرف مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لئے 'الاسلام' کو دین کے طور پر پسند کیا ہے

اس آیت کو سمجھنے اور اس کا مطلب جاننے کے لئے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ کفار کس بات کی توقع لگائے بیٹھے تھے آیا وہ اس بات کی توقع لئے بیٹھے تھے کہ پیغمبرؐ پر شریعت کے احکام نازل نہ ہوں اور یہ شریعت نامکمل اور نامکمل رہ جائے گی یا وہ یہ توقع لئے بیٹھے تھے کہ پیغمبر کی کوئی اولاد نہیں ہے یہ ابتر ہے اس کے بعد اس کی نسل نہیں ہے جو اس

کی وارث بنے اوراس کے دین کی حفاظت کرے۔

یہ بات قطعی طور سے واضح ہے کہ کفار کو احکام شریعت سے کوئی سروکار نہیں تھا پیغمبر توحید کا پرچار کررہے تھے اوراپنی نبوت و رسالت کے اعلان کے ساتھ قیامت میں دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جانے کا عقیدہ پیش کررہے تھے جس کی مخالفت پر تمام کفار عمل پیرا تھے لہذا حتماً کفار یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ پیغمبرؐ کے کوئی اولادنہ ہیں ہے لہذا اس کا کوئی وارث نہ ہوگا۔اس کے دین کا کوئی محافظ نہ ہوگا لہذا یہ دین مٹ جائیگا لہذا یہ ایت اس بات کی طرح واضح طور سے اشارہ کررہی ہے اوراس حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ آج خدا نے دین کے محافظ کا اعلان کیا ہے لہذا کفار کی امیدیں اور آرزویں خاک میں مل گئیں اور وہ مایوس ہوکررہ گئے اوراس بات کی طرف بیان کو آیت آگے بڑھاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا ہے اورالاسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کیا ہے ہم اس کتاب کے شروع میں اس بات کی تحقیق پیش کرآئے ہیں کہ دین کے معنی مطلقاً اطاعت کے ہیں جس کی بھی کی جائے اسی کی اطاعت ہوگی اورالاسلام کے معنی ہیں صرف اورصرف خدا کی اطاعت اور خدا کی اطاعت ہوتی تھی رسول کی اطاعت کے ذریعے من ''یطع الرسول فقد اطاع اللہ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی اطاعت کی ہے لہذا رسول کی وفات کے بعد ضروری تھا کہ اس ہستی کا اوراس منصب کا اعلان کیا جائے جس کی اطاعت رسول کی اطاعت قرار پائے اورچونکہ اس ہستی کی اطاعت خدا کے حکم سے ہوگی لہذا اس ہستی کی اطاعت الاسلام ہوگی۔اسی لئے فرمایا ''ورضیت لکم الاسلام دیناً ''میں نے تمہارے لئے الاسلام کو دین کے طور پر پسند فرمایا ہے۔یعنی جس کی ولایت وامامت کا رسول کے بعد ہونے کا میں نے اعلان کردیا ہے اس کی ولایت کے آگے سر تسلیم خم کرنا الاسلام ہے جسے میں نے پسند کیا ہے لہذا دین مکمل ہوگیا یعنی اطاعت کا

نصاب پورا ہوگیا اور جس کی ولایت کا ''انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا'' کے ذریعہ بغیر نام کے اعلان کیا تھا اور جس کی اطاعت یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منک'' میں بیان ہوا تھا جس کا معنی تھا من لہ الامر جس کے لئے امر ہے آج اس کا نام لے کر اعلان کر دیا گیا ہے اور دونوں ہاتھوں سے بلند کر کے اور لوگوں کو اچھی طرح سے دکھا کر یہ کہا کہ ''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ''

جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا یہ علی مولا ہے۔

اور لوگوں کو دکھا کر اور اسم اشارہ ہذا کے ذریعہ اشارہ کر کے بتلایا کہ یہ ہے وہ علی تا کہ میرے بعد لوگ یہ نہ کہنے لگے کہ وہ علی کوئی اور ہے اور جب پیغمبرؐ کے بعد کے لئے دین کی حفاظت کا بندوبست ہوگیا اور مسلمانوں کے لئے نبوت و رسالت کے بعد امامت کا اعلان ہوگیا تو ارشاد ہوا ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً'' آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں تمہارے لئے اس بات سے راضی ہوں کہ تم میرے مقرر کردہ امام کی اطاعت کرنا کہ اس کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت ہی اسلام ہے اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ سورہ الحمد میں جس صراط مستقیم کی طرف ہدایت طلب کرنے کی دعا کی جاتی ہے وہ صراط الذین انعمت علیھم ہے یعنی انبیاو رسل اور ہادیان دین کا راستہ پس وہ نعمت جسے خدا نے پورا فرمایا وہ پیغمبر کے بعد کے لئے ہادی دین کے اعلان کے ساتھ پورا ہوا۔ اور اس بات کو بہت سے علما محدثین و مفسرین اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے ہم صرف علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر درالمنثور الجزء الثانی ص 259 سے انکا بیان نقل کرتے ہیں جو اس طرح ہے کہ:

عن ابی ھریرہ قال لما کان یوم غدیر خم و ھو یوم ثمانی عشر

من ذی الحجہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کنت و مولاہ فعلی مولاہ فانزل اللہ الیوم اکملت لکم دینکم"

یعنی ابوھریرہ کہتے ہیں کہ یوم غدیر خم کہ وہ 18 ذوالحجہ کا دن تھا جناب رسول خدا نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اس اعلان کے بعد یہ آیت "**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی**" نازل ہوئی۔

غدیر خم کے دن آنحضرت نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس سے صاف ثابت ہے پیغمبر اکرم صلعم نے غدیر خم کے دن اپنے بعد کے لئے حضرت علی کی امامت و ولایت کا اعلان کیا تھا جس کی وجہ سے دین کامل ہوا اور اللہ کی نعمت پوری ہوئی۔ اور اس بارے میں اہل سنت کے اکثر علماء و محدثین و مورخین اور سیرت نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں میں پوری وضاحت اور سند کے ساتھ لکھا ہے ہم اختصار کے پیش نظر صرف دربار پیغمبرؐ کے مشہور شاعر حسان بن ثابت کے قصیدہ کے چند اشعار جو اس نے اس موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی اجازت سے پڑھ کر سنائے تھے ذیل میں نقل کرتے ہیں

۱) **ینادبھم یوم الغدیر نبیھم لخم و اسمع بالرسول سنادیا**

۲) **فقال فمن مولاکم و نبیکم فقالوا ولم یبدوا ھناک التعالیا**

۳) **الھک مولانا و انت نبینا ولم تلق منافی الولایۃ عاصیا**

۴) **فقال لہ قم یا علی فاننی رضیتک من بعد اماما و ھادیا**

۵) **فمن کنت مولاہ فھذا ولیہ دکن للذی اتباع صدق موالیا**

۶) **ھناک دعا اللھم وال و لیہ وکن للذی عادا علیا معاویا**

ترجمہ: پیغمبر نے غدیر خم کے مقام پر انہیں ندا دی اور پکارا اور یہ پکارنے والا کس قدر گرامی قدر تھا

۲) فرمایا تمہارا مولا اور تمہارا ولی کون ہے؟ تو انہوں نے بلا تر دصراحت کے ساتھ جواب دیا

۳) کہ آپ کا خدا ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے پیغمبر ہیں اور ہم آپ کی ولایت کے قبول کرنے سے روگردانی نہیں کریں گے

۴) اس پر پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کھڑے ہو جاؤ کیونکہ میں نے تمہیں اپنے بعد کے لئے امام اور ہادی منتخب کیا ہے

۵)۔ اس کے بعد فرمایا جس شخص کا میں مولا اور رہبر ہوں یہ علی اس کے مولا اور رہبر ہیں پس تم سچے دل سے اس کی پیروی کرنا

۶) اس وقت پیغمبر نے عرض کیا، بار الہا اس کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن رکھنا۔

یہ اشعار اہلسنت کے بہت سے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں ان میں حافظ ابو نعیم اصفہانی، حافظ ابو سعید بجستانی، خوارزمی مالکی، حافظ عبد اللہ مرزبانی، جلال الدین سیوطی، سبط ابن جوزی اور صدر الدین حموی کے نام خاص طور پر لئے جا سکتے ہیں

ان اشعار میں جو پیغمبر کے روبرو ایک لاکھ سے زیادہ جمع اصحاب میں پڑھ کر سنائے گئے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بعد کے لئے امام ورہبر مقرر فرمایا تھا اور اسی سے دین کی تکمیل اور اتمام نعمت ہوا۔

نظام اسلام نظام ہدایت ہے

خداوند تعالی نے بنی نوع انسان کو اپنی تمام مخلوقات پر بزرگی و برتری عطا کی ہے" ولقد کرمنا بنی آدم "(بنی اسرائیل 30) اور اسے کس کا بھی مطیع قرار نہیں دیا بلکہ خود

اپنی اطاعت کے لئے بھی اس نے کسی پر جبر نہیں کیا اور صاف کہہ دیا کہ" لا اکــراه فــي الــديــن " (البقرہ۔256)(خدا کی) اطاعت میں (بھی) جبر نہیں ہے اس نے انسان کو ارادہ واختیار کا مالک بنا کر اسے اختیار دے دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ" انا هدينا ه السبيل امـا شاكراً و اما كفوراً "(الزمر۔3 اس پر پیغمبر اکرم)ہم نے تو اسے راستہ دکھلا دیا ہے اب یہ اس کی مرضی ہے خواہ شکر گزار ہو یا ناشکرا "اس نے انسان کی ہدایت کا کام بھی خود اپنے ہی ذمہ رکھا ہے" ان عـلـيـنـا للهدى " (اللیل۔12)اور اس کی ہدایت کے لئے ایک گروہ ایسا خلق کیا ہے جس کا کام خدا کے حکم سے انسانوں کی ہدایت کرنا ہے"

" مـمن خلقنا امة يهدون بالحق به يعدلون " (الاعراف 181)اور اس نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ" ومن يهدي الله فهو المهتدى و من يضل الله مكن تجد لهم اولياء من دونه " (بنی اسرائیل)

""جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے بس وہی ہدایت پاتا ہے اور جن کو گمراہی میں پڑا رہنے دے تو وہ اس کے سوا اور کسی کو مددگار نہ پائیں گے"اس نے یہ بھی فرمایا کہ بیشک صرف اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم عالمین کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں" قل ان هدى الله وهو الهدى و امرنا لتسلم لرب العالمين

(الانعام۔71)

اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے جن کو اس دنیا میں بھیجا ان کو پیدائشی طور پر اس قابلیت ۔صلاحیت اور استعداد کے ساتھ پیدا کیا کہ وہ خدا کی وحی اور اس کے کلام کو سنیں اور سمجھیں اس قابلیت و صلاحیت و استعداد اور دوسرے انسانوں سے ان کے امتیاز کو اس نے لفظ اصطفےٰ کے ذریعے بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ" ان الـلـه اصـطـفـےٰ آدم و نوحاً و آل ابراهيم و آل عمران على العالمين ذريعة بعضها من بعض"

آل عمران 34,33

بیشک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کا اصطفےٰ کیا ہے سارے جہان پر جو اولاد تھے ایک دوسرے کی اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے پھر خدا نے اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو کار ہدایت انجام دینے کے لئے تربیت کیا اور روز پیدائش سے لے کر ہر آن اور ہر لمحہ اپنی زیر تربیت اور زیر ہدایت رکھا اور خوب اچھی طرح سے تربیت کر کے اور اپنے زیر نظر رکھ کر ایسا بنا دیا کہ وہ کسی بھی قسم کی لغزش نہ کر سکیں اس تربیت اور زیر نظر رکھنے کو اس نے اجتبیٰ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ فرمایا "**و اجتبینا هم و هدینا هم الیٰ صراط مستقیم ، ذالک هدی الله یهدی به من یشاء من عباده**"

(الانعام 85)

"ہم نے تمام ہادیان دین انبیا و رسول کو مجتبےٰ بنایا ہے اور ان کو (اپنے زیر نظر رکھ کر اچھی طرح تربیت کر کے) صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے اور اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، لہٰذا دوسرے انسانوں کی ہدایت کے لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ اس کے ان مصطفےٰ و مجتبےٰ بندوں کی اطاعت اور پیروی کریں، اطاعت کے لئے ارشاد ہوا؛

"**قل اطیعو الله و اطیعو الرسول فان تولوا فانما علیه ما حمل و علیکم حملتم و ان تطیعوه تهتدوا و ما علی الرسول الا البلاغ المبین**"

النور۔ 54

اے رسول کہہ دو کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو رسول کے ذمہ تو بس وہی کچھ ہے جو اس پر واجب کیا گیا ہے (اور وہ اس کے احکام کو پہنچا دینا اور تمہیں راہ راست کا پتہ بتلا دینا ہے) اور تمہارے ذمہ وہی کچھ ہے جو تم پر واجب کیا

گیا ہے (اور وہ اس کے رسول کی اطاعت ہے) اور اگر تم اس کی طاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف احکام پہنچا دینا فرض ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول کے ذمہ لوگوں تک خدا کے احکام صاف صاف پہنچانا اور انہیں ہدایت دینا ہے اور لوگوں کے ذمہ حصول ہدایت کے لئے رسول کی اطاعت کرنا ہے گویا خدا جن کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اس کا مقصد ہدایت دینا ہوتا ہے اور جس کی اطاعت کا حکم دیتا ہے وہ ہادی ہوتا ہے۔

اسی طرح پیروی کے بارے میں فرمایا

" قل یا ایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السموٰت والارض لا الہ الا ھو یحیی و یمیت فامنوا باللہ و رسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ و کلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون " الاعراف۔158

اے رسول تم لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ جس کے لئے سارے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے پس اے لوگوں تم خدا اور اس نبی امی پر ایمان لاؤ جو خود بھی خدا اور اس کی باتوں پر دل سے ایمان رکھتا ہے اور اس کے قدم بقدم چلو اور اسی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ خدا نہیں حکم دیتا کسی کی اطاعت کا مگر صرف ان کی جنہیں اس نے ہادی بنا کر بھیجا ہے اور وہ نہیں حکم دیتا کسی کی پیروی کا مگر صرف انہی کی جن کو اس نے لوگوں کی ہدایت کے لئے ہادی بنا کر بھیجا ہے یعنی اس اطاعت و پیروی کرنے کا مقصد اپنی طرف سے اپنے بندوں کو ہدایت دینا ہوتا ہے۔ یہ ہدایت دینے والے انسان وہ ہوتے ہیں جن کا وہ کار ہدایت انجام دینے کے لائق بنانے کے لئے پیدائشی طور پر اصطفا

کرتا ہے یعنی ان کو ایسی صلاحیت وقابلیت واستعداد کا مالک بناتا ہے جس کی وجہ سے وہ خدا کے کلام کو سن سکیں، شناخت کرسکیں اور سمجھ سکیں پھر وہ اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو مجتبےٰ بناتا ہے ان کا اجتبےٰ کرتا ہے ان کو کارہدایت انجام دینے کے لئے اپنے زیرنظر رکھتا ہے اور ہر آن اپنی نگرانی میں رکھتے ہوئے ان کی تربیت کرتا ہے یعنی خدا جن کا اصطفےٰ کرتا ہے اور اجتبےٰ کرتا ہے وہ انہیں ہادی خلق بنانے کے لئے کرتا ہے پیغمبر گرامی اسلام تک نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری رہا اور کارہدایت انہیں کے ذریعہ انجام پاتا رہا اور خدا ان کو مصطفےٰ و مجتبےٰ بناتا رہا، لیکن آنحضرتؐ پر آکر نبوت کا باب ختم ہوگیا تو خدا نے لوگوں کی ہدات کے لئے پیغمبرؐ کے جانشین کے طور پر امامت کا سلسلہ شروع کیا تاکہ وہ پیغمبر کی نیابت میں کارہدایت انجام دیں اور ہم سابقہ اوراق میں ثابت کرچکے ہیں کہ خدا جن کو ہادی بناتا ہے وہ پیدائشی طور پر مصطفےٰ ہوتے ہیں اور پیدا ہونے بعد ان کا اجتبےٰ کیا جاتا ہے اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی نظر عنایت سے انہیں علیحدہ نہیں کرتا لہذا وہ پیدائش کے دن سے لے کر اپنی موت کے دن تک معصوم رہتے ہیں اور ہم یہ بات سابق میں بھی ثابت کرآئے ہیں کہ پیغمبرؐ کے بعد ایسی ہستیاں موجود رہیں ہیں جن کا خدا نے اصطفےٰ کیا (فاطر 32,31)

اور ان مصطفےٰ بندوں کو کارہدایت انجام دینے کے لئے مجتبےٰ بنایا (الحج ۔78)

اور خدا جن کو مصطفےٰ بناتا ہے اور جن کا خدا اجتبےٰ کرتا ہے اور انہیں مجلےٰ بناتا ہے وہ حتماً و یقیناً ہادیان دین ہوتے ہیں پس قرآن کی سند کی رو سے پیغمبر کے بعد خدا کے مصطفےٰ بندوں کا وجود ہے اور اس کے مجتبےٰ بندوں کا وجود بھی ہے یعنی ہادیان دین اور خدا کے مقرر کردہ پیشواؤں کا وجود ہے اور چونکہ خدا کے مصطفےٰ بندوں اور مجتبےٰ بندوں کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جان سکتا لہذا اس نے ہادیان دین کے انتخاب کا اختیار خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا

" و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لهم الخیرة سبحان الله و تعالیٰ عما یشرکون " القصص ۔68

اور تیرا رب ہی جسے چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور (اپنی مخلوق میں سے نبوت و رسالت وامامت کے لئے) جسے چاہے اختیار کرتا ہے تمام انسانوں میں سے کسی کو بھی اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ کہ (ان مناصب کے لئے) کسی کو اختیار کرے اور اللہ تعالی کی ذات ان کے اس شرک سے پاک ومنزہ ہے۔

پیغمبرؐ کے بعد حضرت علیؑ کی اطاعت پیغمبرؐ کی اطاعت ہے

اب جبکہ قرآنی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کسی کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا سوائے ہادی کے لہذا ضروری ہے کہ پیغمبر کے بعد بھی خدا جس کی اطاعت کا حکم دے گا وہ ہادی ہوگا اور اس کی اطاعت اسی طرح سے پیغمبرؐ کی اطاعت ہوگی جس طرح خود پیغمبر کے لئے فرمایا کہ " من یطع الرسول فقد اطاع الله " (النساء۔80)

"یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً خدا کی اطاعت کی ہے" اس طرح پیغمبر اکرم صلعم نے حضرت علی اور آئمہ اہل بیت کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے ہم اہلسنت کے معروف منابع سے چند احادیث یہاں پر نقل کرتے ہیں

نمبر1: عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و آله لعلی ابن ابی طالب رضی الله عنه ، من اطاعنی فقد اطاع الله و من عصانی فقد عصا الله و من اطاعک فقد اطاعنی و من عصاک فقد عصانی " مستدرک حاکم علی الصحیحین

الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ 121, 128

ترجمہ: حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ سے فرمایا کہ: جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے اے علیؑ تیری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے تیری نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

نمبر 2: ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا "قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ان الله قد فرض علیکم طاعتی و نهاکم عن معصینی و فرض علیکم طاعت علی بعدی و نهاکم من معصیته"

ینابیع المودت اسلام بول الجزالاول

باب 4 ص 123

ریاض النظرۃ الجزالثانی باب الرابع فصل سادس ص 172

ارجح المطالب باب 4 ص 595

ترجمہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا یہ تحقیق خدا نے تم سب مسلمانوں پر میری اطاعت فرض کر دی ہے اور میری نافرمان ی سے منع کیا ہے اور (اسی طرح سے) اس نے میرے بعد علی کی اطاعت تم پر فرض کر دی ہے اور ان کی نافرمانی سے تم کو منع کیا ہے پیغمبری اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس طرح خدا نے مسلمانوں کو پیغمبر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس طرح حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم بھی اللہ ہی نے دیا ہے۔ لہذا حضرت علی اور ان کی ذریت طاہرہ ہی وہ اولی الامر ہیں جن کی اطاعت کا حکم خداوند تعالیٰ نے سورہ النساء کی آیت نمبر 59 میں دیا ہے جو اس طرح ہے "یا ایها الذین آمنو اطیعو الله و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم"

النساء۔59)

ترجمہ: اے ایمان لانے والوں اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول و اولی الامر کی (یعنی جس کے لئے اللہ کی طرف سے امر ہے)۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا علیحدہ بیان کیا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ واو عطف کے ذریعہ ملا کر بلا شرط و بلا استثنا اطاعت مطلقہ کے طور پر بجالانے کا حکم دیا ہے۔یعنی رسول اور اولی الامر کی اطاعت ایک جیسی ہے اور کسی کی اطاعت مطلقہ معصوم کے سوا جائز نہیں ہوسکتی اور خدا نے قرآن میں اپنے ایسے بندوں کے وجود کی خبر دی ہے جو پیغمبر صلعم کے بعد منزل اصطفے اور منزل اجتبے پر فائز ہیں۔اور خدا نے انبیا و رسول علیہم السلام کی عصمت کو انہیں دو الفاظ کے ذریعہ بیان کیا ہے،قرآن میں ان دو الفاظ کے علاوہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو ان کی عصمت پر دلالت کرتا ہو لیکن پیغمبر اکرم صلعم اور آئمہ اہل بیت کے لئے یطہر کم تطہیرا کی آیت ان کی عصمت کے لئے ایک مزید دلیل ہے،لہذا ان ہی کی اطاعت کا حکم مذکورہ آیت میں دیا گیا ہے۔

نمبر 3: ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرم صلعم نے فرمایا

"علی مرتضیٰ سے آنحضرت نے فرمایا: آئمہ میرے فرزند سے پیدا ہوں گے جس شخص نے ان آئمہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس شخص نے ان آئمہ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔یہ حضرات مضبوط رسی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا وسیلہ ہیں" اردو ترجمہ ینابیع المودۃ ص 417 حدیث نمبر 13

مودودی صاحب نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے اللہ کی قانونی حکومت کے تحت اس طرح لکھا ہے

اللہ کی قانونی حکومت

اس موضوع کو مودودی صاحب نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف): ان وجوہ سے قرآن فیصلہ کرتا ہے کہ اطاعت خالصتاً اللہ اور پیری اس کے قانون کی ہونی چاہیے اس کو چھوڑ کر دوسروں کی یا اپنے خواہشات نفس کی پیروی ممنوع ہے۔ اسی مطلب کے ثبوت میں مودودی صاحب نے قرآن کریم کی دس (10) آیات سے استدلال کیا ہے جو بالکل درست ہے وہ اسی مطلب پر دلالت کرتی ہیں

(ب) نیز وہ کہتا ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف جو حکم بھی ہے نہ صرف غلط اور نا جائز ہے بلکہ کفر و ضلالت اور ظلم و فسق ہے۔ اس طرح کا ہر فیصلہ جاہلیت کا فیصلہ ہے جس کا انکار لازمہ ایمان ہے۔

اس مطلب کے ثبوت میں مودودی صاحب نے قرآن کریم کی پانچ آیات سے استدلال کیا ہے جو بالکل درست ہے اور وہ اسی مطلب پر دلالت کرتی ہیں

خلافت وملوکیت صفحہ 27 تا 30

اس کے بعد رسول کی اطاعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے رسول کی حیثیت کے عنوان کے تحت اس طرح لکھتے ہیں۔

رسول کی حیثیت

خدا کا وہ قانون جس کی پیروی کا اوپر کی آیتوں میں حکم دیا گیا ہے انسان تک اس کے پہنچنے کا ذریعہ صرف خدا کا رسول ہے وہی اس کی طرف سے احکام اور اس کی ہدایات انسانوں تک پہنچاتا ہے اور وہی اپنے قول اور عمل سے ان احکام وہدایات کی تشریح کرتا ہے ۔ پس رسول انسانی زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت (LEGAL

(SOVERIGNTY کا نمائندہ ہے اور اس بناء پر اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہے ۔خدا ہی کا حکم ہے کہ رسول کے امر ونہی اور اس کے فیصلوں کو بے چون و چرا تسلیم کیا جائے حتی کہ ان پر دل میں بھی ناگواری پیدا نہ ہو۔ ورنہ ایمان کی خیر نہیں

(خلافت وملوکیت ص30-31)

اس مطلب کے ثبوت میں مودودی صاحب نے قرآن کریم کی پانچ آیات (النساء80۔ النسا115 ۔الحشر 7 ۔النسا64 ۔النسا65) سے استدلال کیا ہے جو بالکل درست ہے اور وہ اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں اور ان آیات قرآنی سے ایک محکم اصول بھی اخذ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں جو بھی خدا کی قانونی حکومت کا نمائندہ ہو صرف اس کی اطاعت ہی خدا کی طرف سے فرض ہوگی اور وہ خدا کی اطاعت ہوگی اس کے سوا اور کسی کی اطاعت خدا کی اطاعت نہیں کہلا سکتی اس کے بعد مودودی صاحب بالاتر قانون کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

بالاتر قانون

خدا اور رسول کا حکم قرآن کی رو سے وہ بالاتر قانون (SUPREME LAW) ہے جس کے مقابلہ میں اہل ایمان صرف اطاعت ہی کا رویہ اختیار کر سکتے ہیں جن معاملات میں خدا اور رسول اپنا فیصلہ دے چکے ہیں ان میں کوئی مسلمان خود آزادانہ فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور اس فیصلہ سے انحراف ایمان کی ضد ہے ۔

(خلافت وملوکیت ص32)

اس مطلب کے ثبوت میں مودودی صاحب نے قرآن کریم کی چار آیات (الاحزاب36 النور51,48,47) سے استدلال کیا ہے جو بالکل درست ہے اور وہ سب

اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں لیکن پرویز صاحب نے پیغمبر کی اطاعت کو ان کے بعد کے لئے ثابت کیا ہے وہ اس مسئلہ میں ان کی دقت نظر کا پتہ دیتی ہے جسے ہم اگلے عنوان میں پیش کرتے ہیں۔

پرویز صاحب کی پیغمبر اکرم صلعم کی دو حیثیتوں کے بارے میں حقیقت بیانی

پرویز صاحب نے پیغمبر اکرم صلعم کی حیثیت کو بجا طور پر بالکل صحیح اور درست سمجھا ہے وہ اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں لکھتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں

نمبر 1 پیغمبری: یعنی پیغامات الٰہی کو لوگوں کے پاس بے کم و کاست پہنچا دینا اس حیثیت سے آپ کی تصدیق کرنا اور آپ کے اوپر ایمان لانا فرض کیا گیا پیغمبری پر آپ کی ذات ختم ہوگئی

نمبر 2 امامت: یعنی امت کا انتظام۔ اس کو قرآن کے مطابق چلانا، اس کی شیرازہ بندی ان کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات اور جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور پر ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ۔

اس حیثیت سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم کی گئی۔ یہ امامت کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لئے قائم ہوئی ہے قیامت تک مستمر ہے جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ سے ہمیشہ زندہ رہنی چاہئے۔ قرآن میں اطاعت رسول کے جو احکام ہیں آپ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ منصب امامت کے لئے ہیں جس میں آپ کے آنے والے تمام خلفاء داخل ہیں۔ ان کی اطاعت رسول کی اطاعت

ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے ۔قرآن میں جہاں جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی (اور یہ امت ہمیشہ آپ ہی کی امت رہے گی کیونکہ آپ کے اوپر ایمان لائی ہے)اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہوگی۔

مقام حدیث صفحہ 83

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی جن دو حیثیتوں کے بارے میں پرویز صاحب نے لکھا ہے اس کی قرآن تصدیق کرتا ہے کہ آپ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ امام بھی تھے اور ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب اور کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ قیامت تک اب آپ ہی کی رسالت ہے ۔جب تک آپ زندہ تھے امت کو ہدایت کرتے رہے آپ کے بعد ہدایت کا فریضہ آپ کے جانشینوں کے ذمہ ہے جو آپ کے منصب امامت میں آپ کے جانشین ہوں گے اور امام کی حیثیت سے ہدایت خلق کا فریضہ ادا کریں گے پیغمبر صلعم کی یہ دونوں حیثیتیں آنحضرت کی ایک حدیث سے بھی ثابت ہیں جس میں آنحضرت نے فرمایا کہ میں اپنے جد ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور قرآن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی ذریت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت اسماعیل کی اولاد میں رسالت اور امامت دونوں مناصب کے لئے دعا کی تھی ، رسالت کے بارے میں تو اس وقت دعا کی تھی جب آپ خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کر رہے تھے اس وقت کا تعین قرآن نے " اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت " کے ساتھ کیا ہے یعنی جب ابراہیم خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کر رہے تھے اس وقت اپنی ذریت میں اسماعیل کی نسل سے ایک رسول مبعوث کرنے کی بارگاہ خداوندی میں دعا کی تھی اور امامت کے لئے اس وقت دعا کی تھی جب خدا نے آپ کو منصب

امامت پر سرفراز کیا اور آپ کو امام بنایا جیسا کہ ارشاد ہوا

" **واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس امام ، قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین** " البقرہ 124

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم کے رب نے انکا چند باتوں میں امتحان لیا اور وہ اس میں کامیاب ہوگئے تو فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں حضرت ابراہیم نے عرض کیا بارالہا میری ذریت میں بھی امام بنانا۔ ارشاد خداوندی ہوا (اے ابراہیم میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ضرور تیری اولاد میں بھی امام بناؤں گا) لیکن میرے اس عہدہ سے ظالم لوگ بہرہ اندوز نہ ہوں گے (اور تیری اولاد میں صرف معصوم ہی امام ہوں گے) اور قرآن نے جس امتحان کو کھلی آزمائش قرار دیا ہے وہ حضرت اسماعیل کی قربانی کا امتحان تھا جیسا کہ ارشاد ہوا۔

" **ان ھذا لھو لبلا المبین** "

بیشک اسمائیل کی قربانی دینے کا امتحان ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی

لہذا نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ منصب امامت بھی اولاد اسحٰق اور اولاد اسماعیل دونوں کو ملا اولاد اسحاق کے لئے فرمایا " **ووھبنا لہ اسحق و یعقوب نافلۃ و کلا جعلنا صالحین و جعلنا ھم آئمۃ یھدون با مرنا** " الانبیاء۔73

ہم نے ابراہیم کو اسحٰق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عنایت فرمایا اور ان سب کو نیک بخت قرار دیا اور ہم نے ان سب کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔

یہاں پر ایک نکتہ کی وضاحت کردینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض علماء اور دانشوروں نے خلافت اور امامت کو خلط ملط اور گڈمڈ کردیا ہے حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے ہم نے اس سلسلے میں سابقہ اوراق میں بھی اشارہ کیا ہے اور علیحدہ علیحدہ طور پر ہم

نے خلاف کے بارے میں اپنی کتاب ''خلافت قرآن کی نظر میں'' میں بھی مفصل بحث کی ہے اور امامت کے بارے میں اپنی کتاب ''امامت قرآن کی نظر میں'' مفصل بحث کی ہے لہذا تفصیل کے لئے تو ان کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں یہاں پر مختصر طور پر عرض ہے کہ خلیفہ تو خلف سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی کے پیچھے آنے والا۔ خواہ وہ کسی مرنے کے بعد اس کی جگہ لے۔ خواہ وہ کسی کے عذاب سے ہلاک ہونے کے بعد اس کی جگہ لے، یا وہ کسی کے بدل جانے کے بعد اس کا قائم مقام بنے اس لئے خلیفہ یا خلف سے قرآن کریم میں جتنے مشتقات آئے ہیں ان سب میں ''الارض'' کا لاحقہ ہے یعنی ''فی الارض خلیفۃ''۔ ''خلفیۃ فی الارض''۔ ''خلائف فی الارض''۔ ''خلفا فی الارض'' وغیرہ حتی کہ کسی کافر کے مرنے بعد اگر کوئی کافر اس کا وارث اور جانشین بنے تو قرآن کی نظر میں وہ اس مرنے والا کا خلیفہ ہے اور اسی سے غلطی کھا کر مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں یہ لکھ دیا ہے کہ

ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے (خلافت وملوکیت ص 34)

اس نظریہ میں ''خدا'' کا لفظ مودودی صاحب نے خود اپنی طرف سے بڑھایا ہے ورنہ انھوں نے قرآن کریم کی جتنی آیات پیش کی ہیں ان میں خدا کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ نوح کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد قوم ھود ان کی جانشین بنی۔ قوم ہود کے ہلاک ہونے کے بعد قوم صالح ان کی جانشین بنی قوم صالح کے ہلاک ہونے کے بعد قوم شعیب ان کی جانشین بنی۔

جہاں تک امامت کا تعلق ہے ہم نے سابقل میں بیان کیا ہے یہاں پر پھر دہراتے ہیں کہ سالم قرآن میں امامت کے ساتھ 'الارض' کا لاحقہ نہیں ہے بلکہ انسان کا

لاحقہ ہے ''انی جاعلک للناس اماما'' اے ابراہیمؑ میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ،تو امام انسانون کو ہوتا ہے اور کام اس کا قرآن نے یہ بتلایا ہے کہ ''جعلنا ھم آئمۃ یھدون بامرنا'' ہم نے ان کو امام بنایا ہے وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے

۔

اور پیغمبر اکرم صلعم کے لئے خدا نے فرمایا "انما انت منذر ولکل قوم ھاد" (الرعد۔7) سوائے اس کے نہیں ہے کہ تم ایک ڈرانے والے ہو (عذاب آخرت سے) اور ہر قوم کے ہادی۔ایک اور دوسری آیت میں فرمایا

" انک لتھدی الی صراط مستقیم '' الشوریٰ۔52

'بیشک تم ضرور ضرور صراط مستقیم کی طرف لوگوں کو ہدایت کرتے ہو۔وغیرہ آیات اور پیغمبری کے بارے میں فرمایا کہ

" وما علی الرسول الا البلاغ المبین '' (النور 54۔)

پیغمبر اکرم صلعم پر رسول کی حیثیت سے صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے

پس غلام احمد پرویز صاحب کا اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی دو حیثیتیں تھیں۔ایک پیغمبری اور دوسرے امامت پیغمبری ختم ہوگئی لیکن امامت جاری ہے اور آپ کے بعد بھی امام ہوں گے جو آپ کے نائب کی حیثیت سے کارہدایت انجام دیں گے اور خداوند تعالیٰ نے سورہ السجدہ میں اس امر کی طرف واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ

" ولقد آتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائه و جعلناه ھدی لبنی اسرائیل و جعلنا منھم آئمۃ یھدون بامر لما صبروا و کانو بایٰتنا یوقنون "

(السجدہ۔24,23)

یعنی اے رسول ہم نے موسیٰ کو بھی آسمانی کتاب (توریت) عطا کی تھی تو تم بھی اس (کتاب قرآن) کے (منجانب اللہ) ملنے سے شک میں نہ رہو، اور ہم نے اس توریت کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت قرار دیا تھا (اس طرح قرآن کو تمہاری امت کے لئے ہدایت قرار دیا ہے) اور چونکہ بنی اسرائیل نے مصیبتوں پر صبر کیا تھا لہذا ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام و پیشوا بنایا تھا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا دل سے یقین رکھتے تھے (اسی طرح ہم تیری امت میں بھی امام و پیشوا بنائینگے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کیا کریں گے)

اس آیت کی تفسیر میں اہلسنت کے معروف مفسر علامہ زمخشری نے اپنی کتاب تفسیر کشاف میں اس طرح سے لکھا ہے

" وا کذالک لنجعلن الکتاب المنزل الیک ھدی و نوراً ولنجعلن من امتک آئمة یھدون مثل فلک الھدایة (تفسیر کشاف علامہ زمخشری زیر تفسیر آیہ)

یعنی اس طرح سے ہم تمہاری کتاب قرآن کو ضرور ضرور از سر تا پا ہدایت اور نور بنا ئیں گے (اور جس طرح بنی اسرائیل میں امام بنائے تھے) اسی طرح سے تمہاری امت میں بھی ضرور ضرور ایسے ہی امام بنائیں گے جو اسی طرح سے ہدایت کریں گے جس طرح سے بنی اسرائیل میں ہونے والے امام ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے

یقیناً علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس آیت کا صحیح صحیح مطلب اور مفہوم یہی ہے اور اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ پیغمبر کے بعد اس امت میں بھی امام مقرر کرے گا۔ جو لوگوں کو اس کے حکم سے ہدایت کیا کریں گے۔ اور یہ ایک طرح کی

خدا کی طرف سے سے پیغمبر کے بعد آنے والے آئمہ ھدیٰ کی بشارت ہے اس کے علاوہ خداوند تعالی نے قرآن مجید میں منصب امامت کے پیغمبر اکرم صلعم کے بعد جاری رہنے کی ایک اور طرح سے بشارت یا خبر دی ہے جو اس طرح ہے کہ خدا نے اپنے ایک مخلص بندے کی دعا کے ضمن میں پیغمبر کے بعد جاری رہنے والی امامت کا واضح طور پر اعلان کیا ہے ارشاد ہوتا ہے

" والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین و اجعلنا للمتقین اماما" الفرقان ۔74

''اور وہ (ہمارے خاص بندے) یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری ازدوان کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو متقین کا امام بنادے۔

اس آیت میں خداوند تعالی نے واضح الفاظ میں یہ کہا ہے کہ امت محمد صلعم میں ایک مخلص بندہ ایسا ہے جس نے خود اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے بارگاہ خداوندی میں متقین کا امام بنانے کی دعا کی ہے اور خداوند تعالی نے قرآن کریم میں اپنے مخلص بندوں کی جتنی دعاؤں کا ذکر کیا ہے ان کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس بات کا اعلان کردیا جائے کہ ہم نے اس کی دعا کو قبول کرلیا ہے اور یہ ایک انداز ہے خدا کے بیان کرنے کا جس میں اس نے اپنے ایک مخلص بندے کی دعا کا ذکر کرکے یہ بیان کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلعم کے بعد بھی امام ہوگا بلکہ ساری ذریت میں سے بھی امام ہوں گے اور اپنی ذریت کے لئے دعا کرنا ان کو اپنے جد ابراہیم سے ورثہ میں ملا ہے اور حضرت ابراہیم نے '' قال و من ذریتی '' کے ذریعہ دعا کرکے انہیں یہ سبق دیا ہے۔

سورہ السجدہ کی مذکورہ آیت اور سورہ الفرقان کی مذکورہ آیت ہم ایک اور عنوان

کے تحت سابق میں بھی بیان کر آئے ہیں لیکن یہ امام لوگوں کے بنائے ہوئے امام نہ ہوں گے یہ امام قہر وغلبہ سے برسر اقتدار آنے والے امام نہ ہوں گے یہ امام جمہوریت کی پیداوار بھی نہ ہوں گے بلکہ یہ امام خدا کے برگزیدہ اختیار کردہ مصطفےٰ اور مجتبےٰ بندے ہوں گے، خدا نے جس طرح انبیا ورسل کو مصطفےٰ اور مجتبےٰ بنایا ہے اور خدا نے پیغمبر کے بعد آنے والی ہستیوں کے بارے میں بھی یہ کہا ہے کہ 'ھواجتباکم' اس نے انہیں مجتبےٰ بنایا ہے۔ اور ان ہستیوں کے بارے میں خدا نے یہ کہا ہے کہ یہ ہستیاں قیامت کے دن لوگوں پر گواہ ہوں گی اور رسول خدا انکے بارے میں گواہی دیں گے تو رسول خدا تو ان کے بارے میں گواہی دیں گے کہ میں نے خدا کے حکم سے ان کی امامت کا اعلان کردیا تھا اور ان کے بانگے پکارے اپنی امت کو یہ بتا دیا تھا کہ میرے بعد یہ امام ہوں گے اور وہ بارہ ہوں گے اور وہ امام لوگوں پر اس بات کے گواہ ہوں گے کہ وہ جب تک ان کے درمیان رہے لوگوں کو خدا کے حکم کے مطابق ہدایت کرتے رہے تا کہ خدا کی ان پر یہ حجت تمام ہو کہ اس نے اپنے بندوں کو بغیر ہدایت کے نہیں چھوڑا تھا۔

پس پرویز صاحب کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ یہ امامت کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی صلاح وفلاح کے لئے قائم ہوئی ہے قیامت تک مستمر ہے جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ سے ہمیشہ رہنی چاہئے۔ مقام حدیث ص 83

اور یہ بات بھی ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ خدا کسی کو مجتبےٰ نہیں بناتا جب تک اسے مصطفےٰ نہ بنایا ہو یعنی وہ پہلے سے مصطفےٰ ہوتا ہے پھر خدا اسے مجتبےٰ بناتا ہے۔ اور خدا نے واضح الفاظ میں قرآن کریم میں یہ بیان کردیا ہے کہ "ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا" یعنی پھر پیغمبر کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے انکو بنایا ہے جس کو ہم نے مصطفےٰ بنایا تھا پس یہ وارثان قرآن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرح

مصطفیٰ بھی ہیں اور مجتبےٰ بھی ہیں ان کی امامت کا موسیٰؑ کے بیان میں ذکر کیا اور سورہ فرقان میں دعا کی قبولیت کے عنوان سے ان کی امامت کا اعلان کیا پس یہ منصوص من اللہ بھی ہیں، معصوم عن الخطاء بھی ہیں جس پر ویطھرکم تطھیرا کی صفت کا مزید اضافہ ہے۔ یہ خدا کے مصطفےٰ بندے ہیں اور خدا کے مجتبےٰ بندے ہیں اور انہی کی شان میں پیغمبر صلعم نے یہ فرمایا تھا کہ

" ومن مات ولم يعرف اما م زمانه فقد ماته ميتة الجاهلية "

مسند احمد حنبل جلد 4 ص 96

''جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا''

پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں اس حدیث کے مقابلہ میں ''لا اسلام الا بجماعۃ'' کے ثبوت میں ایک وضع اور گھڑی ہوئی حدیث کو جس میں جماعت سے علیحدہ ہونیوالے کو جاہلیت کی موت مرنا بیان کیا گیا ہے بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کیا ہے حالانکہ جماعت تو غیر اسلامی بھی ہو سکتی ہے مگر چونکہ انھوں نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں احادیث کی بے اعتباری پر بہت زور دیا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ وہ اس حدیث کو بھی بے اعتبار قرار دیں۔ لیکن یہ حدیث قرآن مجید کی مذکورہ آیات کے عین مطابق ہے کیونکہ خدا کسی کو مجتبےٰ نہیں بناتا سوائے ہادیوں کے اور یہ بات واضح ہے کہ جو شخص اس ہستی کی معرفت نہ رکھتا ہوگا جو خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت پر مامور ہے تو وہ حتماً جاہلیت کی موت ہی مرے گا، یعنی کوئی اس حدیث کو مانے یا نہ مانے اس کو صحیح جانے یا صحیح جانے یہ بات حتمی ہے کہ جو شخص ہادی خلق اور امام برحق کی معرفت نہ رکھتا ہوگا اور اس سے دور دور رہے گا تو وہ ہدایت سے محروم ہی رہے گا اور جاہلیت کی موت ہی مرے گا علاوہ ازیں پرویز صاحب نے اصولاً پیغمبر کے بعد امامت کے قائم رہنے کو تو بجا طور پر درست لکھا ہے لیکن پیغمبر کی جانشینی کے ضمن میں جن بزرگ اصحاب کا نام گنوایا ہے نہ تو وہ مصطفےٰ تھے نہ ہی وہ مجتبےٰ تھے نہ ہی وہ

یطھرکم تطھیرا کی مراد افراد میں شامل تھے نہ خود انہوں نے ان باتوں کا دعویٰ کیا اور نہ ہی کسی نے انہیں مصطفےٰ و مجتبےٰ اور یطھرکم تطھیرا کی مراد افراد میں شامل مانا ۔ اور خدا اپنے مصطفےٰ بندوں اور مجتبےٰ بندوں اور طاہر و معصوم بندوں کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ہادی نہیں بنا سکتا۔ پس جنہوں نے خدا کے ان مصطفےٰ بندوں ۔ مجتبےٰ بندوں اور یطھرکم تطھیرا کے مصداق بندوں اور خدا کے حکم سے ہدایت کے لئے معمور اور پیغمبر کے ذریعے مقررہ کردہ اماموں سے رخ موڑا وہ بھٹکے بغیر نہ رہ سکے اور پیغمبر کے بعد سیاسی انقلاب نے تو سب کو ہی پٹڑی سے ہی اتار دیا چنانچہ مودودی صاحب نے یہ تک کہہ دیا کہ:

''ہر وہ قوم جسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں خدا کی خلیفہ ہوتی ہے''

مودودی صاحب نے پیغمبر اکرم صلعم کے بعد برسر اقتدار آنے والوں کی حمایت میں جو کچھ کہا ہے اس سے نہ صرف یزید خدا کا خلیفہ ہے بلکہ جواہر لعل نہرو، اٹل بہاری واجپائی، شیرون و پوٹن و بش وغیرہ بھی خدا کے خلیفہ ہیں

سیاست کی بنیاد پر مسلمانوں میں سب سے پہلا تفرقہ

ہم نے اب تک قرآن مجید سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پیغمبر کے بعد امامت جاری ہے جو انبیاء و رسول اور ہادیان دین کی طرح ہی خدا کے برگزیدہ بندے تھے خدا کے مصطفےٰ بندے تھے اور خدا کے مجتبےٰ بندے تھے اور خدا کے بندوں پر انبیا و رسل کی طرح ہی حجت تھے ۔ کیونکہ خدا نے انہیں اپنے بندوں کی ہدایت کے مقرر فرمایا تھا تا کہ اس کے بندے قیامت کے دن خدا کے خلاف کوئی حجت نہ کر سکیں کہ تو نے ہماری ہدایت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا خدا نے اپنے ان مصطفےٰ بندوں کو وارث قرآن بنایا تھا اور کار ہدایت انجام دینے کے لئے ان کا

اجتبیٰ کیا تھا جس پر "ھبو اجتباکم" واضح گواہ اور بین دلیل ہے اور خدا نے حصول ہدایت کی خاطر انہیں کی

اطاعت کو اپنے بندوں پر فرض اور واجب قرار دیا ہے۔

"لیکن چونکہ پیغمبر اکرم صلعم کو مدینے آنے کے بعد اقتدار ظاہری بھی حاصل ہو گیا تھا لہذا اس کی وجہ سے بہت سے اصحاب اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح یہ دنیاوی اقتدار ان کے حصے میں آئے۔ اور قرآن واضح الفاظ میں یہ گواہی دیتا ہے کہ بعض اصحاب دنیا کے طلبگار تھے چنانچہ خدا نے قرآن میں پیغمبرؐ کے بعض اصحاب کی جنگ بدر میں دلی کیفیت کی یہ ترجمانی کی ہے کہ:

"تریدون عرض الدنیا و اللہ یرید الاخرہ۔ الانفال۔67

"تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے"

اور جنگ احد میں بعض اصحاب کی دلی کیفیت کی یہ کہہ کر ترجمانی کی ہے کہ

منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ

تم میں سے کچھ تو دنیا کے طلبگار ہیں اور کچھ آخرت کے یہ دنیا کے طلبگار اصحاب پیغمبر، اکثر بات بات پر پیغمبر پر اعتراض کرتے تھے۔ اور ہر کام میں آنحضرت کی مخالفت پر تلے رہتے تھے اور قالو سمعنا و اطعنا سے بہت دور تھے شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں واضح لفاظ میں لکھا ہے کہ

"کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی" الفاروق شبلی ص 536

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

لیکن مولانا شبلی نے قیدیان بدر اور صلح حدیبیہ وغیرہ کا ذکر کر کے یہ کہا ہے کہ

''حضرت عمران باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے وہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنا ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا

الفاروق شبلی ص 537

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

شبلی صاحب نے اپنے اس فیصلہ میں، سمجھنے کی بات کی ہے کہ وہ ان باتوں کو منصب رسالت سے الگ سمجھتے تھے حقیقت کی بات نہیں ہے کہ حقیقتاً اور واقعتاً یہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں یا نہیں، چونکہ وہ سمجھنے کی بات کر کے لوگوں کو اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ قیدیوں سے فدیہ لینے حکم خود سورہ محمد میں آیا ہے جو اس طرح ہے

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب للرقاب ، حتیٰ اذا اثختموھم فشدوا الوثاق فاما مناً بعد و اما فداء حتیٰ تضع الحرب اوزارھا

سورہ محمد آیت نمبر 4

پس جب تمہاری کافروں سے مڈبھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مارو یہاںتک کہ جب تم انہیں زخموں سے چور کر ڈالو تو انکی مشکیں کس لو پھر یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو یہاں تک کہ دشمن ہتھیار ڈال دے۔

خداوند تعالی نے اس آیت میں قیدیوں کو دو طرح سے رہا کرنے کا حکم دیا تھا یا تو احسان رکھ کر رہا کر دیا جائے یا فدیہ کے پس پیغمبر نے قیدیان بدر کے ساتھ جو سلوک کیا وہ خدا کے حکم سے، منصب رسالت کے مطابق تھا اور قیدیوں کو قتل کرنا تو آج کی مہذب دنیا

میں بھی جرم سمجھا جا سکتا ہے معلوم نہیں حضرت عمر کی حکومت کے طرفدار قیدیوں کو قتل کرنے کی رائے کو کس طرح سے ان کی تعریف شمار کرتے ہیں۔

اور صلح حدیبیہ میں جس میں حضرت عمر نے بڑی شدت کے ساتھ مخالفت کی تھی اور آنحضرت کی رسالت پر شک کر بیٹھے تھے خدا نے سورہ الفتح کی پہلی ہی آیت میں اس صلح کو فتح مبین قرار دیا اور اس سورہ کی آیت نمبر 25 میں اس صلح کو خدا نے مصلحت کو بھی واضح کیا لہذا صلح حدیبیہ بھی پیغمبرؐ نے منصب رسالت کی حیثیت سے کی تھی اور شبلی صاحب بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے لہذا انھوں نے سمجھنے کی بات کی کہ حضرت عمر اس کو منصب رسالت کی حیثیت سے نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ پیغمبر کے جس کا کو خدا یہ کہے کہ یہ کام میں نے اس مصلحت سے نہیں کیا اس کے منصب رسالت سے ہونے میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے حضرت عمر کے طرفدار چاہے جو کچھ کہتے رہیں یہ سمجھنے کی بات نہیں ہے بلکہ اپنے سیاسی پروگرام کی تکمیل کے لئے جس طرز عمل کی ضرورت سمجھتے تھے اس کے مطابق سیاسی پیش بینی کے طور پر ایسے کام کرتے تھے

اگر ہم وہ تمام باتیں لکھیں جو سیاسی پیش بینی کے طور پر اکثر کی جاتی رہی ہیں تو ان کے طرفدار کہیں گے توبہ توبہ، معاذ اللہ، استغفر اللہ اصحاب رسول تو ایسا کر ہی نہیں سکتے لہذا ان تمام باتوں کے لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن وہ برسر اقتدار آئے اور تاریخوں میں انکے برسر اقتدار آنے کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور پیغمبر اکرم صلعم کی وفات کے بعد انہوں نے جس طرح حصول اقتدار کے لئے سرگرمی دکھائی اس کا کچھ حال ہم نے بھی اپنی کتاب ''حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں'' میں بیان کیا ہے یہاں پر نمونہ کے طور پر علامہ شبلی صاحب کی کتاب ''الفاروق'' سے جو ایک طرح سے علامہ شبلی کا حضرت عمر کی شان میں لکھا ہوا قصیدہ اور انکی ہر غلط اور نامناسب بات کا دفاع کرنے والی کتاب ہے بصرف ایک

اقتباس ان کے عنوان ''سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت ابو بکر کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف''
سے نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں '' یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت نے
انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزع پیدا گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول
اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول
اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر
چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ
آجائے تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابو بکر و عمر) سے سرزد ہوا جو آسمان
اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی
ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ و
خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و
تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب
حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے یہ سچ ہے کہ
حضرت ابو بکر و عمر وغیرہ آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی
سچ ہے کہ انھوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی
کی۔ اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔
یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنی ہاشم اور حضرت علی سے
بزور منوانا چاہا۔ گو بنی ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔

الفاروق شبلی ص 113-114

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

کمزور دفاع ایسا ہوتا ہے کہ کیونکہ جب یہ سب سچ ہے تو پھر درحقیقت ایسا نہیں ہے غلط ہو گیا

اور یہ بات ایک حقیقت بن کر سامنے آئی کہ وہ اس بندوبست میں مصروف ہوئے کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا سیاسی معرکہ

پیغمبر اکرم صلعم کی وفات کے بعد پیغمبر کی نیابت میں کارہدایت انجام دینے یا امامت کا کوئی جھگڑا نہیں تھا بلکہ اصحاب پیغمبر کی ساری کاروائی پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ جس چیز کے حصول کی جدوجہد کی جارہی تھی وہ دنیاوی حکومت اور اقتدار کا حصول تھا کیونکہ پیغمبر کی وفات کے بعد جب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت عمر، حضرت ابوبکر اور حضرت ابوعبیدہ جراح کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے تو کسی نے بھی اس معرکہ میں پیغمبر صلعم کی علمی جانشینی، کارہدایت میں نیابت یا امامت کی بات نہیں کی اور سارے معرکے میں کسی نے بھی خلافت یا امامت یا کارہدایت یا علمی جانشینی کا لفظ تک استعمال نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے امیر یا امارت یا ولی امور یا حکومت اور سلطنت کے الفاظ ہی استعمال کئے

۔

چونکہ پیغمبر کی وفات کے فوراً بعد جب انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہوئے تو انہوں نے پہلے مرحلہ میں حضرت سعد بن عبادہ انصاری کو اپنا امیر مقرر کرنے پر اتفاق کرلیا تھا، لیکن مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے پہنچنے کے بعد نئی بحث شروع ہوگئی تو اس وقت انصار نے یہ کہا "منا امیر و منکم امیر "یعنی اگر ہمارا تمہیں قبول نہیں تو پھر ایک امیر ہم سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو اس پر حضرت عمر نے جواب دیا کہ "ھیھات لا یجمع اثنا ن فی قرن واللہ لا ترضی العرب ان یومروکم و نبیتھا من غیر کم ولکن العرب لا تمتنع لن نولیٰ امرھا من

كانت النبوة فيهم و اولي الامر منهم ۔ ولنا بذالک علی من ابیٰ من العرب الحجته الظاهرة والسلطان المبين من ذا ينازعنا سلطان محمد وامارة ونحن اولياء ہ و عشيرته الا مدل بباطل او متجانف لاثم و متورط فی هلكة

طبری جلد 2 ص 457

یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک زمانہ میں دو حکمران جمع ہو جائیں خدا کی قسم عرب اس پر کبھی راضی نہ ہوں کہ تمہیں حاکم و امیر بنائیں ۔ جبکہ نبی تم میں سے نہیں ہے بلکہ تمہارے غیر سے ہے لیکن عرب کو اس بات میں ذرا بھی پس وپیش نہ ہوگا کہ وہ اپنا حاکم اس کو بنائیں جس کے گھرانے میں نبوت ہو اور ولی امور بھی انہیں مین سے ہو اور انکار کرنے والے کے سامنے اس سے ہمارے حق میں کھلم کھلا دلیل اور واضح برہان لائی جاسکتی ہے جو ہم سے محمد صلعم کی حکومت وسلطنت و امارت میں ٹکرائیگا وہ باطل کی طرف جھکنے والا اور گناہ کا مرتکب ہونے والا اور ورطہ ہلاکت میں گرنے والا ہے ۔

حضرت عمر کی اس ساری تقریر میں " یومر کم " تولی امرها " ۔ " ولی امور" ۔ ' سلطان محمد " ۔ امارتة " خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ یہاں پر پیغمبر کی علی نیابت ،ہدایت ورہنمائی یا پیغمبر کی منصب امامت وپیشوائی کی جانشینی کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی پیغمبر کی علمی نیابت اور پیغمبر کے منصب امامت و ہدایت ورہنمائی ایسی چیز ہے جو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی محتاج ہو اس لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں اس کا کوئی ذکر نہ آیا بلکہ وہاں پر صرف سلطان محمد و امارة پر قبضہ کرنے کا جھگڑا تھا لہذا اس جد وجہد میں جس نے بھی حاصل کیا اور جو کچھ حاصل کیا وہ صرف اقتدار اور دنیاوی حکومت تھی ۔

اس حکومت کے مسئلہ پر انصار کے ساتھ جو ہاتھا پائی ہوئی ہم اس کو بیان نہیں کرنا

چاہتے۔ لیکن حضرت عمر نے یہ خوف محسوس کرتے ہوئے کہ انہوں نے اپنے حق میں جو دلیل دی ہے اس کی بناء پر ان کی بجائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے جسے حکومت سے نکالنے کے لیے وہ مصروف عمل ہیں بلکہ وہی سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار میں بعض نے یہ نعرہ بھی بلند کردیا کہ ''لا نبایع الا علیا'' یعنی اگر رشتہ دار اس امر کے زیادہ حقدار ہیں تو پھر یہ علی کا حق ہے لہذا ہم علی کے سوا کسی کی بیعت نہ کریں گے۔

لہذا حضرت عمر نے یہ سوچنے میں دیر نہ لگائی کہ کہیں بات بڑھ کر معاملہ ہاتھ نکل ہی نہ جائے جھٹ سے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی اور اس لئے ان کا یہ قول عام مشہور ہے کہ ''کانت بیعۃ ابوبکر فلتۃ فوقی اللہ شرھا'' یعنی حضرت ابوبکر کی بیعت بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی مشورے کے ہوئی تھی مگر اللہ نے اس سے پیدا ہونے والے شر سے بچالیا لیکن اب اس طریقہ کو نظیر نہیں بنایا جاسکتا اگر اب کوئی اور اس طریقہ سے بنے گا تو وہ بننے والا بھی اور اس کی بیعت کرنے والا بھی دونوں قتل کیے جائیں گے اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے اور علامہ شبلی نے اپنی کتاب ''الفاروق'' میں اور مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور حضرت عمر کے اس قول میں بھی ''امارۃ'' ہی لفظ ہے جسے ہم سابق میں نقل کرآئے ہیں جو اس طرح ہے

''لا اسلام الابجماعۃ والا جماعۃ الا بامارۃ ولا امارۃ الا بطاعۃ''

تصوف کی حقیقت از غلام احمد پرویز ص 236

بحوالہ جامعہ ابن عبدالعزیز

جماعت کے بغیر اسلام کا وجود ہی نہیں ہے اور جماعت کی ہستی امیر کے ساتھ ہے اور امارت کا مدار اطاعت پر ہے اگرچہ بزرگان اہل سنت میں سے شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی نے تحفہ اثناء عشریہ میں یہ لکھا ہے کہ اہل سنت کے اصلاف پہلے شیعہ ہی کہلاتے تھے مگر جب شیعہ زیدیہ نے 122 ھجری کے بعد اور شیعہ اسماعیلیہ نے جو 148 کے بعد پیدا ہوئے خود کو شیعہ کہلانا شروع کردیا اور ان سے قبائح کو ظہور ہونے لگا تو اہل سنت کے اسلاف نے حق و باطل کے غلط ملط ہونے کے خوف سے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھ لیا اور اہم نے اپنی تحقیق کے طور پر یہ لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت اتنی دور بھی جا کر پیدا نہیں ہوئے بلکہ 41ھ میں جب حضرت علی کو چوتھا خلیفہ ماننے والوں اور حضرت علی کو خلیفہ نہ ماننے والوں کا معاویہ پر اجماع ہوگیا تو اس سال کا نام معاویہ نے سنتہ الجماعت رکھا جس کی مناسبت سے ان کا نام سنت والجماعت پڑا۔ لیکن عجب نہیں ہے کہ حضرت عمر کی اس جماعت سے وابستگی اختیار کرنے والوں نے ہی اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھ لیا ہو تو اس طرح اہل سنت والجماعت 41ھ میں بھی نہیں بلکہ سقیفہ بنی ساعدہ کے سیاسی معرکے کے ساتھ ہی وجود میں آگئے۔ تو اس طرح پیغمبر کے عین بعد ہی یہ دونوں فرقے معرض وجود میں آگئے ایک شیعوں کا اعتقادی فرقہ جو پیغمبر کے مطابق حضر علی اور ان کی پاک اولاد کی امامت کا عقیدہ رکھتا تھا اور دوسرا مذکورہ سیاسی جماعت کا پیرو فرقہ اور جیسا کہ زمانہ کا دستور ہے زیادہ لوگ اقتدار کے ساتھ ہوگئے لیکن بہت سے بزرگ اصحاب پیغمبر شیعہ عقیدہ کے بھی ہم نواء رہے ابو زہرہ مصری نے ان میں سے جن بزرگ صحابہ کے نام لکھا ہے وہ حسب ذیل ہیں، عمار بن یاسر، مقداد بن اسود، ابو ذر غفاری، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، ابی بن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابو ایوب انصاری، سہیل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابوالہیثم ابن شہان، ابو الفضل عامر بن وائل، عباس بن عبدالمطلب اور ان کے بیٹے نیز تمام بنی ہاشم۔

اسلامی مذاہب ابو زہرا مصری

اردو ترجمہ پروفیسر غلام احمد پرویز ص 63-64

پس پیغمبرؐ کے عین بعد مسلمان دو عظیم فرقوں میں بٹ گئے ایک سقیفہ بنی ساعدہ کی سیاسی کاروائی کے نتیجہ میں مذکورہ سیاسی جماعت کا پیرو فرقہ جو ہمیشہ حضرت عمر کے قول کے مطابق لا اسلام الا بجماعۃ و لا جماعۃ الا بامارۃ و الا امارۃ الا باطاعۃ''

تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 236

ہر حکومت کی اطاعت کو فرض سمجھتے ہوئے اہل سنت کے نام سے معروف رہا دوسرا فرقہ امامت کو حضرت علی اوران کی معصوم اولاد میں مانتے ہوئے شیعہ کہلاتا رہا اور اس کے بعد جتنے بھی اعتقادی یا سیاسی فرقے بن وہ انہیں دونوں فرقوں میں شمار کیے گئے یعنی وہ شیعوں میں شمار ہوتے ہیں یا اہل سنت کہلاتے ہیں۔

پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آنے والے ایک جدید دنیاوی حکومت کے سربراہ تھے

پیغمبرؐ کے بعد برسر اقتدار آنے والے ایک جدید دنیاوی حکومت کے سربراہ تھے

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پیغمبر کی علمی جانشینی یا کارہدایت و امامت میں نیابت کی کوئی بات نہیں تھی بلکہ صرف امارت، سلطنت میں نیابت کی کوئی بات نہیں تھی، بلکہ صرف امارت، سلطنت، حکومت اور اقتدار کے حصول کی بات ہوئی جس سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ ایک جدید قسم کی دنیاوی حکومت تھی اور اس حکومت یا خلافت کا سارا معاملہ آخر تک حضرت عمر کی مرضی ان کی رائے اور ان کے اختیار کے مطابق چلتا رہا اور نہ صرف یہ کہ انہوں نے ہی اپنی اس جدید حکومت کے اصول و دستور اور قواعد و ضوابط وضع کیے بلکہ اس سلسلہ میں دنیاوی بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح ان کی زبان ہی قانون تھی علامہ شبلی نے اس مطلب کو اپنے

انداز میں ''نظام حکومت'' کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے

''اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگر چہ حضرت ابو بکر کے عہد میں پڑی لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمر کے عہد میں شروع ہوا''

الفاروق شبلی ص 280 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی حکومت کا احادیث کے ساتھ سلوک

جب کوئی نئی حکومت انقلاب برپا کر کے معرض وجود میں آتی ہے تو اکثر ایسی چیزوں پر پابندی لگا دیتی ہے جوان کی حکومت کے بارے میں مشکلات پیدا کرنے والی ہوں چونکہ پیغمبرؐ اپنا فرض تبلیغ ادا کر کے اپنے بعد آنے والے امام وہادی خلق کا اعلان کر چکے تھے جس کے بعد دین کی تکمیل اور اتمام حجت کی خدا نے بشارت دے دی تھی اور پیغمبر اپنی زندگی میں حضرت علی کی امامت وجانشینی کے بارے میں اتنی مرتبہ اور اتنے طریقوں سے اعلان کر چکے تھے کہ کسی نبی نے اتنی مرتبہ اور اتنے طریقوں سے اپنے جانشین کے بارے میں اعلان نہ کیا ہوگا جس کا بیان ہم آگے چل کر کریں گے چونکہ ایسی تمام احادیث اس نئی قائم ہونے والی حکومت کے پاؤں پر ایک تیشہ کا کام کرتی تھیں لہذا حکومت نے پیغمبرؐ کی بیان کردہ تمام احادیث پر سنسر شپ عائد کر دی۔

غلام احمد پرویز صاحب نے احادیث کی بے اعتباری ثابت کرنے کے لئے جتنے دلائل دیئے ہیں ان میں سب سے بڑی دلیل صحابہ کا احادیث کے ساتھ طرز عمل ہے چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں امام ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کے حوالے سے حضرت ابو بکر کے متعلق حسب ذیل روایت نقل کی ہے جو اسطرح ہے

''حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں باہم اختلاف کرتے ہو اور تمہارے بعد کے لوگ اختلاف میں زیادہ سخت ہو جائیں گے پس چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا کرو پھر اگر تم سے کوئی پوچھے تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے پس چاہیئے کہ اس کتاب نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے، ان کو حلال قرار دو اور جن باتوں کو حرام ٹھہرایا ان کو حرام ٹھہراؤ'' مقام حدیث ص 7

بحوالہ تذکرۃ الحفاظ بحوالہ تدون حدیث ص 321

حضرت ابو بکر کی طرف منسوب اس بیان میں حدیث کے روایت نہ کرنے کا ایک سبب بھی بیان کیا گیا ہے لیکن غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں ایک اور اہم بات لکھتے ہیں کہ:

''مولانا مناظر احسن گیلانی (مرحوم) نے اپنی کتاب میں ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے ''قرن اول میں حکومت کی طرف سے حفاظت و اشاعت حدیث کا اہتمام نہ ہونا کوئی امر اتفاقی نہیں بلکہ مبنی بر مصلحت ہے'' انہوں نے اس سے پہلے ابن حزم کا یہ قول نقل کیا ہے

''جس وقت حضرت عمر کی وفات ہوئی تو مصر سے لے کر عراق تک اور عراق سے لے کر شام تک اور شام سے یمن تک قرآن کے جو نسخے پھیلے ہوئے تھے ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کم بھی نہ تھی (تدوین حدیث ص 216)

اس کے بعد انھوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ جب قرآن کریم کی اشاعت میں اس قدر اہتمام کیا گیا تو اگر حکومت چاہتی تو احادیث کی اشاعت میں کونسا امر مانع ہوسکتا تھا

انہوں نے کہا ہے کہ حکومت نے دیدہ دانستہ ایسا نہیں کیا (مقام حدیث ص 9)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر نے حدیث کے لکھنے سے جو منع کیا وہ تو امر واقع ہے لیکن اس کے لئے جو بہانہ کیا وہ بہانہ ایسا ہی جیسا کہ ہر حکومت خبروں پر سنسر شپ عائد کرنے کے لئے کیا کرتی ہے۔

اس کے بعد غلام احمد پرویز صاحب ''صحابہ کا عمل'' کے عنوان کے تحت آگے چل کر لکھتے ہیں ۔امام ذہبی نے بھی یہ لکھا ہے

''حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میرے والد حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی احادیث کو جمع کیا اوران کی تعداد پانچ سوتھی ، پھر ایک شب میں دیکھا گیا کہ وہ (یعنی حضرت صدیق اکبر بہت زیادہ کروٹیں بدل رہے ہیں ، میں نے عرض کیا کہ آپ یہ کروٹیں کسی جسمانی تکلیف کی وجہ سے بدل رہے ہیں یا کوئی خبر آپ تک پہنچی ہے جسے سن کر آپ بے چین ہورہے ہیں،آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا بیٹی ان حدیثوں کالاؤ جوتمہارے پاس ہیں پھر آگ منگائی اوراس نسخہ کو جلادیا''

تدوین حدیث ص 88-285

مقام حدیث ص 7

حضرت ابو بکر رات بھر کروٹیں بدلتے رہے اور ساری بے چین رہے ، بیٹی کے پوچھنے پر بھی سبب نہ بتلایا۔حتماًان احادیث میں وہ احادیث بھی تھیں جن میں پیغمبر اکرم نے اپنے بعد حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ اپنا نائب اپنا جانشین امام امت اور ھادی خلق ہونے کا اعلان کردیا تھا تو تم تخت خلافت پر کیوں بیٹھے ،اس تصور سے ساری رات کروٹیں بدلتے رہے اور ساری رات بے چین رہے بیٹی کے پوچھنے پر بھی وجہ نہ بتلائی اور صبح کو بیٹی سے وہ 500احادیث منگوا کر جلادیا نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ۔ایک معمولی سی عقل کا آدمی بھی

یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ اگر وہ احادیث حلال وحرام سے متعلق ہوتیں یا عبادات سے متعلق ہوتیں یا اخلاقیات و معاملات سے متعلق ہوتیں تو حضرت ابو بکر کو رات بھر کروٹیں بدلنے کی ضرورت نہ تھی۔

کتاب مقام حدیث کے صفحہ نمبر 7 پر جو روایت نقل کی ہے اس میں تو یہ لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رات بھر کروٹیں بدلتے رہے اور بے چین رہنے کے بارے میں اپنی بیٹی کے پوچھنے پر بھی کوئی جواب نہ دیا اور کوئی سبب نہ بتلایا اور صبح کو احادیث کا وہ مجموعہ جو 500 احادیث پر مشتمل تھا بیٹی سے منگوا کر جلا دیا۔ لیکن ''وضع حدیث'' کے عنوان کے تحت علامہ محمد اسلم جیراج پوری کے مضمون میں یہ لکھا ہے کہ ''حضرت ابو بکر نے ایک مجموعہ احادیث بھی لکھا تھا جس میں تقریباً 500 حدیثیں تھیں مگر آخر میں اس کو حضرت عائشہ سے لے کر آگ میں جلا دیا کیونکہ ان کو خیال ہوا کہ ممکن ہے میں نے کسی کو معتبر سمجھ کر کوئی روایت اس سے لکھ دی ہو اور در حقیقت وہ معتبر نہ ہو۔

مقام حدیث ص 93 بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی

اس مضمون میں واقعہ تو صرف 500 احادیث کو جلانے کا بیان ہوا ہے لیکن کیوں جلایا اس کے بارے میں کہا گیا کہ ''ان کو خیال ہوا'' لیکن اگر انہیں یہ خیال ہوا ہوتا تو بیٹی کو بتلانے میں کیا حرج تھا اور پھر بعد میں لوگوں کو ان کے دل کی بات کا کیسے پتہ چلا کہ انہوں نے اس خیال سے اپنے مجموعہ احادیث کو جلا دیا۔

پھر اس بیان میں یہ کہا گیا کہ ان کو خیال ہوا کہ ممکن ہے میں نے کسی کو معتبر سمجھ کر کوئی روایت اس میں سے لکھ دی ہو اور وہ حقیقت میں معتبر نہ ہو۔

کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ حضرت ابو بکر نے اس خیال سے کسی غیر معتبر راوی سے لکھ دی ہو اور وہ ثقہ نہ ہو۔ اول تو کہا یہ جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے

ایمان لائے اور آخر تک آنحضرت کے ساتھ رہے لہذا یقیناً انھوں نے وہ احادیث پیغمبرؐ سے ہی سن کر لکھی تھیں اور اگر کوئی ایک آدھ روایت کسی اور صحابی سے سن کر بھی لکھ دی تو اگر وہ اس صحابی سے ایسے ہی بدگمان تھے تو لکھنے سے پہلے پیغمبر سے پوچھ سکتے تھے کہ یا حضرت مجھ سے فلاں صحابی نے آپ کی یہ حدیث بیان کی ہے کیا یہ صحیح ہے تو آنحضرت اس کی تصدیق فرمادیتے یا تردید کردیتے کہ میں نے یہ نہیں کہا یہ تو نہیں سکتا کہ ہر وقت پیغمبرؐ کے ساتھ رہنے کے باوجود انھوں نے پیغمبر سے کوئی حدیث نہ سنی ہو اور ساری کی ساری دوسرے اصحاب کی بیان کردہ ہوں ۔ یہ بات کوئی تابعی یا تبع تابعین میں سے تو کوئی کرسکتا ہے پیغمبرؐ کے ساتھ رہنے والے صحابی سے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ وہ ایسی بات کہے ۔ پھر کسی ایک آدھ روایت کو غیر معتبر راوی کی سمجھ کر ان تمام احادیث کو جو انہوں نے خود اپنے کانوں سے سنی تھیں جلادینا ہرگز قرین عقل نہیں ہے ۔

اس بات کو فاضل مضمون نگار نے بھی محسوس کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ تو نہیں ہوسکتا کہ اس مجموعہ میں جملہ حدیثیں ایسی تھیں کہ انہوں نے لوگوں سے سن کر لکھی تھیں کیونکہ وہ خود دربار رسالت کے رکن رکین تھے اور اپنے کانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی باتیں سنتے تھے جن میں ان کو شبہ کی گنجائش نہ تھی لیکن چونکہ روایات میں اختلافات انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور امت کو یہ حیثیت خلیفہ رسول ہونے کے انہوں نے اس سے روک دیا تھا، اس لئے خود بھی پسند نہ کیا کہ روایات کا مجموعہ چھوڑ جائیں۔

مقام حدیث ص 95

یہ عذر بھی فاضل مصنف کا کچھ وزن نہیں رکھتا اور بالکل ایک عذر لنگ ہے اگر کوئی صحابی جھوٹی روایت بیان کرتا تو اس کی تحقیق کی جاسکتی تھی جیسا کہ بعد میں اپنے مطلب اور

ضرورت کی احادیث کے لئے تخص کرنا مشہور ہے، جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔
لیکن اختلافی یا جھوٹی احادیث کو روکنے کی بجائے پیغمبر کی سچی احادیث کو بھی آئندہ نسلوں
تک نہ پہنچنے دینا بہت بڑا ظلم ہے۔ حضرت ابو بکر نے اگر کوئی ایک آدھ روایات کسی دوسرے
صحابی سے سن کر نقل بھی کی تھی۔ اور وہ اس صحابی کو سچا نہیں سمجھتے تھے یا معتبر نہیں جانتے تھے تو
وہ ایک آدھ روایت مٹائی جا سکتی تھی پیغمبر کی بیان کی ہوئی اور اپنے کانوں سے سنی ہوئی
احادیث سے آئندہ نسلوں کو محروم کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے اور حضرت ابو بکر اتنے بھی نا سمجھ
نہیں تھے کہ پیغمبر کی سچی احادیث اپنے کانوں سے سن کر خود لکھنے کے باوجود کسی ایک آدھ
روایت کے کسی دوسرے صحابی کے لکھنے کی وجہ سے ساری ہی سچی احادیث کو جلا دیتے، البتہ
ایک بات جوان کو رات بھر کروٹیں بدلواتی رہی اور ساری رات انھیں بے چین کئے رہی وہ
حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث تھیں وہ حضرت علیؑ کے اعلان خلافت و امامت وولایت کی
احادیث تھیں لہذا انھیں اس بات نے بے چین رکھا اور ساری رات کروٹیں بدلوائیں کہ
جب لوگ ان احادیث کو پڑھیں گے تو مجھے کیا کہیں گے؟ کہ تم نے خود پیغمبرؐ سے یہ احادیث
نقل کی ہیں اور پھر بھی پیغمبر کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

علامہ شبلی نے بھی اپنی کتاب الفاروق میں حضرت ابو بکر کے 500 احادیث کے
مجموعہ کو جلانے کے واقعہ کو اس طرح لکھا ہے

''علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں حضرت ابو بکر کے حال میں لکھا ہے کہ سب
سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکر تھے، علامہ موصوف نے حاکم
سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر نے 500 حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ لیکن پھر ان کو
آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس سے ذریعہ سے
روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو''

الفاروق شبلی ص 523

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

حضرت ابو بکر کا احادیث کو جلانا ایک مسلمہ حقیقت ہے لیکن کیوں جلائیں ۔ بیٹی والی روایت میں ہے کہ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور پوچھنے کے باوجود کوئی سبب نہ بتلایا پس صبح کو بیٹی سے لے کر وہ احادیث کو مجموعہ جلا دیا ۔

"بعد والے حیران تھے کہ احادیث پیغمبرؐ کے جلانے کا کیا سبب بتلائیں ۔ تو کسی نے کہا کہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ ممکن ہے کہ میں نے جس راوی سے احادیث لی ہیں وہ ثقہ نہ ہو، لیکن شبلی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ یہ بات خود انھوں نے ہی کہی کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت لکھ لی ہو، اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو، لیکن کسی سے کہا یہ انہوں نے نہیں لکھا، شاید دل میں کہا ہوگا"

لیکن پرویز صاحب نے امام ذہبی کے حوالہ سے اپنی کتاب مقام حدیث کے صفحہ 95 پر یہ لکھا ہے کہ چونکہ وہ اصحاب پیغمبر کو روایات میں اختلاف کرنے کی وجہ سے احادیث لکھنے سے منع کرتے تھے اس لئے انہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ ان کا لکھا ہوا مجموعہ احادیث موجود رہے ۔

یہ سبب صاحب مضمون کا تراشا ہوا ہے کہ انہوں نے مناسب نہ سمجھا ۔

بہرحال امر واقع صرف اتنا ہے کہ حضرت ابو بکر نے پیغمبر اکرم صلعم کی زبانی اپنے کانوں سے سن کر 500 احادیث کا جو مجموعہ تحریر فرمایا تھا اسے بیٹی سے لے کر جلا دیا اور اس ساری رات کروٹیں بدلتے رہے اور ساری رات بے چین رہے ۔

اب انہوں نے یہ مجموعہ حدیث کیوں جلایا اس کے بارے میں ان کے عقیدت مندوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی ہیں لیکن قرائن اور بعد کے حالات اس بات

کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کے جمع کیے ہوئے 500 احادیث کے نسخہ میں حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب اور حضرت علیؑ کی امامت وخلافت وولایت کے بارے میں پیغمبرؐ کے اعلانات کی احادیث تھیں۔

احادیث کے ساتھ حضرت عمر کا سلوک

حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر کا دور خلافت آتا ہے ان کا طرز عمل احادیث پیغمبرؐ کے بارے میں کیا تھا۔ پرویز صاحب ''مقام حدیث'' میں لکھتے ہیں۔ جہاں تک حضرت عمر کا تعلق ہے، علامہ ابن عبد العزیز نے اپنی مشہور کتاب 'جامع بیان العلیم' میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

''حضرت عمر بن الخطاب نے چاہا کہ سنن یعنی حدیثوں کو لکھوالیا جائے، تب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے فتویٰ طلب کیا۔ تو لوگوں نے بھی یہی کہا کہ حدیثیں لکھوالی جائیں'' (مقام حدیث ص 7)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی صحابیوں سے احادیث رسول کے لکھوانے کا جو فتویٰ مانگا تھا اس پر سب اصحاب نے متفقہ طور پر لکھوانے کا فتویٰ دیا تھا، لیکن پھر کیا ہوا، پرویز صاحب اس سے آگے لکھتے ہیں۔

''لیکن لوگوں کے اس مشورہ سے حضرت عمر کا قلب مطمئن نہیں ہوا چنانچہ کامل ایک ماہ تک حضرت عمر اس معاملہ میں استخارہ کرتے رہے۔ پھر ایک دن جب صبح ہوئی اور اس وقت حق تعالیٰ نے فیصلہ میں یکسوئی کی کیفیت ان کے قلب میں عطا کر دی تھی۔ حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ میں نے حدیثوں کو قلمبند کرانے کا ارادہ کیا تھا پھر مجھے ان قوموں کا خیال آیا جو تم سے پہلے گزری ہیں کہ انہوں نے کتابیں لکھیں اور ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اور

اللہ کی کتاب کو چھوڑ بیٹھیں اور قسم ہے اللہ کی کہ میں اللہ کی کتاب کو دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرنا نہیں چاہتا''

مقام حدیث ص 8,7 بحوالہ تدوین حدیث ص 394

حضرت عمر نے پہلے تو اصحاب سے فتویٰ مانگا لیکن اصحاب کے فتویٰ دینے کے بعد ایک ماہ تک احادیث لکھوانے کے نتیجہ پر غور وفکر کرتے رہے اور پھر ان پر چودہ طبق روشن ہوگئے کہ اگر پیغمبر کی تمام احادیث لوگوں تک پہنچ گئیں تو ان کا کیا بنے گا، لہذا ایک عذر لنگ گھڑ کر اپنا یہ حکم نافذ کردیا کہ قسم ہے اللہ کی کہ میں اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط نہیں کرنا چاہتا لیکن آئندہ کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صرف احادیث کو لکھنے سے روکنے کا ایک بہانہ تھا اور اس کے لئے انھوں نے اصحاب پیغمبر سے متفقہ فتویٰ بھی مسترد کردیا۔

بہر حال اس کے بعد پرویز صاحب لکھتے ہیں

''یہی نہیں کہ حضرت عمر نے فیصلہ کردیا کہ حدیث کو جمع اور مدون نہیں کرنا چاہئے بلکہ وہ ایک قدم آگے بڑھے، چنانچہ طبقات میں ہے

''حضرت عمر کے زمانے میں حدیثوں کی کثرت ہوگئی تو آپ نے لوگوں کو قسمیں دے دے کر حکم دیا کہ ان حدیثوں کو ان کے پاس پیش کریں، حسب الحکم لوگوں نے اپنے مجموعے حضرت عمر کے پاس پیش کردیئے تب آپ نے انھیں جلانے کا حکم دیا۔

طبقات ابن سعد جلد 5 ص 141

تدوین حدیث ص 399

مقام حدیث ص 8

اس سے ثابت ہوا کہ اصحاب پیغمبر نے اتنی روک ٹوک کے باوجود احادیث پیغمبر

کے اپنے اپنے مجموعہ ہائے تحریر کر لئے تھے۔ جب حضرت عمر کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے ان اصحاب کو قسمیں دے دے کر ان کے مجموعہ ہائے احادیث کو حاصل کیا اور ان سب کو لے کر آگ میں جلا دیا۔ اس کے بعد پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''یہ کچھ دارالخلافہ میں ہوا۔ اس کے بعد کیا ہوا اس کے متعلق حافظ ابن عبدالعزیز نے جامع بیان العلم میں یہ روایت نقل کی ہے:

''حضرت عمر ابن الخطاب نے پہلے تو یہ چاہا کہ حدیثوں کو قلمبند کرلیا جائے مگر پھر ان پر واضح ہوا کہ قلمبند کرنا ان کا مناسب نہ ہوگا تب الاحصار یعنی چھاؤنیوں اور دیگر اضلاعی شہروں میں یہ لکھ کر بھیجا کہ جس کے پاس حدیثوں کے سلسلے کی کوئی چیز ہو چاہئے کہ اسے محو کردے یعنی ضائع کردے۔

جامع بیان العلم جلد 1 ص 65

تدوین حدیث ص 400 مقام حدیث ص 8

اس کے بعد پرویز صاحب اگلے صفحہ پر مزید شدت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

مزید شدت

حضرت عمر نے اس بات میں اور بھی شدت سے کام لیا آپ لوگوں کو حدیثوں کی اشاعت سے سختی سے روکتے تھے قرعہ بن کعب روای ہیں کہ جب حضرت عمر نے ہم لوگوں کو عراق بھیجا تو ہمیں تاکید کردی کہ یاد رکھو کہ تم ایسے مقام پر جا رہے ہو جہاں کے لوگوں کی آوازیں قرآن پڑھنے میں شہد کی مکھیوں کی طرح گونجتی رہتی ہیں تم ان کو احادیث میں الجھا کر قرآن سے غافل نہ کر دینا'' مقام حدیث ص 10 بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ بھی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود، ابو درداء، اور ابو مسعود انصاری کو کثرت روایت کے جرم میں قید کر دیا تھا''

مقام حدیث بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذھبی

ان روایات کو اکثر سیرت نگاروں نے اپنی اپنی سیرت کی کتابوں میں نقل کیا ہے چنانچہ علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ

''علامہ ذہبی جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا اور حافظ ابن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر کے حالات میں لکھتے ہیں (علامہ شبلی نے عربی عبارت معہ ترجمہ لکھی ہے ہم صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں جو اس طرح ہے)۔

''یعنی حضرت عمر نے اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں تا کہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کو یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں قرعہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمر نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں، لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو۔ فرمایا کہ ہاں ۔لیکن اس کے ساتھ یہ بھی غرض ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھیوں کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسالینا ۔قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور میں تمہارے شریک ہوں ۔پس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا حدیث بیان کیجئے انہوں نے کہا کہ عمر نے ہم کو منع کیا ہے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر مجھ کو درے سے مارتے،

حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود، ابو درداء و ابو مسعود انصاری کو محبوس کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرت سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں"

الفاروق شبلی ص 521,520

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

ایک غیر جانبدار منصف یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ اتنے بزرگ صحابہ کو محض اس جرم میں کہ انہوں نے آنحضرت سے بہت زیادہ روایت کرنا اتنا بڑا جرم ہے۔ اگر وہ یہ کہتے کہ تم پیغمبر کی احادیث غلط اور جھوٹی نسبت دے کر روایت کرتے ہو تو کچھ بات تھی وہ اس بات کی تصدیق و تحقیق کرتے دوسرے اصحاب سے پوچھتے کہ کیا واقعی پیغمبرؐ نے ایسا فرمایا ہے اگر دوسرے اصحاب بھی اس کی تصدیق کرتے تو پیغمبر کی ان احادیث کو حرز جان بناتے اور اگر وہ احادیث جھوٹی ثابت ہوتیں تو وہ تو کچھ سزا دیتے یا نہ دیتے پیغمبر کی طرف نسبت دے کر جھوٹی روایت بیان والے کی سزا آخرت میں جہنم ہے۔ یہ خود پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ کا ارشاد ہے جسے پرویز صاحب نے بھی اپنی کتاب "مقام حدیث" میں نقل کیا ہے پس بغیر تحقیق و تفتیش کے قید کر دینا ان اصحاب پیغمبرؐ پر ظلم ہے اور آئندہ کے واقعات جسے ہم ابھی نقل کرنے والے ہیں اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ احادیث جو ان اصحاب پیغمبرؐ نے بیان کر دی تھیں وہ حضرت علیؑ کی خلافت و امامت و ولایت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلعم کی بیان فرمودہ تھیں اور ان احادیث کی اشاعت سے ان کے انقلاب پر زد پڑتی تھی لہذا حکومت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان احادیث کے بیان کرنے پر حضرت عمر نے ان بزرگ اصحاب پیغمبر کو قید کر دیا۔

احادیث کے لکھنے اور بیان کرنے کے بارے میں کھلا تضاد

اگر حضرت عمر مطلقاً احادیث کے خلاف ہوتے اور کسی بھی قسم کی کوئی بھی حدیث کبھی بھی بیان کرنے نہ دیتے نہ خود کبھی کسی قسم کی احادیث کی جستجو میں لگتے تو پھر یہ کہا جا سکتا تھا کہ چونکہ حضرت عمر قرآن کو کافی سمجھتے تھے لہذا انھوں نے مطلقاً احادیث کے لکھنے یا بیان کرنے پر پابندی لگا دی تھی لیکن ایسا نہیں ہے اور یہ بات علامہ شبلی کے اس بیان سے ثابت ہے جو انہوں نے الفاروق میں لکھا ہے جو ایک حقیقت اور امر واقع ہے اور جسے انھوں نے حضرت عمر کی طرف سے ''احادیث کا تفحص'' یعنی احادیث کی تلاش و جستجو کے عنوان کے تحت لکھا ہے جو ایک کھلا ہوا تضاد ہے اور وہ اس طرح ہے

احادیث کا تفحص

علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ:

''حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر نے کیا وہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ کے احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا، خود آنحضرت سے دریافت کر لیتا تھا اور یہ وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں حفظ نہ تھیں حضرت ابو بکر کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اور احادیث کے استقصاء کا راستہ نکلا، حضرت عمر کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت نومسلم اور نومسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ سے انھوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی

تا کہ یہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے مطابق طے کیے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمر مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

الفاروق شبلی ص 513

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

خامہ انگشت بدنداں ہے اس کیا کہیے؟ حضرت عمر اب تک تکبیر جنازہ یا غسل جنابت کس طرح کرتے رہے اور مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگانے کی کیوں ضرورت پیش آئی جب کہ وہ قرآن کو کافی سمجھتے تھے اور احادیث کو بیان کرنے سے روکتے رہے تھے۔

عقیدت کی بناء پر کسی کو چاہئے کتنا ہی آسمان پر چڑھا دیا جائے، لیکن پیغمبر کی رحلت کے وقت حضرت ابو بکر کے قرآن کی آیت پڑھنے پر حضرت عمر کا یہ کہنا کہ کیا یہ آیت بھی قرآن میں ہے، مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ یہ آیت بھی قرآن میں ہے اور احادیث کے بارے میں تکبیر جنازہ اور غسل جنابت جیسے معمولی معمولی مسائل سے بھی باخبر نہ ہونا کیا ثابت کرتا ہے۔ اس کے بیان کرنے سے قلم روک لینا ہی مناسب ہے۔

بہر حال اس کے بعد علامہ شبلی صاحب اپنی کتاب الفاروق میں ایک دوسرے عنوان ''احادیث کی اشاعت'' کے تحت اس طرح لکھتے ہیں

احادیث کی اشاعت

''چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع ومشتہر کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اس لئے اس کی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں''

نمبر 1: احادیث نبوی کو بالفاظھا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

نمبر 2: صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا''

الفاروق شبلی ص 513-514

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

اللہ اللہ کیا انقلاب ہے یا تو حدیثوں کے اتنے دشمن، اتنے مخالف کہ اصحاب کو قسمیں دے دے کر ان کے مجموعہ احادیث کو آگ میں جلا دیا گیا، اور احادیث کے بیان کرنے پر بزرگ اصحاب پیغمبر کو قید کر دیا گیا یا احادیث کی نشر و اشاعت کا اتنا اہتمام کہ احادیث کو نقل کرا کے حکام کے پاس بھیجتے تھے اور ان صحابہ کو جو فن حدیث کے ارکان تھے مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجتے تھے اس تضاد کا راز شبلی صاحب نے خود کھول دیا ہے جسے انھوں نے احادیث میں فرق مراتب کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے۔

''احادیث میں فرق مراتب''

''حدیث کے تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر نے جو کچھ کہا اگر چہ وہ خود مہتم بالشان کام تھا۔ لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصل کارنامہ ایک اور

چیز ہے، جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔لیکن حضرت عمر نے اس میں جو نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔سب سے پہلے انھوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتناء کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینہ مراد ہے۔لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اس بناء پر حضرت عمر نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق سے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں

الفاروق شبلی ص 516

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

اس کے بعد اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

''سب سے بڑا کام جو حضرت عمر نے اس فن کے متعلق کیا وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا'' الفاروق شبلی ص 517

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

ایک غیر جانبدار شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو گا کہ اگر حضرت عمر صحابہ سے احادیث لے کر نہ جلواتے اور کثرت سے احادیث بیان کرنے والوں کو درے نہ مارتے اور بزرگ صحابہ کو قید نہ کرتے، بلکہ ان کی بیان کردہ احادیث میں اسی طرح تحقیق و تنقید کرتے اور جرح و تعدیل سے کام لیتے اور اسی طرح تفحص و تفتیش کر کے جو صحیح احادیث ہوتیں ان کو قبول

کر لیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔لیکن انھوں نے بے قصور صحابہ کو درے لگائے اور بے جرم و خطا بزرگ اصحاب پیغمبر کو محض احادیث بیان کرنے پر قید کردیا اوران کی بیان کردہ احادیث پر جرح وتعدیل کے بعد جھوٹی ہونے کا بھی الزام نہ لگایا۔ان پر محض کثرت سے احادیث بیان کرنے کاہی جرم تھا یہی کام تو جب انہوں نے کیاتو ان کی بڑی فضیلت بن گیا۔لیکن صرف عبادات و معاملات اور اخلاقیات سے متعلق احادیث کے علاوہ دوسری قسم کی احادیث کی طرف اعتنا نہ کرتے یہ ثابت کرتا ہے وہ کہ احادیث جن کی نشر و اشاعت پر حضرت عمر اصحاب نے بزرگ صحابہ کوقید کردای وہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت وامامت وولایت اور فضائل کو بیان کرنے والی احادیث تھیں جنہیں علامہ شبلی نے بھی اور دوسرے عقیدت مندوں نے بھی نبوت ورسالت کا تجزیہ کرکے یہ قرار دیا کہ وہ منصب نبوت و رسالت کی حیثیت سے نہ تھیں بلکہ بشری حیثیت سے تھیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ جواشرف الانبیاء خاتم النبین اور افضل المرسلین تھے کی باتیں بالفرض بشری حیثیت سے ہی تھیں تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی ایجاد کردہ باتیں کس طرح قابل قبول ہوسکتی ہیں کیاوہ بشرنہیں تھے،یاوہ ایسی اتھارٹی تھے کہ پیغمبر کی باتیں تو مرنے کے بعد ایک سال بھی چلنے کے قابل نہ ہوں ،لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی باتیں قیامت تک کے لئے نافذالعمل ہونے کے قابل قرار پائیں۔

اب ایک اوردانشور کی بات سنئے ،طلعت محمود بٹالوی صاحب اپنی کتاب ''مظلوم قرآن''میں حضرت عمر کے حدیثوں سے منع کرنے کی وکالت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جس عمر نے حضرت ابوہریرہ کوحضور پرنور کی زندگی میں پیٹ ڈالا تھا اور جس نے رسول اکرم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ ''حسبنا کتاب اللہ''وہ اپنے عہد خلافت میں ابوہریرہ یاکسی اوبزرگ کوروایت احادیث کی اجازت کیسے دے سکتا

تھا''

مظلوم قرآن ص 171

طلعت محمود بٹالوی صاحب نے اپنی کتاب ''مظلوم قرآن'' میں ایک اور دوسری جگہ اس طرح لکھا ہے

''وہ قرآن کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے۔صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب رحلت سے پہلے حضور نے فرمایا کہ:

''ایتونی بکتاب وقرطاس اکتب لکن شیا لن تضلوا البعدی''

لاؤ قلم دوات اور کاغذ میں تمہیں ایک ایسی چیز لکھ کر دے جاؤں کہ میرے بعد تمہاری گمراہی کا کوئی امکان باقی نہ رہے'' تو حضرت عمر بن الخطاب جھٹ بول اٹھے ہمیں کسی مزید تحریر کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ''حسبنا کتاب اللہ'' ہمارے پاس کتاب الٰہی موجود ہے جس میں انسانی فلاح ونجات کے مکمل گر درج ہیں اور یہ کتاب ہمارے لئے کافی ہے حضرت عمر فاروق کا یہ جملہ رسالت پناہ کے حضور میں جسارت معلوم ہوتا ہے لیکن وہ مجبور تھے اس لئے کہ کچھ عرصہ پیشتر قرآن کی یہ آیت نازل ہو چکی تھی "**الیوم اکملت لکم دینکم**"

مظلوم قرآن ص 156 بحوالہ حدیث میں تحریف از غلام

لیکن جب ضرورت پیش آئی تو یہی حضرت عمر اصحاب کو جمع کر کے اپنے دور خلافت میں اصحاب سے پوچھ رہے ہیں کہ کسی نے اس مسئلہ میں آنحضرت سے کوئی حدیث سنی ہو تو بتاؤ اسے کہتے ہیں کہ بودی وکالت اور کمزور دفاع۔

بہر طلعت محمود بٹالوی صاحب ہوں یا غلام احمد پرویز صاحب یا حسبنا کتاب اللہ کی صفائی۔یا وکالت یا دفاع کرنے والے دوسرے دانشور وہ حضرت عمر کے ''حسبنا کتاب

اللہ'' کے بعد اپنے دور خلاف وملوکیت میں تخصص احادیث کا کوئی جواب نہیں دے سکتے ۔اگر کتاب کافی تھی تو احادیث کا تخصص کیوں ؟اور اگر احادیث کے بغیر چارہ نہیں تھا تو برسر اقتدار آتے ہی احادیث کے بیان کرنے سے منع کیوں کیا؟ اور جن اصحاب پیغمبر نے احادیث جمع کرلی تھیں ان سے لے کر کیوں جلایا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر کیوں لکھنے نہ دیا یہ بات سوائے اس کے نہیں ہے کہ حضرت عمر نے حالات اور پیغمبر اکرم صلعم کی زبانی باتوں سے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ پیغمبر کیا لکھنا چاہتے ہیں؟ یہ بات تو آنحضرت نے بھی فرمادی تھی کہ میں ایسی چیز لکھوں گا کہ تم اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے ۔اہل سنت کی حدیث کی معتبر کتابوں میں واضح طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ پیغمبر کیا لکھنا چاہتے تھے ہم اسے اگلے عنوان کے تحت پیش کرتے ہیں

پیغمبر کیا لکھنا چاہتے تھے؟

ہم اس بارے میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے کہ کسی نے کیا کہا اور کیا نہیں کہا درد کا غلبہ کہا، یا ہذیاں بک رہے ہیں کہا۔ہم اس بحث کو چھوڑتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ پیغمبر کیا لکھنا چاہتے تھے یہ بات تو خود پیغمبرؐ نے بتلادی تھی کہ وہ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں وہ ایسی چیز ہے کہ جس کے بعد امت کبھی گمراہ نہ ہو۔وہ بات کیا تھی اسے خود اہل سنت کے بزرگ علماء نے یوں بیان کیا ہے ۔ابن حجر اپنی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں **قول اکتب لکم کتاباً** کی شرح میں لکھتے ہیں

" **هو تعين الخليفة بعده** ''

یعنی آنحضرت کا مقصد یہ تھا کہ اپنے بعد کے خلیفہ و جانشین کا تعین سند کے طور پر تحریر کردیں۔ فتح الباری الجزء الثامن باب مرض النبیؐ ص 101

ایک دوسری جگہ اس طرح لکھتے ہیں

" اراد ہ ان ینص علی اسامی الخلفاء بعدہ حتی لا یقع بینھم الخلاف "

فتح الباری الجزءالاول ص 186

آنحضرت نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اپنے بعد آنے والے خلفاء کے نام تحریر کردیں تا کہ آپس میں اختلاف نہ ہو اور علامہ نو دی نے شرح مسلم میں اس طرح لکھا ہے

"قد اختلف العلماء فی الکتاب الذی ھم النبی فقیل اراد ان ینص علی الخلافۃ فی انسان معین لئلا یقع نزاع وفتن" شرح مسلم نو دی

علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آنحضرت کیا لکھنا چاہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ خلافت کے لئے ایک آدمی مقرر کردیں تا کہ تنازعہ اور فتنہ نہ ہو۔

چونکہ پیغمبر اکرم صلعم دعوت ذوالعشیرۃ سے لے کر اعلان غدیر تک اور اعلان غدیر سے بستر بیماری تک حضرت علی کی خلافت وامامت وولایت کا اعلان کرتے آرہے تھے اور یہ تک اعلان فرما چکے تھے میرے بعد بارہ جانشین ہوں گے جن کا پہلا علی اور آخری مہدی ہے اور ابھی بستر بیماری پر ہی حدیث ثقلین کے ذریعہ قرآن او رعترت واہل بیت سے تمسک کرنے کا اعلان کر چکے تھے کہ اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے اب تحریر کے بارے میں بھی یہی کہا کہ میں ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے لہذا حضرت عمر جیسا زیرک انسان بہت جلدی معاملہ کی تہہ تک پہنچ گیا اور انہوں نے یہ جان لیا کہ اگر یہ تحریر لکھی گئی تو اب تک کی تمام منصوبہ بندیاں خاک میں مل جائیں گی ورنہ اگر ان کے نزدیک کتاب اللہ کافی ہوتی تو اصحاب کو جمع کر کے مسائل کے حل کے لئے احادیث کا تفحص نہ کرتے لہذا انھوں نے نہ صرف یہ کہا کہ کتاب اللہ ہمیں کافی ہے بلکہ پیغمبرؐ کے بارے میں ایک ایسا لفظ بھی استعمال کیا کہ اگر پیغمبرؐ ان کی رکاوٹ کے باوجود لکھ ہی دیں تو وہ

ان کے منصوبے میں رکاوٹ نہ بنے اور وہ کہہ دیں کہ پیغمبرؐ نے یہ تحریر ہذیانی کیفیت میں لکھی ہے یا درد کے غلبہ اور شدت کی حالت میں لکھی ہے اور یہی وہ الفاظ ہیں جو مختلف روایات میں ان سے منقول ہوئے ہیں اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث پیغمبرؐ کو بیان کرنے سے روکنے اور احادیث پیغمبرؐ کو جلوانے اور بزرگ اصحاب کو قید سبب بھی یہی تھا۔

عبداللہ بن مسعود کو قید کرنے کا اصل سبب

حدیث و تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بالاتفاق یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود کو کثرت سے احادیث بیان کرنے پر قید کر دیا۔ جسے طلوع اسلام والوں نے ''مزید شدت'' کے عنوان کے تحت لکھا اپنی کتاب مقام حدیث کے صفحہ نمبر 9 پر بیان کیا ہے حالانکہ احادیث پیغمبر کا بیان کرنا کوئی جرم نہیں ہے مگر جب ہم اہل سنت کے مشہور و معروف مفسرین کی تفسیریں پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل سبب حضرت علی کی خلافت و امامت و ولایت کی احادیث کو بیان کرنا ہی تھا ان بزرگ مفسرین اہل سنت کی بیان کردہ ایک تفسیر اس طرح ہے۔

'اخرج ابن مردویہ عن بن مسعود قال کنا نقرء علیٰ عھدرسول اللہ یا ایھاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولیٰ المومنین و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ و اللہ یعصمک من الناس '

جلال الدین سیوطی کتاب الدرالمنثور

الجزالثانی صفحہ نمبر 298

حلیۃ الاولیا فخر الدین رازی تفسیر کبیر

ابن مردویہ کتاب المناقب

مرزا محمد بن معتمد خاں 'مفتاح النجات'

''ابن مردویہ نے اپنے استاد سے ابن مسعود سے روایت کی ہے ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں اس آیت کو اس طرح پڑھتے کرتے تھے۔

''اے رسول جو کچھ تمہارے پاس پیغام علیؑ کی بابت تمہارے خدا کی طرف سے پہنچا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو، کہ علی مومنین کا مولا ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خدا کی رسالت ہی ادا نہ کی، اور خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا''

اس تفسیر میں ان علیاً مولیٰ المومنین خدا کی بیان کردہ توضیح و تفسیر ہے'' ما انزل الیک من ربک ' کی جو ان علیاً بیانہ کے مطابق ہے۔

اہل سنت کے ان بزرگ مفسرین کی اس تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ ابن مسعود کو کیا بیان کرنے پر قید کیا گیا اور یہی ۔۔۔ تھا احادیث پیغمبر گو بیان کرنے سے منع کرنے کا اور یہی مقصد تھا احادیث کو جلانے کا۔

کیا قرآن کے علاوہ پیغمبر گو کوئی وحی نہیں ہوتی؟

احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے انحراف کرنے والے بہت سے لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ خدا نے قرآن کے سوا پیغمبر گو اور کوئی وحی نہیں کی یا جو کچھ وحی ہے وہ تمام قرآن میں ہے، قرآن سے باہر کوئی وحی نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انبیاء و رسل اور تمام ہادیان دین بشر تھے لہذا خدا نے ان لوگوں کو جو انبیاء و رسل میں سے کسی کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کے قائل ہو گئے ان کے بشری تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے اس طرح جواب دیا ہے کہ

" ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسول و امه صدیقه کانا یا کلان الطعام انظر کیف نبین لهم الآیات ثم انظر انیٰ یوفکون "

المائدہ-75

مریم کے بیٹے مسیح تو بس ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزرے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ تھی اور یہ دونوں (عیسیٰ اور مریم آدمیوں کی طرح) ہی کھانا کھاتے تھے، اے رسول غور کرو کہ ہم اپنے احکام ان سے کیسا صاف صاف بیان کرتے ہیں پھر دیکھو تو سہی کہ اس پر بھی یہ لوگ کہاں بھٹکے چلے جارہے ہیں

اس آیت میں جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ دونوں آدمیوں کی طرح کھانا کھاتے تھے وہاں اس میں یہ مطلب بھی پوشیدہ ہے کہ انھیں بھی کھانا کھانے کے بعد دوسرے آدمیوں کی طرح رفع حاجت کی ضرورت ہوتی تھی اور جو اس قسم کی احتیاج رکھتا ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔

کفار قریش بھی انبیاء ورسول کے بارے میں یہی نظریہ رکھتے تھے کہ جو خدا کا رسول ہوتا ہے اسے نہ تو کھانے کی حاجت ہونی چاہئے نہ اسے بازاروں میں چلنا پھرنا چاہئے چنانچہ خدا نے خود ان کے قول کو اسطرح سے نقل کیا ہے کہ

" قالو امالهذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق " الفرقان -7

کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے

اس سارے بیان سے ثابت ہوا کہ بلاشک انبیاء ورسل کے کچھ بشری تقاضے ہوتے ہیں جس کا ذکر خدا نے مثال کے طور پر اوپر کی آیات میں کردیا ہے مثلاً کھانا پینا، رفع حاجت کرنا ،بازاروں میں چلنا پھرنا اور دوسرے معاشرتی امور انجام دینا۔

یہ امور اگرچہ اس لحاظ سے وحی نہیں ہوتے کہ خدا ہر بشری احتیاج کے لئے وحی کرتا کہ اب تم کھانا کھاؤ اب تم رفع حاجت کرو اب تم سودا لینے لئے بازار جاؤ اب تم فلاں معاشرتی کام انجام دو۔لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ "انک لعلی خلق عظیم" بیشک تم خلق عظیم پر

فائز ہو۔لہذا حتماً خلق عظیم کے جو تقاضے ہیں وہ خدا نے تربیتی وحی کے ذریعہ آنحضرت کو تعلیم فرمائے تھے پس یقیناً خدا جس کو خلق عظیم پر فائز ہونے کی سند دے وہ کوئی ایسی بات نہیں کرسکتا جو خلق عظیم کے خلاف ہو اور کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو خلق عظیم کے مطابق نہ ہو لہذا پیغمبرؐ جو کچھ کہتے تھے یا جو کچھ عمل کرتے تھے اس کے لئے یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبرؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہے وہ وحی کے مطابق کہتا ہے اور جو عمل بھی وہ کرتا ہے وہ بھی وحی کے مطابق کرتا ہے اور احادیث پیغمبرؐ سے انحراف کرنے والوں نے ایسے ہی بشری تقاضوں کو مثال میں پیش کیا ہے مثلاً طلعت محمود بٹالوی صاحب نے اپنی کتاب ''مظلوم قرآن'' میں رسالہ ادارہ تبلیغ القرآن سے خواجہ ازہر عباس صاحب کے ایک مضمون کا اقتباس شائع کیا ہے وہ اس میں لکھتے ہیں کہ

''صحیح صورت حال یہی ہے کہ حضور کے بشری اقوال ہوتے تھے آپ بشر صاحب وحی تھے (41/6-18/11) نیز یہ کہ آپ بشر رسول تھے (17/9) یعنی آپ بشیر بھی تھے اور رسول بھی تھے۔اس لئے آپ کے بشری اقوال وحی نہیں تھے مثلاً آپ فرماتے تھے کہ آج موسم بہت گرم ہے، میں آج بازار نہیں جاؤں گا یا آپ فرماتے کہ میں آج دوپہر کا وقت مسجد میں گزاروں گا وغیرہ اقوال وحی الٰہی نہیں تھے۔یہ حضور کے بشری اقوال تھے اور ان کو وحی قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ وحی کی اہمیت اس کی عظمت اور اس کے شرف کا صحیح اندازہ نہیں کیا''

مظلوم قرآن از طلعت محمود بٹالوی ص 145

اقتباس مضمون خواجہ ازہر عباس از رسالہ ادارہ تبلیغ القرآن

آپ نے ازہر عباس صاحب کی مثال ملاحظہ کرلی یہ وہی چیز ہے جسے ہم نے بشری تقاضوں کی احتیاج سے تعبیر کیا ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ اقیمو الصلوۃ و آتوالزکوۃ۔نماز قائم کرو اور زکوۃ دو قرآن میں یہ نہیں ہے کہ نماز کس طرح پڑھو اور کون کون سی چیزوں میں

سے کتنے نصاب میں سے کتنی زکوہ دو ، اب پیغمبرؐ نے اوقات نماز بتلائے نماز کی رکعتیں بتلائی ان رکعتوں میں کیا پڑھنا چاہیے یہ بتلایا۔ زکوۃ کا نصاب بتلایا۔ کتنے غلے میں سے کتنی زکوۃ نکالو کتنے سونے چاندی میں سے کتنی زکوۃ نکالو یہ قرآن میں نہیں ہے۔ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہاس میں ہر چیز کا بیان ہے" ونزلنا الیک الکتاب تبیاناً لکل شئي وھدی و رحمته و بشری للمسلمین"

(النحل۔89)

اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی اس میں ہر چیز کا بیان ہے لہذا اقیموا الصلواۃ کی قرآنی وحی کے

ساتھ جب قرآن کی کی دوسری آیت کو ملا کر پڑھا جائے گا کہ" ثم ان علینا بیانه "یعنی قرآن پڑھانے کے بعد اور تیرے سینہ میں جمع کرنے کے بعد اس کی وضاحت اس کی تشریح وتفسیر بیان کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ پس پیغمبر نے قرآن لکھوادیا اور اس کی وضاحت اور تشریح وتفسیر کے بیان میں جو وحی آئی تھی اسے علیحدہ سے سمجھا دیا۔ قرآن بھی وحی کے ذریعے ہی آیا اور وضاحت بھی وحی کے ذریعے ہی آئی لہذا پیغمبرؐ نے فرمایا صلوا کما اصلی جس طرح سے میں نماز پڑھتا ہوں تم بھی اسی طرح سے نماز پڑھو۔ نماز کے اوقات کا بتلایا۔ یہ نماز کی رکعتیں اور نماز میں کیا پڑھنا ہے ان باتوں کو بشری تقاضے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح قرآن میں حکم آیا کہ

قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیل دیناً قیماً ملتة ابراھیم حنیفاً وماکان من المشرکین (الانعام۔163)

اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھی راہ یعنی ایک مضبوط دین ابراہیمؑ کے مذہب کی ہدایت کردی ہے جو باطل سے کترا کے چلنے والے تھے اور مشرکین

میں سے نہ تھے"

اب ملت ابراہیم میں کیا کیا چیزیں حلال تھیں اور کیا کیا چیزیں حرام تھیں اور ملت ابراہیم میں کن کن افعال کے بجالانے کا حکم تھا یہ قرآن میں نازل نہ فرمایا چونکہ ملت ابراہیم میں جن باتوں پر عمل ہوتا تھا اول تو پیغمبرؐ اعلان رسالت سے پہلے خود بھی اور ان کا خاندان بھی اس ملت پر عمل پیرا تھا، دوسرے خدا نے بذریعہ وحی علیحدہ سے وضاحت کردی اور پیغمبر نے اسے مسلمانوں کے سامنے بیان کردیا لیکن یہ قرآن میں نہیں مثلاً ملت ابراہیمی میں ختنہ کیا جاتا تھا قرآن میں ختنہ کا قطعی ذکر نہیں ہے یہ خدا نے ملت ابراہیمی کی وضاحت کے ذیل میں پیغمبرؐ سے بیان کیا اور اگر علیحدہ سے اب بذریعہ وحی نازل نہ ہوا تو تب ملت ابراہیم کے ضمن میں بیان ہوگیا۔ لہذا ملت ابراہیم پر عمل کے لئے یہی کہا جائیگا کہ اس کے لئے خدا نے وحی کی ہے قرآن کریم میں سورہ الانعام سے لے حضرت عیسیٰؑ تک معروف انبیا کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے۔

" اولئک الذین ھدیٰ اللہ فبھداھم اقتدہ (الانعام ۔91)

یہ (اگلے انبیاء جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) وہ لوگ تھے جن کو خدا نے ہدایت کی تھی پس تم بھی ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔

اب ان مذکورہ انبیاء کو کیا ہدایت کی گئی تھی یہ قرآن میں واضح طور پر بیان نہیں ہوئی کہ کس ہدایت کی پیروی کرو۔ یہ خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو (ثم ان علینا بیانہ) کے مطابق وحی کے ذریعہ ہی بتلائی۔ بیشک موجودہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ قرآن ہے اور پیغمبرؐ کو جو بذریعہ وحی سمجھایا وہ بیان ہے اور وضاحت اور تشریح و تفسیر ہے"

خداوند ایک اور آیت میں فرماتا ہے

ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب و اخر

متشابهات فا ما الذين في قلوبهم زيغ يتبعون ما تشا به منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله و ما يعلم تاويله الا الله . والراسخون في العلم يقولون آمنا به كل من عنده ربنا يا يذكر الا اولوالباب آل عمران ۔7

اے رسول وہ خدا ہی جس نے تم پر کتاب نازل کی ۔اس میں بعض آیتیں تو محکم (بہت صریح)ہیں (وہی عمل کرنے کے لئے)اصل (اور ۔۔۔) کتاب ہیں اور کچھ آیتیں متشابہ (جس کے معنی میں سے پہلو نکل سکتے) ہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ انہیں آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تا کہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں ۔حالانکہ خدا کے سوا ان کا اصل مطلب کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب کچھ (محکم و یا متشابہ تنزیل و یا تاویل)ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے

اب وہ آیات جن کے بارے میں خدا یہ کہتا ہے کہ " وما يعلم تاويله الا الله "

یعنی ان کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تو خدا نے ان کی تاویل اپنے پیغمبر کو بتلائی یا نہیں اور پیغمبرؐ نے وہ تاویل دوسروں کو سکھائی یا نہیں اگر خدا نے ان کی تاویل اپنے پیغمبر کو نہیں بتلائی تو قرآن کا اتنا حصہ بے فائدہ ہوگیا اور ایسی بے فائدہ بات کے نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی ۔پس ماننا پڑے گا کہ خدا نے قرآن میں کوئی بات بے فائدہ نازل نہیں فرمائی بلکہ خدا نے جو اصل قرآن نازل کیا وہ تو یہی ہے لیکن اس کے متشابہات کی تاویل، مشکلات کا حل، مجملات کی تفصیل، استعاروں کی توضیح اور کنایوں کی تشریح اور آیات کی تفسیر بھی خدا نے ہی اپنے حبیب کو بذریعہ وحی تعلیم فرمائی اور آپ نے وہ بھی امت کو پہنچائی اور

بہت سے اصحاب نے اس بیان کو اس وضاحت کو اس تشریح کو اور اس تفسیر کو بھی قرآن میں لکھ لیا جسے غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب (مقام حدیث) میں اختلاف قرآن کے مفہوم کے عنوان کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور جسے ہم بھی سابقہ اوراق میں نقل کیا ہے۔

ہر بات کو عجم کی سازش کہہ کر دامن نہیں چھڑایا جا سکتا اور یہ ماننا پڑے گا کہ خدا نے قرآن کے نزول کے وقت جہاں اس کے جمع کرنے اور پڑھانے کا وعدہ کیا تھا وہاں خدا نے پیغمبرؐ سے اس کے متشابہات کی تاویل، مشکلات کے حل، مجملات کی توضیح وتشریح وتفسیر بیان کرنے کا بھی وعدہ کیا تھا۔(ثم ان علینا بیانہ)یعنی قرآن کو تیرے سینہ میں جمع کرنے اور تجھے پڑھانے کے بعد اس کے متشابہات کی تاویل مشکلات کا حل اور مجملات کی توضیح وتشریح وتفسیر وتفصیل کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے اور یہ سب کچھ خدا نے وحی کے ذریعہ ہی سمجھایا اور آنحضرت نے اصحاب کے سامنے بیان کیا جو ان اصحاب نے جن کے سامنے وہ تفصیل وتشریح وتفسیر بیان ہوتی تھی اپنے جمع کردہ قرآنی نسخوں میں ان آیات کے ساتھ لکھ تھا اسے عجم کی سازش قرار دے کر جھٹلایا نہیں جا سکتا۔حضرت عثمان نے اپنے زمانہ میں تمام قرآنوں سے اختلاف قرأت کو محو کرنے کے بعد باقی رکھ کر باقی کو جلا دینے کا جو حکم دیا تھا وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور بغیر توضیح وتشریح وتفصیل وتفسیر کے باقی اصل قرآنوں کو لوگوں میں تشہیر کرانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ صرف اصل قرآن لوگوں کے ہاتھ میں رہے اور اس کے متشابہات کی تاویل مشکلات کے حل اور مجملات کی توضیح وتشریح وتفصیل وتفسیر سے لوگ آگاہ نہ ہوسکیں اور پھر جس کا جس طرح سے دل چاہے معنی ومفہوم نکالتا رہے اور اس کی من مانی توضیح وتشریح وتفسیر کرتا رہے۔چنانچہ آج مترجم قرآنوں میں ہر کسی نے ترجمہ کے ساتھ بریکٹ میں اپنی وضاحت بیان کی ہے اور حاشیوں میں اپنی مرضی سے تفاسیر کی ہیں

اور وہ قرآن جسے اختلاف قرأت کا بہانہ کر کے جلا دیا گیا تھا اس سے زیادہ تاویلوں، تشریحوں، وضاحتوں اور تفسیروں کے ساتھ بیس بیس بتیس بتیس جلدوں میں شائع ہو رہا ہے لیکن ان تفسیروں میں خدا کی وحی کی بجائے اپنی مرضی اپنی پسند اپنی رائے اپنا نظریہ اپنی فکر اور اپنے عقیدہ کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

ان لوگوں کی طرف سے وحی کے بارے میں جو گھپلا ڈالا جا رہا ہے کہ وحی صرف وہ ہے جو قرآن میں ہے باہر کوئی وحی نہیں ہے انہیں نہ تو انبیاء و رسل اور ہادیان دین کی حیثیت کا کوئی علم ہے اور نہ ہی انہیں اصطفاء اور اجتبا کا مطلب معلوم ہے جس پر تمام انبیاء و رسول اور ہادیان دین فائز تھے اور ہمارے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے نام کا تو لاحقہ ہی یہی ہے یعنی جب آپ کا نام نامی اور اسم گرامی لیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے محمد مصطفےٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ بیشک وہ وحی جو لوگوں کو پہنچانے کے لئے قرآن کی صورت میں نازل ہوئی وہ ساری قرآن میں ہے اور وہ قرآن سے باہر نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی ہی نہیں ہوتی حتیٰ کہ قرآنی متشابہ آیات کی تاویل، مشکلات کا حل اور مجملات کی تشریح و توضیح و تفصیل و تفسیر کے بیان کی وحی بھی پیغمبر کو نہیں ہوئی یقیناً قرآن وہ وحی ہے جو امت کے لئے ضابطہ حیات ہے اور امت کو پہنچانے کے لئے ہے ۔لیکن وہ وحی جو انبیاء و رسول اور ہادیان دین کی ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اجن کے اصطفےٰ اور اجتبےٰ کا اقتضاء ہے وہ ہر صورت قرآن نہیں ہوتی اور اس کی تفصیل جاننے کے لئے اس کتاب میں اصطفےٰ اور اجتبےٰ کا معنی و مفہوم پر مشتمل مضمون کا مطالعہ کریں اس سلسلے میں کچھ اشارہ اس سے اگلے عنوان کے تحت کیا جاتا ہے۔

خدا جس کا اصطفاء کرتا ہے اس میں وحی سننے اور سمجھنے کی

استعداد ہوتی ہےاور خدا اسےوحی کرتا ہے چاہےوہ نبی نہ ہو

ہم اصطفےٰ کے معنی کی تحقیق اپنی دوسری کتابوں میں بھی اوراس کتاب میں بھی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ خدا جس کے لئے اصطفےٰ کالفظ استعمال کرتا ہے اسے خلقی اور پیدائشی طور پران آلائشوں سے پاک پیدا کرتا ہے جودوسرےلوگوں میں پائی جاتی ہیں اوروہ اسے وحی کو سننے اور سمجھنے کی قابلیت ،صلاحیت اوراستعداد بھی عطا کرتا ہےاوراس سے وحی کے ذریعہ کلام بھی کرتا ہے ۔چنانچہ حضرت مریمؑ کے اصطفےٰ کابیان ہم مختصر طور پرسابق میں بھی بیان کرآئے ہیں مگر یہاں پر ذرا کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم نہ تو نبی تھیں نہ ہی وہ رسول تھیں اور نہ وہ وہ خدا کی مقررہ کردہ امام تھیں ۔لیکن ان کے اصطفےٰ کاقرآن نے اس طرح بیان کیا ہے

" واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک و طھرک و اصطفاک علی نساء العالمین ، یمریم اقنتی لربک و اسجدی و ارکعی مع الراکعین "

(آل عمران42-43)

اور جب فرشتوں نے مریم سے یہ کہا کہ اے مریمؑ تم کوخدا نے برگزیدہ کیا ہے(تمہارا اس نے اصطفاء کیا ہے)اورتمام (گناہوں اور برائیوں سے) پاک صاف رکھا ہےاور سارے دنیا جہاں کی عورتوں میں سےتم کومنتخب کیا ہے(تمہارا اصطفےٰ کیا ہے)تو اے مریم تم اپنے پروردگاری کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ۔

ان آیات میں صاف بیان ہوا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم سے یہ کہا ۔بیشک

اللہ نے تجھے مصطفیٰ بنایا ہے اور تجھے پاک وپاکیزہ اور معصوم پیدا کیا ہے اور ساری دنیا کی عورتوں میں سے تیرا اصطفٰے کیا ہے اور پھر حضرت مریم کو خدا ایک حکم بھی سنایا ہے یہ جو خدا نے فرشتوں کے ذریعہ حضرت مریمؑ کو ان کے اصطفٰے کی خبر دی ہے اور اپنا ایک حکم خاص بھی ان کو پہنچایا ہے اسی کو تو وحی کہتے ہیں ۔حالانکہ حضرت مریم مسلمہ طور پر نہ تو نبی تھیں نہ رسول تھیں نہ خدا کی مقرر کردہ امام تھیں اس سے ثابت ہو کہ وحی کا تعلق اس کے مصطفیٰ بندوں سے ہوتا ہے اور یہ خدا کا حکم لوگوں تک پہنچانے کے لئے ہی نہیں ہوتی بلکہ وحی کا تعلق اس کے مصطفیٰ بندے کی ذات سے بھی ہوتا ہے یعنی یہ وحی اس کی ذاتی آگاہی خود اس تربیت اور حقائق وواقعات سے مطلع کرنے کے لئے بھی ہوتی ہے تشریعی نہیں ہوتی لہذا خدا جن کا اصطفٰے کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ وحی کو سننے وحی کو اخذ کرنے اور وحی کو سمجھنے کی قابلیت وصلاحیت واستعداد رکھتا ہے اور اس کے بعد پھر ارشاد ہوتا ہے:

" اذ قالت الملائکۃ یامریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم وجیھا فی الدینا والآخرۃ و من المقربین " (آل عمران-45)

اور جب ملائکہ نے مریمؑ سے کہا اے مریم خدا تم کو (صرف اپنے حکم سے) ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام عیسیٰ مسیح ابن مریم ہوگا اور دنیا وآخرت دونوں جہان میں باعزت اور آبرومند اور خدا کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔

اس کے بعد فرماتا ہے

" قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر قال کذالک اللہ یخلق یا یشاء اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون " آل عمران-47

(یہ سنکر) حضرت مریم نے کہا پروردگار میرے لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا

تک نہیں ، ارشاد ہوا اسی طرح سے خدا جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو بس اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور سورہ مریم میں اس طرح سے ارشاد ہوا

" واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاً ، فاتخذت من دونھم حجابا ، فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشراً سویا . قالت انی اعوذ بالرحمٰن منک ان کنت تقیاً . قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاماً ذکیاً قالب انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذالک قال ربک ھو اعلی ھین ولنجعله آیة للناس و رحمة منا و کان امراً تقضیاً (مریم 16 تا 21)

اور اے رسول قرآن میں مریم کا بھی تذکرہ کرو کہ جب وہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق والے مکان میں جا بیٹھیں ۔اور دوسروں کی طرف سے ایک پردہ بنالیا تو ہم نے اپنی روح (جبرئیل) کو ان کے پاس بھیجا، تو وہ ایک اچھے خاصے آدمی کی صورت بن کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا وہ اس کو دیکھ کر گھبرائیں اور کہنے لگیں اگر تو پرہیز گار ہے تو میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں (میرے پاس سے ہٹ جا) جبرئیل نے کہا میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا رسول ہوں تا کہ تم کو پاک و پاکیزہ لڑکا عطا کروں ۔مریم نے کہا مجھے لڑکا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک نہیں ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں جبرئیل نے کہا تم نے کہا تو ٹھیک ہے بات یونہی ہے مگر تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ بات (یعنی بغیر بات کے لڑکے کا پیدا کرنا) میرے لئے آسان ہے تا کہ ہم اس کو پیدا کر کے لوگوں کے واسطے اپنی قدرت کی نشانی قرار دیں اور اپنی خاص رحمت کا ذریعہ بنائیں اور یہ بات فیصل شدہ ہے۔

اب سارے مسلمان دانشور غور کریں کہ کیا وحی اس کے علاوہ اور طرح ہوتی ہے اور کیا اس اس سے بڑھ کر بھی کسی بات کو وحی کہا جا سکتا ہے یہ وحی دل میں ڈالنے والی۔ یا خواب میں دکھائی دینے والی یا پردے کے پیچھے سے بیان ہونے والی وحی نہیں تھی بلکہ خدا کے بھیجے ہوئے بزرگ فرشتے جبرئیل آئے ہوئے ہیں۔ مریم کو خدا کا پیغام پہنچا رہے ہیں حالانکہ حضرت مریم نہ نبی تھیں نہ رسول تھیں اور نہ ہی امام تھیں۔ لیکن خدا نے ان کا اصطفےٰ کیا تھا وہ خدا کی مصطفےٰ بندی تھیں اور خدا اپنے مصطفےٰ بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے ان کو وحی کرتا ہے خواہ وہ نبی نہ ہوں رسول نہ ہوں اور امام بھی نہ ہوں۔

خدا نے حضرت موسیٰ کی والدہ کو بھی وحی کی تھی اور بالفاظ واضح کیا تھا کہ "واوحینا الی ام موسیٰ" لیکن پرویز صاحب نے اپنی کتاب (تصوف کی حقیقت) میں اس وحی یا حکم کے بارے میں یہ کہا کہ "یہ کسی نبی کی وساطت سے بھیجا گیا ہوگا" لیکن 'ہوگا' میں تو یقین کی کوئی بات نہیں ہوتی یا تو وہ بتلائے کہ اس وقت کونسا نبی تھا جس کو خدا نے وحی کی کہ تم ام موسیٰ کو یہ حکم پہنچا دو، جب کوئی اصل اور حقیقت ہی نہ تو "ہوگا" کے ذریعہ سے کلام چلایا گیا اور اسی طرح سے خدا نے پیغمبر گرامی اسلام کی والدہ گرامی کو بھی فرشتے کے ذریعے ہی اس امت کے نبی کا حمل ہونے کی بشارت دی تھی جسے ہم اپنی کتاب "عظمت ناموس رسالت" میں بیان کیا ہے۔ لیکن پرویز صاحب اور طلوع اسلام والے اور تمام حسبنا کتاب اللہ پر زور دینے والے اپنے اس عقیدے پر زور دیتے ہیں کہ نبی کے سوا اور کسی کو وحی نہیں ہوتی اور پیغمبر اکرم صلعم کو بھی جو وحی ہوئی وہ صرف قرآنی وحی ہے، قرآن کے سوا اور کوئی وحی نہیں ہے پیغمبر کی کل وحی قرآن میں ہے اور قرآن سے باہر کوئی وحی نہیں ہے یہ عقیدہ احادیث پیغمبرؐ کو بشری اقوال قرار دینے کے اور حسبنا کتاب اللہ کی تائید میں اختیار کیا گیا ہے۔

مگر حضرت مریم کے بارے میں قرآن بالفاظ واضح کہہ رہا ہے کہ خدا نے مریم

کے پاس جبرئیل کو بھی بھیجا اور دوسرے ملائکہ نے بھی خدا کی طرف سے حضرت مریم سے کلام کیا اور حضرت مریم نے بھی جواب تو ملائکہ کو دیا لیکن مخاطب خدا کیا گیا ''قالت یا رب'' جواب فرشتوں کو دے رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں اے میرے پروردگار۔

کیا وحی کی اس سے بھی بڑھ کر اور کوئی واضح اور جلی صورت ہو سکتی ہے کہ جبرئیل امین خدا کا پیغام لے کر آئے ہوئے ہیں۔خدا کی طرف سے پیغام دے رہے ہیں اور مریم خدا سے ہمکلام ہیں اور اس بات کی گواہی خود خدا دے رہا ہے اور قرآن جیسی سچی اور مقدس کتاب میں اسے سند کے طور پر نازل کر رہا ہے۔ حالانکہ حضرت مریم نہ نبی تھیں نہ رسول تھیں نہ امام تھیں اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ خدا نے ان کا اصطفےٰ کیا تھا اور اصطفےٰ کا معنی و مفہوم ہم لغت سے سابق میں لکھ آئے ہیں کہ اصطفےٰ خدا کا کسی کو خلقی اور پیدائشی طور پر ان کثافتوں سے پاک وصاف پیدا کرنا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور خدا کے مصطفےٰ بندوں میں وحی کو سننے، وحی کو اخذ کرنے اور وحی کو سمجھنے کی قابلیت وصلاحیت واستعداد ہوتی ہے۔پس غلام احمد پرویز صاحب کا اور طلوع اسلام والوں کا اور تمام حسبنا کتاب اللہ پر زور دینے والوں کا یہ عقیدہ اور نظریہ غلط ثابت ہوگیا کہ وحی صرف انبیاء کو ہوتی ہے نبی کے سوا اور کسی کو وحی نہیں ہوتی اور پیغمبرؐ پر بھی صرف قرآن کی وحی ہوئی ہے قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں ہوئی لہذا پیغمبرؐ کو ہونے والی تمام وحی صرف قرآن کے اندر ہے قرآن سے باہر کوئی وحی نہیں ہے۔

اور اجتبا کا مرحلہ تو بعد میں آتا ہے یعنی خدا اجتبا صرف ان کا کرتا ہے جو پہلے سے مصطفےٰ ہوتے ہیں اور یہ صرف انبیاء ورسل اور تمام ہادیان دین کے ساتھ مخصوص ہے یعنی خدا جن کو ہادی بناتا ہے ان کا اجتبےٰ کرتا ہے اور ان کو مجتبےٰ بناتا ہے اور قرآن میں انبیاء و رسول کی عصمت کے لئے بھی ان دو الفاظ یعنی اصطفےٰ اور اجتبےٰ کے علاوہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں

ہے جن سے ان کی عصمت کو ثابت کیا جا سکے۔

پس ابتک کے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ خدا جن کا اصطفےٰ کرتا ہے اس میں وحی کے سننے، وحی کو اخذ کرنے اور وحی کو سمجھنے کی قابلیت وصلاحیت واستعداد ہوتی ہے اور خدا اسے وحی کرتا ہے چاہے وہ نبی نہ ہو لیکن یہ وحی اس کی تربیت اس کی ذاتی آگاہی اور واقعات وحقائق سے مطلع ہونے کے لئے ہوتی ہے، تشریعی نہیں ہوتی۔

البتہ خدا جس سے اپنے احکام کے پہنچانے کا کام لیتا ہے یا ان کو ہادی بنا کر ان سے لوگوں کو ہدایت کرنے کا کام لیتا ان کو اصطفےٰ کے بعد انکا اجتبےٰ بھی کرتا ہے اور خدا کے یہ مجتبا بندے وہ ہوتے ہیں جنہیں اس نے اپنے پہنچائے ہوئے احکام کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت کرنے کے لئے معمور کیا ہوتا ہے تفصیل کے لئے اسی کتاھب کے سابقہ اوراق ملاحظہ ہوں

ابوزہرہ مصری کے نزدیک اصل حقیقت کے اعتبار سے اسلامی فرقوں کی تقسیم

ابوزہرہ مصری کے اپنی کتاب 'اسلامی مذاہب 'میں اصل حقیقت کے اعتبار سے اسلامی فرقوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

نمبر 1: اعتقادی فرقے نمبر 2: سیاسی فرقے

ابوزہرہ مصری نے اصل حقیقت کے اعتبار سے اسلامی فرقوں کی اعتقادی فرقوں اور سیاسی فرقوں میں جو تقسیم کی ہے وہ بالکل درست ہے لیکن ابوزہرہ مصری نے جن اعتقادی فرقوں کا ذکر کیا ہے وہ بہت بعد میں پیدا ہوئے جب فلسفہ یونان کی کتابوں کے ترجمے کرائے گئے اور ان کی تعلیم کا رواج عام ہوا تو فلسفہ کی تعلیم کی وجہ سے نئے اعتقادی فرقے

ظہور میں آئے اور خود ان کی تحریر کے مطابق یہ کام بنی عباس کے دور میں ہوا۔اس طرح جن سیاسی فرقوں کا ذکر انھوں نے کیا وہ ان کے قول کے مطابق بھی حضرت عثمان کے آخری دور میں ہوا۔لیکن حقیقتاً ان سیاسی فرقوں کا ظہور حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں اور ان کے بعد ہوا ہے انہوں نے اعتقادی فرقوں اور سیاسی فرقوں کی تقسیم تو ٹھیک کی ہے لیکن وہ اتنی دور جا کر پیدا نہیں ہوئے جتنی دور جا کر ابو زہرہ مصری نے ان کی پیدائش کا حال لکھا ہے بلکہ مسلمانوں کا سب سے پہلا اعتقادی فرقہ بھی اور مسلمانوں کا سب سے پہلا سیاسی فرقہ بھی پیغمبر اکرم صلعم کی وفات کے ساتھ ہی معرض وجود میں آ گیا تھا جن کا حال اس طرح ہے۔

اسلام کا سب سے پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ

مسلمانوں کا سب سے پہلا اعتقادی فرقہ پیغمبر گرامی اسلام کے زمانہ حیات میں بالقوہ موجود تھا وہ اسطرح سے کہ وہ اصل بنیادی عقائد یعنی توحید و نبوت و قیامت کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ سورہ العنکبوت کی آیت نمبر 27 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت ابراہیم کے بعد نبوت و کتاب حضرت ابراہیم ہی کی ذریت میں رہے گی اور سورہ البقرہ کی آیت نمبر 124 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ امامت بھی اولاد ابراہیم میں جاری رہے گی اور سورہ الفرقان کی آیت نمبر 74 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ امت محمد میں بھی آنحضرت کی رحلت کے بعد امامت جاری رہے گی اور سورہ السجدہ کی آیت نمبر 24,23 کی رو سے وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ پیغمبر اکرم صلعم کے بعد بھی امام ہوں گے جو پیغمبرؐ کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے ہدایت کا کام سرانجام دیں گےاور سورہ فاطر کی آیت نمبر 32,31 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ پیغمبرؐ کے بعد خدا کے مصطفےٰ بندو کا وجود ہے اور سورہ الحج کی آیت نمبر 78 کی رو سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ پیغمبر کے بعد خدا کے مجتبےٰ بندے باقی رہیں گیا ور پیغمبرؐ

کے دعوت ذوالعشیرہ کے اعلان سے لے غدیر خم کے اعلان تک اور غدیر خم کے اعلان سے لے کر بستر بیماری تک وہ پیغمبر اکرمؐ سے بار ہا سن چکے تھے کہ پیغمبرؐ کے بعد علی امام ہوں گے، علیؑ کے بعد حسینؑ امام ہوں گے حسن کے بعد حسینؑ امام ہوں گے، حسینؑ کے بعد حسینؑ کے نو فرزند امام ہوں گے وہ سب کے سب امام ہوں گے جن کی عصمت پر سورہ احزاب کی آیت نمبر 33 گواہ ہے اور جن کی عصمت پر سورہ البقرہ کی آیت نمبر 124 گواہ ہے اور جن کے تقرر کے لئے سورہ القصص کی آیت نمبر 68 گواہ ہے اور جنہوں نے پیغمبرؐ کی زبانی یہ سنا تھا کہ علی میرے علم کا دوازہ ہیں، جنہوں نے پیغمبر سے یہ سنا تھا کہ خدا نے مجھے جتنا علم دیا تھا وہ میں نے علی کو عطا کر دیا ہے جنہوں نے پیغمبرؐ سے یہ سنا تھا کہ علی پیغمبرؐ کے بعد لوگوں کے ولی ہیں جنہوں نے پیغمبر سے یہ سنا تھا کہ علی پیغمبر کے بعد لوگوں کے امام ہیں، منصوص من اللہ معصوم عن الخطاء ہیں ہادی کلق ہیں وغیرہ۔

پس ان تمام باتوں پر عقیدہ رکھنے والے بالقوہ پیغمبر کے زمانہ حیات میں موجود تھے اور پیغمبرؐ نے خود علی کی پیروی کرنے والوں کو شیعہ کے نام سے نوازا تھا لہذا پیغمبرؐ کے بعد ان لوگوں نے حضرت علیؑ کے بارے میں بالعقل مذکورہ عقائد کو اپنایا اور وہ بزرگ اصحاب پیغمبرؐ جو پیغمبرؐ کی حیات میں بالقوہ مذکورہ عقیدہ رکھتے تھے بالفعل اس عقیدے پر قائم ہو گئے اور پیغمبر صلعم کے ارشاد کے مطابق شیعہ کہلائے اس وقت عبداللہ ابن سبا یہودی یا تو اپنے باپ کے صلب میں ہو گا یا اپنی ماں کے رحم میں ہو گا یا اپنی ماں کا دودھ پی رہا ہو گا یا زیادہ سے زیادہ صنعا کی گلیوں میں کھیل رہا ہو گا لہذا مذہب شیعہ کے اس اعتقادی فرقے کو اس کی طرف منسوب کرنا یا انہیں ایران و یونان کے فلسفہ سے متاثر سمجھنا یا یہ کہنا کہ مذکورہ اعتقادی شیعہ اہل ایران کی شاہی سے متاثر ہو کر ان کے اثر سے امامت میں وراثت کا قائل ہوا سراسر تہمت ہے، سراسر بہتان ہے اور افتراء ہے اور اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ شاید ہی دنیا میں

کسی نے اتنا بڑا جھوٹ بولا ہوگا کیونکہ خود خدا نے سورہ العنکبوت کی آیت نمبر 27 میں نبوت وکتاب کو اولاد ابراہیم میں قرار دیا لہذا حضرت ابراہیم کے بعد نبوت وکتاب اولاد ابراہیم کے سوا اور کسی کو نہیں ملی اور سورہ البقرہ کی آیت نمبر 124 میں امامت بھی ذریت ابراہیم میں قرار دی اور سورہ الفرقان کی آیت 75,74 کی رو سے امت محمد میں سے ایک دعا کرنے والے کی ذریت میں پیغمبر کے بعد ہونے والے اماموں کو قرار دیا۔

پس پیغمبر کے بعد اس اعتقادی فرقے نے جس نام خود پیغمبر اکرم نے شیعہ رکھا تھا خدا کے فرمان، قرآن کے احکام اور پیغمبر کے ارشاد کے مطابق عقیدہ اختیار کیا اور ان کے پہلے افراد وہ بزرگ صحابہ کرام ہیں جن کا نام خود ابوزہرہ مصری نے اپنی کتاب اسلامی مذاہب میں تحریر کیا ہے۔یہی بزرگ صحابہ کرام اولین اعتقادی شیعہ تھے۔

ہم نے جن آیات کا حوالہ اس عنوان میں دیا ہے اس کی تفصیل اور ارشادات پیغمبر کا مفصل بیان اس کتاب کے دوسرے مقام پر آگیا ہے لہذا یہاں پر صرف حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔اس شیعہ اعتقادی فرقے کا اصل الاصول ''الاسلام'' ہے یعنی اطاعت صرف خدا کی اور خدا کے سوا کسی کی نہیں اور وہ انبیاء ورسول اور ھادیان دین اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی اطاعت کو اس لئے فرض اور واجب جانتے ہیں کیونکہ خدا نے انہیں مقرر کیا ہے خدا نے ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور یہی اسلام حقیق ہے اور اس اسلام حقیقی کے پیرو جن کا دوسرا نام حضرت علی کی پیروی کرنے کی وجہ سے انہیں اپنا پہلا امام ھادی خلق، منصوص من اللہ، معصوم عن الخطاء، وصی رسول ماننے کی وجہ سے خود رسول مقبول صلعم نے شیعہ علی رکھا تھا اللہ پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں اس کی توحید کے قائل ہیں اور توحید میں توحید ذات، توحید صفات، توحید عبادات اور توحید افعال کے قائل ہیں اور اس کی توحید صفات میں صفات ثبوتیہ اور اس کی صفات سلبیہ پر ایمان

رکھتے ہیں اس کو عادل مانتے ہیں اس کو ظالم نہیں سمجھتے تمام انبیاء ورسول پر ایمان رکھتے ہیں پیغمبر اکرم صلعم کو آخری نبی مانتے ہیں یعنی اب قیامت تک ان کی ہی رسالت ہے اور ان کی شریعت نافذ ہے وہ ان کی رسالت کے ساتھ ساتھ ان کی امامت پر بھی ایمان رکھتے ہیں، رسالت ختم ہوگئی لیکن امامت جاری ہے اور ان کے بعد خدا کے مقرر کردہ اماموں پر یقین رکھتے ہیں جو پیغمبر کے بعد پیغمبرؐ کے جانشین کی حیثیت سے ان کی نیابت میں لوگوں کو ہدایت کرتے تھے خدا نے جو کچھ اپنے پیغمبرؐ پر نازل کیا وہ اس سب پر ایمان رکھتے ہیں ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جنت پر ایمان رکھتے ہیں دوزخ پر ایمان رکھتے ہیں کعبہ کو اپنا قبلہ مانتے ہیں، ضروریات دین پر عامل ہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں قیامت پر ایمان رکھتے ہیں جبکہ ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب ''اسلامی مذاہب میں'' فرقہ شیعہ اور ابن خلدون کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے۔

فلسفہ تاریخ کے بانی ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں شیعہ مذہب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

''شیعہ کی نگاہ میں امامت کا مسئلہ اس نوع کا نہیں کہ اس کا تعین امت کی فلاح و بہبود سے ہو اور وہ جسے چاہیں خلیفہ بنالیں بلکہ یہ مسئلہ دین اسلام کا رکن رکین اور اصل الاصول ہے جس سے بے اعتنائی برتنا اور اسے امت کی جانب تفویض کرنا، کسی نبی کے لئے بھی جائز نہیں نبی پر امام کا مقرر کرنا واجب ہے امام کبائر وصغائر سے معصوم ہوتا ہے، تمام شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی نبی کریم کے خلیفہ مختار اور افضل الصحابہ تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ بعض صحابہ حضرت علی کو افضل الصحابہ قرار دینے میں شیعہ کے ہمنوا تھے ابن ابی الحدید جو ایک اعتدال پسند شیعہ عالم تھا لکھتا ہے کہ صحابہ میں مندرجہ

ذیل حضرات حضرت علیؑ کو افضل الصحابہ تسلیم کرتے تھے

۱) عمار یاسر ۲) مقداد بن اسود ۳) ابوذر غفاری ۴) سلمان فارسی ۵) جابر بن عبداللہ انصاری ۶) ابی بن کعب ۷) حذیفہ ۸) بریدہ ۹) ابوایوب انصاری ۱۰) سہیل ابن حنیف ۱۱) عثمان ابن حنیف ۱۲) ابوالہیثم بن شیبان ۱۳) ابوالفضل عامر بن وائلہ ۱۴) عباس بن عبدالمطلب اور ان کے بیٹے نیز تمام بنی ہاشم حضرت علی کو افضل سمجھتے تھے۔ابن ابی الحدید یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت زبیر پہلے تفضیل علی کے قائل تھے پھر اس نے رجوع کرلیا۔یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بعض بنی امیہ بھی حضرت علیؑ کو افضل تسلیم کرتے تھے سعید ابن العاص انہیں میں سے تھے۔

اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری

ترجمہ غلام احمد حریری ص 64,63

بزرگ اصحاب پیغمبر کی یہ وہ فہرست ہے جو ابوزہرہ مصری نے مقدمہ ابن خلدون سے نقل کی ہے لیکن تاریخ جغرافیائی کربلا معلی کے مصنف نے ایسے اصحاب پیغمبر کی تعداد ہزاروں میں لکھی ہے جو کسی سیاسی جھمیلہ میں نہیں پڑھے اور پیغمبرؐ کے بعد حضرت علی کو اپنا امام مان کر ان کی پیروی کرتے رہے اور خاموشی کے ساتھ گوشہ نشین ہو گئے اور حکومت کرنے والے حکومت کرتے رہے اور اس بات کو آج کی دنیا میں خصوصاً پاکستان میں سمجھنا بالکل آسان ہے ہماری ملک کی ایک دینی جماعت کے سربراہ برملا یہ کہتے رہے کہ ہم عورت کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے مگر عورت دو مرتبہ ڈھائی ڈھائی سال حکومت کرگئی آج اس وقت جب ہمارا قلم صفحہ قرطاس پر جاری ہے پاکستان کی قومی اسمبلی میں دینی جماعتوں کا اتحاد متحدہ مجلس عمل کے نام سے اچھی خاص تعداد میں پہنچا ہوا ہے اس کے سربراہ برملا یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم وردی والے صدر کو نہیں مانتے مگر وردی والا صدر حکومت کر رہا ہے اور تخت

صدارت پر بیٹھا ہے اوران کی یہ تکرار تادم تحریر جاری ہے کہ ہم وردی والے صدر کو نہیں مانتے اس طرح پیغمبرؐ کے بعد جو برسر اقتدار آئے وہ حکومت کرتے رہے اور جنہوں نے ان کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا وہ اپنے موقف پر قائم رہے اور اسلام کے حقیقی پیرو کار جنہیں پیغمبر گرامی نے حضرت علیؑ کی پیروی کی وجہ سے خود شیعہ علیؑ کا نام دیا تھا پیغمبرؐ کے زمانہ حیات میں بالقوہ موجود تھے اور پیغمبر اکرم صلعم کی وفات کے بعد حضرت علی کو اپنا پہلا امام مان کر ان کی پیروی کرنے ہوئے بالفعل اسلام حقیقی کے پہلے شیعہ اعتقادی فرقے میں محسوب ہو گئے۔

شیعہ امامیہ اثناء عشری فرقے کا بیان

یہ وہی سب سے پہلا شیعہ اعتقادی فرقہ ہے جس کا ذکر ہم سابق میں کر آئے ہیں چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین، بارہ امام یا بارہ خلیفہ ہوں گے لہذا پیغمبر اکرم صلعم کے بزرگ اصحاب کا وہ گروہ جو رسول اکرم صلعم کو صادق سمجھتے ہوئے یہ یقین رکھتا تھا کہ پیغمبرؐ کے بعد ضرور بالضرور پیغمبر کے بارہ خلیفہ بارہ جانشین بارہ امام و ہادی ہوں گے جن کا پہلا علی ہے اور آخری مہدی ہے اور چونکہ خود پیغمبرؐ نے حضرت کی پیروی کرنے والوں کا نام شیعہ رکھتا ہے لہذا یہ لوگ زمانہ حیات پیغمبر صلعم میں ہی بالقوہ شیعہ امامیہ اثناعشریہ تھے اور پیغمبر کی رحلت کے بعد بالفعل شیعہ علی بن گئے اور اس نے خدا کے ارشاد قرآن کے بیان اور پیغمبرؐ کے فرمان کے مطابق حضرت علی کو پیغمبر کا بلا فصل، پیغمبر کا جانشین حقیقی منصوص من اللہ، معصوم عن الخطاء، امام برحق، ہادی خلق، مصطفےٰ و مجتبےٰ اور سید الاوصیاء کا عقیدہ بالفعل اپنا کر آئندہ اور گیارہ اماموں کے ہونے کے کا بالقوہ عقیدہ اپنالیا یہ لوگ ہر امام کی رحلت کے بعد دوسرے ہونے والے امام کی جستجو میں لگ

جاتے تھے اور اس کی امامت کا تعین کر کے اس پر ایمان لے آتے تھے اور جس طرح سے سابقہ امتیں خاتم الانبیاء کے آنے تک آنحضرت کے آنے کا انتظار کرتی رہیں اور ان کے آنے کا بالقوہ ایمان رکھتی رہیں اس طرح یہ اعتقادی شیعہ امامیہ اثنا عشریہ فرقہ بھی بارہویں امام کے آنے تک ہر امام کی شہادت کے بعد ان کے وصی و نائب و جانشین امام کی تلاش میں لگ جاتا تھا اور یہ تحقیق کرتا تھا کہ سابق امام کی طرف سے نص کس کے لئے ہے۔ سابق امام کے بعد دعوائے امامت کس نے کیا ہے اور امامت کا دعویٰ کرنے والے اس امام کے پاس ہدایت انجام دینے کے لئے وہ ضروری علم ہے یا نہیں جو پیغمبرؐ کے بعد ہونے والے امام اور نائب کے لئے ضروری ہے اور اس کے پاس اپنے امام ہونے کی کیا نشانی ہے؟ یہ اعتقادی شیعہ امامیہ اثنا عشری فرقہ بارہویں امام تک اس طرح ہر آنے والے امام کی اطاعت و پیروی اختیار کرتا رہا لیکن بارہویں امام کے بعد ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق نہ کوئی اور امام ہوا اور نہ اس اعتقادی شیعہ فرقے نے بارہویں امام کے بعد کسی اور کو امام مانا۔ اور بارہویں اما کے بعد سے یہ فرقہ بالفعل شیعہ امام اثنا عشریہ کہلاتا ہے۔

ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب ''اسلامی مذاہب میں''فرقہ امامیہ اثناء عشریہ کے باب 12 میں امامیہ معتقدات اور ان کے دلائل' کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے۔

''ان تمام فرقوں کے درمیان میں وجہ اشتراک لفظ امامیہ کا مفہوم ہے، امامیہ کہتے ہیں کہ امامان دین کے صرف اوصاف ہی نہیں بتائے جاتے۔ جیسا کہ امام زید کا قول ہے، بلکہ صریح الفاظ میں شخصاً ان کی تعین کر دی جاتی ہے۔ حضرت علیؑ کو نبی نے خود متعین فرمایا تھا۔ بعد میں آنے والے آئمہ کو حضرت علیؑ نے آنخضرت کی وصیت کے مطابق خود متعین فرماتے ہیں ان کو اوصیاء کہا جاتا ہے۔ حضرت علیؑ کی امامت، آنخضرت کی نص قطعی اور یقین کامل سے ثابت ہو چکی ہے اور آپ نے اوصاف بیان کر کے اشارے کنائے پر اکتفا نہیں فرمایا۔

دین اسلام میں امام کی تعین سے زیادہ ضروری کام اور کوئی نہیں تھا کہ آپ امت کے کام سے فارغ ہوکر دینا سے تشریف لے جائیں جب آپ کی بعثت ہی رفع خلافت اور قیام اتحاد کے لئے تھی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ امت کو یونہی چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوں کہ ہر شخص اپنی من مانی کاروائی کرنے لگے اور ایک دوسرے سے الگ تھلگ اپنی راہ لے۔ بلکہ ایک شخص کی تعین ضروری تھی جس کی طرف رجوع کیا جا سکے اور ایک قابل اعتماد امام کے نام کی صراحت بے حد ناگزیر تھی حضرت علیؑ کی تعین پر وہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کردہ بعض آثار سے استدلال کرتے ہیں اور انہیں ان روایات کی صداقت اور صحت سند کا بھی دعویٰ ہے مثلاً یہ آثار

۱) من کنت مولاہ فعلی مولاہ

جس کا میں دوست ہوں حضرت علی بھی اس کے دوست ہیں

۲) اللھم وال من والاو عادمن عاداہ

اے اللہ جسے علیؑ دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علی کا دشمن ہو تو بھی اس دشمن ہو

۳) "اقضاکم علی "(حضرت علی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں"

اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد۔۔۔۔۔ص 86,85

پھر اسے اگلے صفحہ پر امامیہ میں ظہور اختلاف" کے عنوان کے تحت اس طرح سے لکھتے ہیں

''امامیہ اس طرح حضرت علی کی تعین پر استدلال کرتے اور ان اخبار و آثار کی صحت کے بھی مدعی ہیں۔ وہ چند اعمال کو بھی خلافت علی کی دلیل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اعمال بمعولہ نصوص ہیں۔ بخلاف ازیں جمہور نہ ان آثار کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ان اعمال

سے امامیہ کے استنباط کو درست تسلیم کرتے ہیں ۔جس طرح امامیہ آنحضور کی نص قطعی سے حضرت علی کے وصی ہونے کے عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی کے بعد ان کی وہ اولاد اوصیاء میں شمار ہوگی جو حضرت فاطمہؓ،حسنؓ اور حسینؓ کی نسل سے ہو اس حد تک تو یہ عقیدہ ان کے ہاں اجماعی ہے اس کے بعد وہ مختلف الخیال ہو گئے اور ایک نظریہ پر جمع نہ ہو سکے وہ بہت سے فرقوں میں بٹ گئے بعض نے ستر سے زائد فرقے شمار کیے ہیں۔

دو فرقے سب سے زیادہ مشہور ہیں

نمبر 1:اثناعشری نمبر 2:اسماعیلیہ

اس کے بعد اثناعشری کے عنوان کے تحت اس طرح لکھتے ہیں اثناعشری شیعہ آج کل عراق میں پائے جاتے ہیں،عراق میں شیعہ کی بڑی اکثریت ہے اور تقریباً نصف آبادی پر مشتمل ہے یہ سب اثناعشری ہیں اور عقائد،انفرادی اموال،مواریث و وصایا،اوقاف،زکوٰۃ اور عبادات میں اثناعشری اصول پر چلتے ہیں ایران کے اکثر شیعہ بھی اثناعشری ہیں اس فرقے کے لوگ شام و لبنان و دیگر ممالک اسلامیہ میں پھیلے ہوئے ہیں یہ لوگ اہل سنت سے محبت کرے ہیں اور حقارت و نفرت کا سلوک نہیں کرتے۔

امامیہ اثناعشریہ دیگر امامیہ کی طرح امام کو مقدس شخصیت تسلیم کرتے ہیں جو وصیت نبوی کے مطابق اس منصب پر فائز ہوتا ہے۔

اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری۔ص 88,87

اس کے بعد ابو زہر مصری نے اپنی اس مذکورہ کتاب میں ”امامیہ کے نزدیک امام کا مقام “کے عنوان کے تحت شیعہ عالم کاشف الغطاء کی کتاب اصل الشیعۃ واصولھا کے صفحہ نمبر 29 کی عبارت نقل کی ہے اور ”امام کے منصب عالی کے وجوہات“ کے عنوان کے تحت شریف

المرتضیٰ کی کتاب الشافی کے صفحہ نمبر 40 کی عبارت نقل کی ہے اور اسی عنوان کے تحت شیخ طوسی کی کتاب ''تلخیص الشافی کے صفحہ نمبر 319 کی عبارت نقل کی ہے اور'' آئمہ سے معجزات کا ظہور'' کے عنوان کے تحت شیخ طوسی کی کتاب تلخیص الشافی کے صفحہ نمبر 310 کی عبارت نقل کی ہے اور'' آئمہ کا علم کلی سے بہرہ ور ہونا'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''امامیہ کے نزدیک امام کا علم شریعت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز پر حاوی ہوتا ہے اور وہ تمام احکام شریعت کو جانتا ہے'' اس ضمن میں بھی انھوں نے شیخ طوسی کی کتاب سے عبارت نقل کی ہے اور'' تحفظ شریعت کے لئے امام کی ضرورت'' کے عنوان کے تحت شریف المرتضیٰ کی کتاب الشافی سے حضرت علی کے مشہور خطبہ کو نقل کیا ہے'

یہ سب کچھ لکھنے کے بعد 'امامیہ کے دعاوی کا ابطال'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''یہ فرقہ امامیہ اثناءعشریہ کے نزدیک امام کے مرتبہ ومقام کی جانب چند اشارے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمام امامیہ ان عقائد میں متحد الخیال ہیں امام کا مرتبہ ان کی رائے میں نبی کے لگ بھگ ہے اس میں کے یہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا بلکہ وہ بڑی وضاحت سے کہتے ہیں کہ نبی ووصی میں وحی الٰہی کے ماسوا سرے سے کوئی فرق وامتیاز پایا ہی نہیں جاتا۔

امام کی شخصیت کے متعلق شیعہ امامیہ کے بلند بانگ دعاوی قطعی طور پر بے بنیاد ہیں اور ان کی کوئی دلیل موجود نہیں۔البتہ ان کے بطلان کے دلائل موجود ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کرم نے مکمل طور پر شرعی احکام بیان کردیئے تھے اور ان کی تبلیغ واشاعت کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے' اکملت لکم دینکم ''میں نے تمہارا دین کامل کردیا۔اگر معاذاللہ آپ نے کوئی بات پوشیدہ رکھی ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے منصب رسالت کا حق ادا نہ کیا۔کیونکہ یہ محالات میں سے ہے مزید برآں معصوم عن الخطا ہونا خاصہ انبیاء ہے اور انبیاء کے علاوہ دوسروں کی عصمت کسی دلیل سے

ثابت نہیں''

اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 87 تا 93

قرآن آئمہ طاہرین کی عصمت پر گواہ ہے

ابوزہرہ مصری کہتے ہیں کہ امام کی شخصیت کے متعلق امامیہ کے بلند بانگ دعاوی قطعی طور پر بے بنیاد ہیں اور ان کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ البتہ ان کے بطلان کے دلائل موجود ہیں (حوالہ سابق)

لیکن ہم نے اس کتاب میں ثابت کردیا ہے کہ امامیہ کے دعاوی بلند بانگ نہیں بلکہ حقیقت ہیں اور اتنے مضبوط دلائل کسی مذہب کے پاس نہ ہوں گے جتنے مضبوط دلائل شیعہ امامیہ اثناءعشریہ کے پاس ہیں اور ان کے بطلان پر کوئی دلیل لانا قرآن کے بطلان پر دلیل لانے کے مترادف ہے چونکہ ان کے تمام دلائل قرآن مجید سے ہیں۔

ابوزہرہ مصری کہتے ہیں کہ: معصوم عن الخطاء ہونا خاصہ انبیاء ہے اور انبیاء کے علاوہ دوسروں کی عصمت کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے اور ہم نے اس کتاب میں قرآن سے ثابت کیا ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسروں کی عصمت پر بھی قرآن گواہی دیتا ہے۔ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ دین کسے کہتے ہیں اور ''الاسلام'' کیا ہے اور انبیاء و رسل کی طرح سے ہی امامت بھی ایک منصب الٰہی ہے مزید تفصیل کے لئے ہماری مطبوعہ کتاب ''امامت قرآن کی نظر میں'' کا مطالعہ کریں۔ مختصراً یہ کہ وہی تمام دلائل جو انبیاء رسول کی عصمت کو ثابت کرتے ہیں وہی تمام دلائل آئمہ اطہار علیہم السلام کی عصمت کو بھی بیان کرتے ہیں رسولوں کا کام قرآن نے صرف احکام کا پہنچانا لکھا ہے۔ لیکن قرآن نے

اماموں کا کام لوگوں کو ہدایت کرنا بتایا ہے ہم سابق میں طلوع اسلام والوں کی کتاب "مقام حدیث" کے حوالہ سے یہ نقل کر آئے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلعم کی دو حیثیتیں تھیں ایک پیغمبری اور دوسری امامت ۔پیغمبری ختم ہوگئی لیکن امامت جاری ہے اور اس پر قرآن گواہ ہے اگر وہ حدیث کے منکر ہیں اور پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے ارشاد گرامی کو کسی بھی طرح در خودا عتنا نہیں سمجھتے اور پیغمبر صلعم کے ہر اس ارشاد کو جوان کے نظریہ کے آگئے حائل ہوتا ہے اسے بشری تقاضے سے قرار دیتے ہیں یا کسی اور بہانہ سے اس کا انکار کرتے ہیں تو قرآن کا انھیں انکار نہیں ہے اور حتماو یقیناً امامت واضح طور پر قرآن سے ثابت ہے اور ان کی عصمت پر آیہ تطہیر گواہ ہے ۔ان کی عصمت پر "ہواجتباکم" گواہ ہے اور ان کے سچے ہونے پر آیہ مباہلہ گواہ ہے اور قرآن سے ان مذکورہ باتوں کے علاوہ جن سے آئمہ کی عصمت ثابت ہے کسی دلیل سے انبیاء ورسول کی عصمت بھی ثابت نہیں کی جاسکتی ہے اور وہ تمام معقول و منقول دلائل جو انبیاء ورسل کی عصمت کو ثابت کرتے ہیں وہی تمام دلائل آئمہ طاہرین علیہم السلام کی عصمت کو ثابت کرتے ہیں لہذا شیعہ امامیہ اثناءعشریہ کے پاس قرآن سے وہ مضبوط دلائل اور ثبوت موجود ہیں کہ تمام اسلامی مذاہب میں سے کسی کے پاس بھی ایسے مضبوط دلائل اور ثبوت موجود نہیں ہیں لیکن ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے ۔

ابو زہرہ مصری کہتے ہیں کہ

"اگر معاذ اللہ آپ نے کوئی بات پوشیدہ رکھی ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے منصب رسالت کا حق ادا نہ کیا" اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 93

یہی بات تو شیعہ امامیہ اثناءعشریہ کہتے ہیں کہ اگر پیغمبر اپنے بعد کے لئے اس امام کا تقرر کا اعلان نہ فرماتے جسے خداوند تعالی نے ان کے جانشین کے طور پر مقرر فرمایا تھا تو

لازماً اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ آپ نے منصب رسالت کا حق ادا نہ کیا۔

کیا اتنی سی بات بھی سمجھ میں نہی آتی کہ اسلام کے جو اتنے سینکڑوں فرقے بن گئے اور سب اپنی اپنی بات کو حق کہہ رہے ہیں تو کسی ایسی ہستی کا پیغمبر کے بعد مقرر نہ کرنا جو یہ بتلائے کہ حق بات کیا ہے تو پھر اسلام میں یہی کچھ رہ گیا ہے جیسے ''طلوع اسلام'' والوں نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں لکھا ہے کہ ایک تو مسلم کیا کرے وہ نماز کیسے پڑھے، وہ مسلمان ہونے کے بعد دیکھتا ہے کہ جیسا کہ وہ ایک جنگل میں کھڑا ہے، جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے کیا خدا نے اور پیغمبر گرامی اسلام نے اسلام کو ایسی حالت میں چھوڑ دیا ہے؟ کیا دین کے کامل ہونے کی یہی صورت ہے؟ یقیناً دین کامل ہوا ہے یہ بتلانے والے کے تقرر کے ساتھ جو پیغمبر کے بعد یہ بتلائے کہ حق بات کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ اور قرآن کی کس آیت کی صحیح تفسیر کیا ہے؟

یہ اقتدار پر آنے والوں کے طرفداروں کی مجبوری ہے کہ وہ اس بارے میں قرآن کی بات کو نہ مانیں پیغمبر اکرم صلعم کی بات کو بھی تسلیم نہ کریں اور کسی بھی مستحکم سے مستحکم دلیل کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں، کیونکہ اگر وہ یہ بات تسلیم کرلیں تو انہیں اپنی حکومتی جماعت کی سیاسی پارٹی کا ساتھ چھوڑنا پڑیگا۔

اچھا وہ اس بات میں غور کریں کہ کیا ان بارہ آئمہ نے پیغمبر کے بعد اپنی امامت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ حضرت علی نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ امام حسنؑ نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ امام حسینؑ نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ ان مذکورہ آئمہ کا دعویٰ اور پیغمبر اکرم صلعم کا ان کو امام کہنے کا شہرہ اس کثرت سے ہوا ہے کہ مذکورہ آئمہ کے نام کا لاحق ہی امام ہوگیا چنانچہ ان کا جو بھی نام لیتا ہے امام حسن کہتا ہے یا امام حسین کہتا ہے اگر وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پیغمبر نے انھیں امام کہا اور انھوں نے امام ہونے کا

دعویٰ کیا تو آیہ مباہلہ ان کے سچا ہونے کی گواہ ہے اور اگر وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تو اس سے بڑھ کر حق بات کا انکار اور کوئی نہیں ہو سکتا اور اس بات کا پتہ جب چلے گا جب روز قیامت پیغمبرؐ کے خدا کے مقرر کردہ یہ ہادی ان کے سامنے خدا کے گواہ بنا کر لائے جائیں گے اور وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہم نے ان کے سامنے اپنی امامت کا دعویٰ کیا تھا اور انہیں ہر قسم کی ہدایت کی دعوت دی تھی مگر نہ انھوں نے ہمیں امام مانا نہ ہماری طرف رجوع کیا اور پیغمبرؐ ان کے بارے میں گواہی دیں گے کہ میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ ان کی امامت اور ہادی خلق ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور قیامت تک آنے والے اماموں کی تعداد تک بتلا دی تھی جو میری احادیث پر سنسر شپ عائد کرتے، میری حدیثوں پر پابندی لگاتے، میری حدیثوں کو بیان کرنے سے منع کرتے اور جو جمع ہو چکی تھیں انھیں میرے اصحاب سے لے لے کر جلا دیتے، اور میرے بزرگ اصحاب کو جو میری احادیث بیان کرتے تھے قید کرنے کے باوجود، مسلمانوں کی حدیث کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جس میرا یہ اعلان موجود نہ ہو۔

دنیا میں تو یہ دھاندلی چل جائے گی لیکن انھیں چاہئے کہ آخرت کا انتظام کر لیں کہ وہاں ان کی گواہوں کے سامنے کیا جواب دیں گے کیونکہ قرآن روز قیامت ان کے گواہوں کے کھڑا کرنے کا مدعی ہے جو پیغمبرؐ کے بعد ہوں گے

مستشرقین یورپ اور ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کی پیروی کرنے والوں کو طرز عمل یکساں ہے

مستشرقین یورپ میں سے پیغمبر گرامی اسلام کی حیات طیبہ کے بارے میں لکھنے والوں میں سے بعض تو معتدل نظر آتے ہیں لیکن بعض یہودی اور عیسائی مستشرقین یورپ نے زہر افشانی کی حد کردی ہے آنحضرت کے نام پر اعتراض ، آنحضرت کی وحی پر اعتراض ، آنحضرت پر نازل شدہ قرآن پر اعتراض ، آنحضرت کی شریعت پر اعتراض ، آنحضرت کی نبوت و رسالت پر اعتراض ۔یعنی یہ کہ نہ آنحضرت نبی تھے نہ رسول تھے نہ ان پر کوئی وحی نازل ہوئی بلکہ آپ نے جو کچھ بیان کیا وہ یہودیوں کے ،مجوسیوں کے اور زرتشیوں کے اور گزشتہ مذاہب کے افکار ونظریات واعمال کو جمع کر کے بیان کر دیا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہود آنحضرتؐ کے فطری دشمن اور مخالف تھے انھوں نے حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو نبی نہیں مانا جو خود بنی اسرائیل سے تھے ۔لہذا اولاد اسماعیل سے ہونے والے نبی پر کیا ایمان لاتے ؟اور جب وہ ان پر ایمان نہیں لائے تو اپنے بغض وعناد سے جھوٹ ، بہتان ،افتراء کے ذریعہ ہر صورت میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ پیغمبر گرامی اسلام نہ تو نبی تھے نہ رسول تھےنہ ان کو کوئی وحی آئی نہ ان پر قرآن نازل ہوا نہ کوئی نئی شریعت آئی بلکہ انھوں نے یہودیوں سے ،عیسائیوں سے ،مجوسیوں سے ، زرتشتیوں سے اور دیگر مذاہب سے ان کے افکار ونظریات وافعال واعمال کو اخذ کر کے بیان کر دیا اور یہی وجہ عیسائی مستشرقین یورپ کے بہتانوں اور افتراٰت کی ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس بات کا انکار نہیں کرتا کہ پیغمبر گرامی اسلام نے نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا اپنی نبوت و رسالت کے ثبوت میں خدائی نشانیاں یعنی معجزات دکھائے جن میں سے ایک معجزہ قرآن کریم ہے جو ایک معجزہ خالدہ ہے اور جس کا چیلنج قیامت تک کے لئے برقرار ہے اور ان کے صادق وامین ہونے کا کفار قریش تک اقرار کرتے ہیں قرآن نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت کا نام نامی اور اسم گرامی ان کی آسمانی کتابوں توریت وانجیل میں لکھا ہوا ہے اور

جس وقت قرآن کریم نازل ہوا اس وقت کسی نے بھی اس بات کو چیلنج نہیں کیا کہ ان کا نام نامی اوراسم گرامی توریت اورانجیل میں لکھا ہوا نہیں ہے لیکن موجودہ دور کے یہودی وعیسائی مستشرقین یورپ موجودہ دور کی محرف توریت وانجیل کا حوالہ دے کر یہ کہتے ہیں کہ وہ نام جو توریت وانجیل میں ایک آنے والے پیغمبر کا لکھا ہوا ہے وہ آنحضرت کا نام نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا نام ہے انجیل برنباس میں آنحضرت کا نام ابھی بھی باقی ہے لہذا اس کو انجیل برنباس ہی نہیں مانتے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کسی مسلمان نے لکھ کر برنباس حواری عیسیٰ کی طرف منسوب کردی ہے اور قوم نوح کا قصہ،قوم عاد کا قصہ،قوم ھود کا قصہ،قوم ثمود کا قصہ،قوم صالح کا قصہ،قوم شعیب کا قصہ،فرعون کا قصہ،نمرود کا قصہ جو توریت میں لکھا ہوا ہے یہ آنحضرتؐ نے قرآن میں توریت سے نقل کردیا ہے اور آنحضرت کی شریعت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ بھی سابقہ شریعتوں اور دوسرے مذاہب کی رسم ورواج میں سے اخذ کر کے اپنی شریعت کا نام دے دیا ہے۔

حالانکہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء تک تمام انبیاء کا دین ایک ہی تھا اور قرآن ان تمام انبیاء کی تعلیمات کا محافظ ونگران ہے یعنی قرآن کے الفاظ میں (مہیمنا علیہ) ہے اور جن باتوں میں تحریف ہوگئی تھی یا جن باتوں کو غلط طور پر بدل دیا گیا تھا ان کی اصلاح اور درستی کی گئی تھی۔

کیونکہ یہود ونصاریٰ توریت وانجیل کے حکم کے مطابق اس نبی پر ایمان نہیں لائے جس نبی پر ایمان لانے کا ان کی آسمانی کتابوں میں حکم دیا گیا تھا لہذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے جھوٹ،افتراء،تہمت اور بہتان کے ذریعہ یہ کہا کہ آنحضرت نہ نبی تھے نہ رسول تھے نہ معصوم تھے نہ انہیں کوئی وحی آئی نہ قرآن نازل ہوا بلکہ ایک آدمی انھیں یہ باتیں پڑھا جایا کرتا تھا جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے جبکہ قرآن نے اس بات کو اپنی دلیل

کے ساتھ رد کیا ہے۔

یہی حالت پیغمبر گرامی اسلام کے بعد بر سر اقتدار آنے والے حکومتی جماعت کے بعض طرفداروں کا ہے چونکہ وہ پیغمبرؐ کے بعد آنے والے آئمہ اہل بیت کو نہیں مانتے جنہیں پیغمبر نے اپنے بعد کے لئے اپنی فرض منصبی یعنی کارہدایت انجام دینے کے لئے امام مقرر کیا تھا جنکی جانشینی کا پیغمبرؐ نے خدا کے حکم سے اعلان کیا تھا جو قرآن کی سند کی رو سے منصوص من اللہ ہیں، معصوم عن الخطاء ہیں، ھادی خلق ہیں امام برحق ہیں، خدا کے اصطفیٰ کردہ مصطفےٰ بندے ہیں اور خدا کے اجتبےٰ کردہ مجتبےٰ بندے ہیں اور روز قیامت خدا کے مقرر کردہ ہادی و امام ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے اوپر خدا کی حجت اور شھداء علی الناس ہیں اور ان آئمہ اہل بیت نے بھی اپنی امامت کا دعویٰ کیا۔ انھوں نے لوگوں کے سامنے اپنے امام ہونے کی نشانیاں بھی دکھائیں اور علم وہدایت کے میدان میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہ تھا مگر چونکہ انھوں نے پیغمبرؐ کے بعد بر سر اقتدار آنے والے حکام کو ہی اپنا مذہبی رہنما وپیشوا اور رہبر مان لیا لہذا وہ ان آئمہ اہل بیت کو نہیں مانتے اور ان آئمہ اہل بیت کو ماننے والوں کو بھی عبداللہ بن سباء کی طرف منسوب کرتے ہیں کبھی دوسری دوسری طرح تہمتیں، بہتان اور افتراء جڑتے ہیں چنانکہ پیغمبرؐ کے بعد بر سر اقتدار آنے والوں کے طرفداروں یعنی حکومت کی پیروی کرنے والی جماعت نے یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر اپنی ہمت صرف کردی ہے ان کا جو بھی دانشور عالم اسلامی فرقوں کے بیان میں قلم اٹھاتا ہے، حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کے بارے میں صنعاء کے یہودی عبداللہ بن سباء سے شروع کردیتا ہے اور حضرت علیؑ کے بارے میں ان تمام احادیث کو جنہیں پیغمبر نے خود اپنے اصحاب سے بیان فرمایا تھا جنہیں ابو زہرہ مصری نے شیعوں کا ہمنوا کہا ہے عبداللہ بن سبا یہودی کے کھاتے میں ڈال دیا کہ وہ یہ کہتا تھا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا تھا اور پیغمبر خاتم کا وصی بھی ہونا چاہیے پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خاتم الانبیا ہیں اور علیؑ خاتم الاوصیاء ہیں۔

حالانکہ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت کو پیغمبرؐ نے بلافصل ماننے والے اور ان کو امام برحق اور ھادی خلق ماننے والے اور انھیں پیغمبرؐ کا وصی ماننے والے انھیں منصوص من اللہ اور معصوم عن الخطاء ماننے والے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ حیات میں بھی قرآن واحادیث پیغمبرؐ کے مطابق بالقوہ یہی عقیدہ رکھتے تھے اور پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے عین بعد بالفعل اس عقیدے پر قائم ہو گئے تھے جب عبداللہ بن سبا کا اس دنیا میں ہی کہیں وجود نہ تھا عجب نہیں کہ وہ ابھی پیدا ہی نہ ہوا ہو یا وہ ابھی بچہ ہو کیونکہ مسلمہ طور پر عبداللہ بن سبا بقولے بعض حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں مسلمان ہوا اور بعض کے قول کے مطابق حضرت علی کے زمانہ خلافت میں، اتنا اندھا ہو کر تو یہود و نصاریٰ نے بھی آنخضرتؐ پر تہمتیں نہ لگائی ہوں گی جتنی کے پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آنے والوں کی اطاعت کرنے والی جماعت نے حضرت علی، آئمہ اہل بیت اور ان کی پیروی کرنے والے شیعہ امامیہ پر لگائی ہیں۔

اسی طرح حضرت عثمان کی اقربا پروری اور اقربا نوازی کی وجہ سے جو فتنہ وفساد برپا ہوا اور ان کے عمال کی بدعنوانیوں کی وجہ سے جو صورت حال پیدا ہوئی اس کو بھی اسی عبداللہ بن سبا یہودی کی گردن میں ڈال دیا۔

حالانکہ بنی امیہ کے تمام عامل اتنے سخت گیر تھے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ جیسے بزرگ صحابی پیغمبر تک کو ان کی حق گوئی کی سزا دیئے بغیر نہ رہ سکے جیسا کہ ابو زہرہ مصری نے لکھا ہے کہ:

''جب حضرت عثمان نے مہاجرین اولین کو بیرون مدینہ سکونت گزینی کی اجازت دے دی تو وہ خلیفہ اور حکام دونوں کو اپنی تنقید کے تیروں سے چھلنی کرنے لگے۔ اس

ضمن میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی تنقید ملاحظہ فرمائیے وہ شام میں رہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

''بخدا کچھ ایسے اعمال معرض ظہور میں آئے ہیں جن سے میں آشنا بھی نہیں، نہ ان کو ذکر کتاب خداوندی میں ہے اور نہ سنت رسول میں میں دیکھ رہا ہوں کہ حق کو مٹایا جا رہا ہے سچے لوگوں کو جھٹلایا جا رہا ہے۔لوگوں کے تقویٰ وطہارت کے بغیر باقی امور پر ترجیح دی جا رہی ہے''

اسلامی مذہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 54

اس کے بعد لکھتے ہیں

''اب دیکھئے کہ ابو ذر جیسے جلیل القدر صحابی کتنی زوردار عبارت میں حکام وقت پر تنقید کر رہے ہیں بلا شبہ عوام الناس اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے خصوصاً وہ لوگ جو حکام سے پہلے ہی بیزار ہوں اور ایسے نظام حکومت کے عادی نہ ہوں، یہی وجہ ہے حبیب فہری نے حضرت معاویہ کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ ابو ذر شام میں بغاوت پیدا کر دیں گے۔اگر تم امن قائم رکھنا چاہتے تو اس کی فکر کرو چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت عثمان کو شکایت لکھ بھیجی آپ نے حضرت ابو ذر کو مدینہ بلوایا اور ربذہ نقل مکانی کا حکم دیا'' اسلامی مذاہب ابو زہرہ

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 54

ابو زہرہ مصری نے جو یہ بات لکھی ہے کہ حضرت عثمان نے مہاجرین اولین کو بیرون مدینہ سکونت گزین ہونے کی اجازت دے دی تو وہ خلیفہ اور حکام دونوں کو تنقید کے تیروں سے چھلنی کرنے لگے تو ایسا نہیں ہے دیکھو یہ لوگ حکومت کی طرفداری میں اصل حقائق پر کس طرح پردہ ڈالتے ہیں کیونکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے حضرت عثمان نے

حضرت ابو ذر غفاری کو بیرون مدینہ سکونت کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی خود خلیفہ کے بارے میں ایسی ہی تنقید کیا کرتے تھے، حضرت عثمان نے خصوصی طور پر انھیں شام بھجوایا تھا کہ معاویہ ان کا شکنجہ کسے اور ان کو ٹھیک بنا دے لیکن وہ وہاں بھی اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہ آئے تو پھر اس نے حضرت عثمان کو شکایت لکھ بھیجی اور حضرت عثمان نے انھیں واپس مدینہ بلوا کر ربذہ کی طرف جلاوطن کردیا جہاں پر پیغمبرؐ کا یہ جلیل القدر صحابی عالم غربت میں کسمپرسی کی حالت میں اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

جب ایسے جلیل القدر صحابی جنہیں پیغمبر نے یہ فرمایا تھا کہ آسمان کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی نہیں ہے جو زاہد و متقی اور پیغمبر اکرم صلعم کے فدائی تھے اس کے ساتھ حق گوئی کی پاداش میں اس طرح کا سلوک کیا گیا تو عبداللہ بن سبا یہودی کا بچہ کون ہوتا ہے جو اسلام لاکر مسلمانوں کو بھڑکاتا پھرتا اور حکومت کے خلاف محاذ قائم کرتا اور اپنی ایک جماعت بنا کر لوگوں کو فساد پر آمادہ کرتا اور بنی امیہ کے حکمرانوں کو اور حضرت عثمان کے عمال اور گورنروں کو جو سب کے سب حضرت عثمان کے رشتہ دار تھے کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

چنانچہ اہل سنت کے ایک فاضل محقق و مورخ طہ حسین مصری نے اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" صفحہ نمبر 151 تا 159 تک پھیلے ہوئے صفحات میں پوری تحقیق کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے خلافت کمیٹی کے ارکان تک جنہوں نے انہیں خلیفہ بنایا تھا ان کے خلاف ہو گئے اور تاریخ ابن اثیر ص 166 الامامت والسیاست جلد 1 ص 54 روضۃ الاحباب جلد 3 ص 20, تاریخ روضۃ الصفا ص 295 اور تاریخ طبری ص 434 کے مطابق حضرت عائشہ تک ان کے سخت خلاف ہوگئی تھیں اور مولانا مودودی، ابو زہر مصری، حسین ہیکل، وزیر معارف مصر اور طہ حسین مصری وغیرہ محققین نے حضرت عثمان کے قتل کی وجوہات میں ان کی اقربا پروری، اقربا نوازی اور ان کے رشتہ

داروں کی بداعمالیوں کی نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری کی شہر بدری کا حال آپ نے ابو زہرہ مصری کی کتاب "اسلامی مذاہب" سے معلوم کرلیا اب طہٰ حسین مصری کی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" کے ترجمہ سے جو "حضرت عثمان" کے نام سے شائع ہوئی ہے ان کا بیان سنیئے وہ حضرت عثمان کی اقربا پروری پر تبصرہ کرنے بعد عبداللہ بن سباء کے بارے میں اپنی تحقیق اس طرح پیش کرتے ہیں ۔

"جناب عثمان کے زمانے میں اسلامی شہروں میں جو فتنے اور فسادات رونما ہوئے بہت سے لوگوں اس کو اسی عبداللہ بن سباء کی طرف منسوب کرتے ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنا مکروفریب بہت مضبوط کر چکا تھا۔ چنانچہ شہروں میں خفیہ انجمنیں بنائی تھیں جن میں پوشیدہ طور پر شروفساد کی دعوت دی جاتی تھی پھر جب تدبیریں مکمل ہوگئیں تو خلیفہ پر ٹوٹ پڑے اور بغاوت کا محاصرہ اور شہادت کے واقعات ہوئے۔

میرا خیال ہے کہ ابن سبا کی بات کو اتنا بڑھانے چڑھانے والے اپنی ذات پر اور تاریخ پر بڑی زیادتی کرنے والے ہیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اہم مصادر جن میں حضرت عثمان کی مخالفت کی تفصیل ہے ابن سباء کے ذکر سے خالی ہے۔

چنانچہ ابن سعد حضرت عثمان کی خلافت اور لوگوں کی ان سے مخالفت کے حالات بیان کرتے ہیں ابن سبا کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے اور میرا خیال ہے کہ "انساب الاشراف" سب سے زیادہ اہم ماخذ ہے جس میں حضرت عثمان کے واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں ہاں طبری نے سیف ابن عمر کی روایت سے ابن سبا کا ذکر کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں آنے والے مورخین نے طبری ہی سے لکھا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عثمان کے زمانے ابن سبا کی کچھ بات تھی بھی یا نہیں لیکن اس کا مجھے یقین ہے کہ اگر اس کی

کوئی بات تھی وہ نا قابل ذکر مسلمان حضرت عثمان کے دور میں اتنے گئے گزرے نہ تھے کہ ان کے افکار اور اقتدار سے ایک اجنبی کتابی سوخی کرتا جو ابھی عہد عثمانی میں مسلمان ہوتا ہے اور مسلمان ہوتے ہی تمام اسلامی بلاد میں فتنہ وفساد پھیلانے کی ذمہ داری بھی اپنے ذمہ لے لیتا ہے اگر عبداللہ بن عامر، یا امیر معاویہ اس اجنبی کو جو یہودی تھا پکڑتے اور باز پرس کرتے تو اس کے سوا مفر نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے والا ایک مکار ثابت ہوتا پھر وہ حضرت عثمان کو مطلع کرتے اور یہ اپنی سزا کو پہنچ جاتا اور اگر کہیں عبداللہ بن ابی سرح اس کو پا لیتے تو کسی حالت میں معاف نہیں کرتے وہ سزا دیتے جو حضرت عثمان کے خوف سے ۔۔۔۔۔کو نہیں دے سکتے تھے:

اور جو شخص ابن ابی بکر کو، ابن ابو حذیفہ کو اور بعض روایات کے مطابق عمار یاسر کو سزا دینے کی حضرت عثمان سے اجازت چاہتا ہو وہ ایک کتابی کو کس طرح معاف کرسکتا تھا جس نے اسلام کو مسلمانوں میں نفاق اور تفرقے کا ذریعہ بنالیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے خلیفہ بلکہ پورے دین کی طرف مشکوک کرتا تھا اور پھر گورنروں کے لئے یہ بالکل آسان تھا کہ وہ اس اجنبی پر نظر رکھتے اور گرفتار کرکے سزا دیتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ اپنے مخالفین اور مقابلہ کرنے والوں کو پتہ چلانے اور ان کو شہر بدر کرنے ،امیر معاویہ، عبدالرحمن بن خالد بن ۔۔۔تک پہنچانے میں کافی مہارت رکھتے تھے"

کتاب حضرت عثمان ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ

ص 143,142

اس کے بعد اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

"غالب گمان یہ ہے کہ اموی اور عباسی دور میں شیعوں کے مخالفین نے عبداللہ بن سبا کے معاملہ میں بڑے مبالغہ سے کام لیا تا کہ ایک طرف بعض واقعات کو مشکوک کردیا جائے جو

حضرت عثمان اوران کے حاکموں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف حضرت علی اورشیعوں کی برائی کی جائے اوران کے بعض خیالات کی بنیادایک ایسے نومسلم یہودی کو قراردیا جائے جومسلمانوں کوفریب دینے کے لئے مسلمان بنا تھا"

کتاب حضرت عثمان ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ ص 144

حالانکہ شیعہ اعتقادی صرف حضرت علی کوپیروی کی وجہ سے شیعہ علی کہلاتے تھے اور یہ نام خود پیغمبر اکرم صلعم نے حضرت علی کی پیروی کرنے والوں کودیا تھا شیعہ حضرت علی کو اس لئے امام اور ہادی خلق مانتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلعم نے خدا کے حکم سے ان کے امام اور ہادی خلق ہونے کا اعلان کیا شیعہ حضرت علی جوپیغمبر اکرم کا وصی اور خاتم الاوصیاء بھی اس لئے مانتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے خود حضرت علی کواپنا وصی اور خاتم الاوصیاء کہا شیعہ اس لئے انھیں معصوم عن الخطاء مانتے ہیں کہ خدا نے ان کی شان میں **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا** نازل کی اور **ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا** کے ذریعہ ان کے اصطفا کی گواہی دی اور **ھواجتباکم** کے ذریعہ ان کے اجتباء کی شہادت دی اور اصطفے واجتبے اور **یطھرکم تطھیرا** ان کی عصمت پرواضح دلیل ہیں اور قرآن اوراعلانات پیغمبرآن کے منصوص من اللہ ہونے پرگواہ ہیں۔

لیکن پیغمبرؐ کے بعد قائم ہونے والی حکومت کے طرفدار یہ کہتے ہیں کہ شیعہ فرقہ پیدا کردہ عبداللہ بن سبا یہودی کا ہے، یہ عبداللہ بن سبا نے پروپیگنڈہ کیا کہ علی وصی رسول ہیں اور خاتم الاوصیا ہیں یہ اس نے پروپیگنڈہ کیا کہ علی امام ہیں اور ہادی خلق ہیں یہ اس نے پروپیگنڈہ کیا کہ علی معصوم عن الخطاء ہیں یہ اس نے پروپیگنڈہ کیا کہ علی منصوص من اللہ ہیں اگر واقعاً وہ یہی کہتا تھاتو پھر وہ قرآن کے فرمان اور پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے ارشادات کے مطابق بات کہتا تھا لیکن جوعلی کوخدا کہتا ہو وہ ہرگز ہرگز ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔

اہل سنت کے اس معروف ومشہور محقق نے یہ ٹھیک ہی کہا کہ اس عبداللہ بن سبا کو شیعوں کو بدنام کرنے اور حضرت عثمان کے عمال کی بداعمالیوں کو مشکوک کرنے کے لئے استعمال کیا ہے ورنہ حقیقت میں ایسے عبداللہ بن سبا کا کوئی وجود نہیں ہے اور وہ عبداللہ بن سبا جو یہ کہتا تھا کہ علی خدا ہیں کیا وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ علی محمد مصطفےٰ صلی واللہ علیہ وآلہ کے وصی و نائب تھے؟ اس طرح تو وہ اپنے خدا کی شان کو خود گھٹانے والا بنتا اور لوگ اس سے پوچھتے کہ کیا تیرا خدا محمد کا وصی و نائب ہے کیا بہتان، افتراء اتہام طرازی اور بے انصافی کی اس سے بھی بڑھ کر دنیا میں کہیں مثال مل سکتی ہے۔

یہ عبداللہ بن سبا جس نے حضرت علی کو خدا کہا تھا، اس کی کہانی بس اتنی ہے کہ اس نے حضرت علی کے خدا ہونے کا عقیدہ پھیلایا۔ جب حضرت علیؑ کو معلوم ہوا کہ وہ اس قسم کا عقیدہ پھیلا رہا ہے تو آپ نے اسے طلب کر کے پہلے تو تین دن کی توبہ کے لئے اسے مہلت دی اور جب وہ باز نہ آیا تو بعض محققین کے نزدیک حضرت علی نے اسے جلا کر موت کی سزا دے دی لیکن ابو زہرہ مصری کہتے ہیں کہ حضرت علی نے اس مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا حالانکہ مدائن عراق ہی کا ایک شہر ہے اور عراق میں اس کا کوئی وطن نہیں تھا لہٰذا مدائن کی طرف جلاوطنی کی بات حقیقت کے خلاف ہے۔

کیا اس سے بڑھ کر جھوٹ کوئی اور ہو سکتا ہے؟

دنیا میں آج جتنے بھی مذاہب اور فرقے ہیں وہ سب اپنی نسبت کو اس فرقے کے بانی کی طرف منسوب کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں، مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا اس کے ماننے والے اس کی طرف نسبت کو اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں اور قرآن سے اور صحاح ستہ سے اس کے نبی ہونے کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ دوسرے مسلمان

انھیں مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور انھیں ایک غیر مسلم فرقہ قرار دیتے ہیں اسی طرح دنیا کا ہر فرقہ اپنے بانی کی طرف اپنی نسبت پر فخر کرتا ہے لیکن تمام شیعہ عبداللہ بن سبا پر لعنت بھیجتے ہیں اور اسے شیعہ ماننا تو درکنار اسے مسلمان بھی نہیں سمجھتے اور شاید یہ دنیا میں واحد واقع ہے کہ وہ فرقہ جو کسی شخص کو کافر و مشرک کہتا ہو اور اس پر لعنت کرتا ہو اسے انھیں کا بانی کہا جائے دنیا میں اس سے بڑی تہمت شاید آج تک کسی پر نہ لگائی گئی ہوگی اور اس سے بڑا جھوٹ آج تک نہ بولا گیا ہوا۔ حالانکہ کسی مذہب کے بارے میں لکھنے کا اصل اصول یہ ہے کہ اس مذہب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہو وہ ان کی مستند کتابوں سے اور انے ذمہ دار علماء کے بیان سے نقل کیا جائے نہ کہ خود اپنی طرف سے کسی پر تہمت کے طور پر بیان کیا جائے۔

لیکن اہل سنت کے بہت سے دانشور یہ لکھتے نہیں تھکتے کہ شیعہ فرقہ پیدا کردہ عبداللہ بن سبا یہودی کا ہے اور ان کے مولوی منبروں پر گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنا حلق خشک کر لیتے ہیں کہ شیعہ فرقہ پیدا کردہ عبداللہ بن سبا یہودی کا ہے حالانکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اہل سنت والجماعت کا بانی سامری ساحر تھا تو وہ غور کریں کہ ان کو یہ کیسا لگے گا؟ پس شیعوں کی طرف عبداللہ بن سبا کی نسبت بھی بالکل اسی طرح کی ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کی نسبت سامری کی طرف،

تاہم ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب ''اسلامی مذاہب'' میں یہ تسلیم کیا ہے کہ ''آج کل اعتدال پسند شیعہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ عبداللہ بن سبا شیعہ تھا وہ اسے شیعہ تو کیا مسلمان بھی نہیں مانتے، ہم اس بات میں شیعہ کے ہمنواء ہیں اور ان کے اس دعویٰ کی تائید کرتے ہیں۔

اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 70

لیکن ابوزہرہ مصری کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آجکل یہ بات ہے کیونکہ جس وقت اعتقادی شیعہ فرقہ اپنے عقائد کے ساتھ بالفعل معرض وجود میں آیا اس وقت حتماً و یقیناً عبداللہ بن سبا کا دنیا میں وجود ہی نہ تھا اور جب وہ عہد عثمانی میں مسلمان ہو کر بلاد اسلامی میں آیا تو شیعہ نے اس وقت بھی اسے شیعہ اور مسلمان نہیں مانا اور وہ ہمیشہ سے اس پر لعنت کرتے آئے۔

بہرحال ابوزہرہ مصری نے اپنی کتاب (اسلامی مذاہب) میں جو یہ لکھا ہے کہ

اسلامی فرقے دو طرح کے ہیں

نمبر1: اعتقادی فرقے

نمبر2: سیاسی فرقے

تو ہم نے اب تک یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کا سب سے پہلا اعتقادی فرقہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہے جو پیغمبر کے زمانہ میں بالقوہ موجود تھا اور پیغمبر کی رحلت کے عین بعد بالفعل ظہور میں آ گیا اب ہم اس سے آگے اسلام کے سب سے پہلے سیاسی فرقے کا حال بیان کرتے ہیں۔

اسلام کا پہلا سیاسی فرقہ

اسلام کا سب سے پہلا سیاسی فرقہ وہی ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ کے سیاسی معرکہ کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا ہے چونکہ اس سیاسی جماعت کے سربراہ و رہنما و روح رواں حضرت عمر ہیں لہذا اس جماعت کا اصل الاصول بھی انہیں کا وضع کردہ ہے۔غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' میں ان کا قول جامع ابن عبدالعزیز کے حوالے سے ''اسلام اور جماعتی زندگی'' کے عنوان کے تحت اس طرح سے لکھا ہے

''حقیقت یہ ہے کہ اسلام نام ہی جماعتی زندگی کا ہے حضرت عمر کا یہ ارشاد اسی حقیقت تبیین

ہے یعنی آپ نے فرمایا

" لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة والاماره الا بطاعة "

جامع ابن عبدالعزیز

" جماعت کے بغیر اسلام کا وجود ہی نہیں ہے اور جماعت کی ہستی امیر کے ساتھ ہے اور امارت کا مدار اطاعت پر ہے" تصوف کی حقیقت ص 236

لیکن ہم سابق میں ثابت کر آئے ہیں کہ اسلام نام ہے صرف اور صرف خدا کی اطاعت کا، لہذا اگر صرف ایک آدمی بھی خدا کا مطیع ہے تو وہ اسلام پر ہے یہ۔۔۔۔خدا کی اطاعت کرتا ہے یا خدا کے مقررہ کردہ نمائندہ یعنی انبیاء ورسل اور ہادیان دین و آئمہ معصومین کی اطاعت کرتا ہے جن کی اطاعت کو خودخدا نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں قائم ہونے والی سب سے پہلی حکومتی جماعت کا اصل الاصول یہ ہے کہ ہر امارت وسلطنت وحکومت کی اطاعت کرنے کا نام اسلام ہے اور حاکم کی اطاعت کرنے والی جماعت اسلام پر ہے اور اسی لئے یہ جماعت سورہ النساء کی آیت نمبر 59 یا ایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوالرسول اولی الامر منکم میں واقع لفظ اولی الامر کا معنی ومطلب حکومت وقت لیتی ہے چونکہ مدینے آنے کے بعد پیغمبر گرامی اسلام کو ظاہری اور دنیاوی اقتدار بھی حاصل ہوگیا لہذا کچھ لوگوں نے پیغمبر کی دنیاوی حکومت کی طرح حکومت سمجھا اور اس کے حصول کے بارے میں سوچنے لگے اور بالآخر اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور زیادہ تر لوگ برسر اقتدار آنے والوں کے ساتھ ہو گئے اور تعلیمات قرآنی کے مطابق خدا کے حکم سے پیغمبر نے جس کی امامت کا اعلان کیا تھا اس کو ماننے والے اور اس کی پیروی کرنے والے بالکل قلیل رہ گئے اور پیغمبر صلعم کے ارشاد کے مطابق شیعہ علی کہلائے یہ دونوں فرقے بہت دور جا کر نہیں بلکہ پیغمبر اکرم صلعم کی رحلت کے عین بعد معرض وجود میں آئے۔

چونکہ حضرت عمر نے ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کو اسلام کہا تھا لہذا اس فرقے کے دانشوروں نے جب بھی کوئی بات کی تو اسی اسلام کو مدنظر رکھ کر بات کی اور اسلام کے بارے میں یہ سمجھ لیا جیسا کہ یہ سقیفہ بنی ساعدہ میں نازل ہوا تھا البتہ مورخ شہیر علامہ مسعودی نے اپنا مشہور تاریخ مروج الذہب میں سابقہ انبیاء کے جانشینوں کے تقرر کا جو بذریعہ وصیت ہوتا رہا بیان کرنے کے بعد اس طرح سے لکھا ہے۔

وکانت الوصیة جاریة تنتقل من قرن الیٰ عبدالله ابی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ، وهذا موضع تنازع الناس فیه من اهل الملته من قال بالنص و غیر هم من اصحاب الاختیار ۔

والقائلون بالنص هم الا باضیة اهل الامامة من شیعة علی ابن ابی طالب رضی الله عنه والطاهرین من ولاه والذین زعموا ان الله لم یحل عصراً من الاعصاء من قائم بحق الله ۔ اما انبیا واما اوصیاء منصوم من اسمائهم اعیانهم من الله و رسوله اصحاب الاختیار فقها الامصار والمعتزله و فرق من الخوارج من المیدیه فزعهم هولاء ان الله و رسوله فوض الی الامة ان تختار رجلا منها فتنصبه لها اماماً

مروج الذہب مسعودی جزء اول ص 39

یعنی اسی طرح سے یہ وصیت ایک زمانے سے دوسرے زمانے تک منتقل ہوتی رہی یہاں تک کے خداوند تعالیٰ نے اس نور کو صلب عبدالمطلب میں اور عبداللہ والد محمد مصطفیٰ میں ودیعت کیا۔

اب یہ وہ مقام ہے جہاں پر اہل سنت تنازعہ کرتے ہیں ایک تو وہ ملت ہے جو نص (امامت بالنص) کی قائل ہے اور دوسرے لوگوں اختیار کے قائل ہیں

امامت یا نص کے قائل حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کی اولاد مطہرین کے شیعہ ہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں ہے وہ امام یا تو نبی ہوگا یا اسکا وصی ۔جس کو خدا اور رسول نص کے ساتھ مقرر کردے اور اصحاب اختیار فقہا و معتزلہ و خوارج کے فرقے اور مرجیہ اور اصحاب الحدیث کی اکثریت اور عوام الناس اور زیدیہ کے کچھ فرقے ہیں ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ خدا اور رسول نے امت کو یہ اختیار سپرد کردیا ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو اپنا امام مقرر کرلیں"

حالانکہ خدا نے سورہ القصص میں اس طرح سے فرمایا ہے

" و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون ۔ (القصص ۔68)

اور تمہارا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے) اختیار کرتا ہے منتخب کرنا یا اختیار کرنا لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے اور جس کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں اس سے خدا کہیں پاک اور برتر ہے

اور یہ جو بات بنائی گئی ہے کہ خدا نے امت کو اختیار دے دیا ہے کہ تم جسے چاہو بنا لو یہ بھی صرف بات ہی بات ہے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ جیسے ہم نے اپنی اس کتاب میں بھرپور طور پر ثابت کیا ہے۔ بہر حال جن لوگوں نے پیغمبر کی حکومت کو دنیاوی اقتدار کے طور پر سمجھا تھا وہ اس کے حصول میں لگ گئے اور اسے حاصل کرنے میں جس طرح بھی ہوسکا کامیاب ہوگئے۔

پس حضرت عمر کے قول **لا اسلام الی بجماعۃ ولا جماعۃ الا بامارۃ والا امارۃ الا بطاعۃ** کے مطابق یہ ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کا اسلام اور اسلام کا سب سے پہلا سیاسی فرقہ تھا مگر ان کے پاس اقتدار پر آنے کے لئے کوئی اصول

نہیں تھا، سوائے اس کے کہ جو بھی بر سر اقتدار آ گیا اسی کی اطاعت اختیار کر لینی چاہیے، لیکن جب بر سر اقتدار آنے والوں کے پیروکاروں نے مذہب کی شکل اختیار کر لی تو وہ ایک گونہ مشکل میں پھنس گئے کیونکہ پیغمبرؐ کے بعد بر سر اقتدار آنے والوں میں سے کوئی بھی کسی ایک اصول کے ماتحت بر سر اقتدار نہیں آیا تھا بلکہ جو جس طرح بر سر اقتدار آ گیا بعد والوں نے اسے بھی ایک اصول مان لیا اور چونکہ جس طرح پہلا بر سر اقتدار آیا تھا اس طرح دوسرا بر سر اقتدار نہیں آیا اور جس طرح دوسرا بر سر اقتدار آیا اس طرح تیسرا بر سر اقتدار نہیں آیا اور جس طرح تیسرا بر سر اقتدار آیا اس طرح چوتھا بر سر اقتدار نہیں آیا اور جس طرح چوتھا بر سر اقتدار آیا اس طرح بنی امیہ اور بنی عباس اور ان کے بعد والے بادشاہ بر سر اقتدار نہ آئے لہذا انھوں نے کہا کہ ایک اصول وہ ہے جس طرح پہلے پہلا بر سر اقتدار آیا، دوسرا اصول وہ ہے جس طرح دوسرا بر سر اقتدار آیا، تیسرا اصول وہ ہے جس طرح تیسرا بر سر اقتدار آیا ملاحظہ ہو (اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 53,52

حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جب کوئی فوج لے کر کسی پر چڑھ دوڑا اور اس نے لوگوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور اپنی حکومت قائم کر لی تو انھوں نے یہ اصول بنایا کہ

"امامت منعقد ہو جاتی ہے قہر و غلبہ سے پس اگر کوئی شخص لوگوں کو قہر غلبہ سے مغلوب کر لے تو وہ امام ہو جاتا ہے چاہے وہ کتنا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہوں (شرح مقاصد ملا تفتازانی)

مگر جب دنیا میں مغرب کی جمہوریت کا چرچا ہوا تو انھوں نے یہ قرار دیا کہ خلیفہ مشورہ سے مقرر ہونا چاہیے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اگر مشورہ سے ہونا چاہیے تھا تو ہوا کیسے اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل حقائق پر غور کرنا ضروری ہے۔

نمبر 1: حضرت عمر پیغمبر کی وفات تک پیغمبر کے پاس موجود رہے

الفاروق شبلی ص 111 دوسرا مدنی ایڈیشن

197

نمبر 2: حضرت عمر پیغمبر کی وفات کے فوراً بعد حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کروں مگر ابوعبیدہ بن الجراح نے حضرت ابو بکر کا نام تجویز کر دیا۔

طبقات ابن سعد ق 1.31 ص 128, 129

حضرت ابو بکر چونکے اپنے گھر محلّہ سخ گئے ہوئے تھے لہذا حضرت عمر نے مسجد میں آ کر تلوار گھمانی شروع کر دی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت نے انتقال کیا میں اسے قتل کر دوں گا۔ اور جب تک حضرت ابو بکر نہ آئے تلوار گھماتے رہے۔

الفاروق شبلی ص 111 دوسرا مدنی ایڈیشنل ص 111

حضرت ابو بکر نے آ کر جب وہ آیات پڑھیں جن میں آنحضرت کی موت کا ذکر تھا تو حضرت عمر نے فرمایا۔

" او انها فی کتاب الله ما شعرت انها فی کتاب الله ثم قال ایها الناس هذا ابو بکر ذو سبیقة فی المسلمین فبایعوه ، فبایعوه " الھدایہ والنھایہ ج 5 ص 242

یعنی کیا یہ آیت قرآن میں ہے مجھے تو یہ علم ہی نہ تھا کہ یہ آیت بھی قران میں ہے پھر کہا اے لوگوں یہ ابو بکر ہیں جنہیں مسلمانوں میں سبقت حاصل ہے تم ان کی بیعت کرلو، تم ان کی بیعت کرلو۔

یعنی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی بیعت بھی خود بخود بلا کسی مشورے کے کر رہے تھے اور حضرت ابو بکر کی بیعت کے لئے بھی بلا کسی مشورے اور انتخاب کے کہہ رہے

تھے بہر حاج جو شخص غیر جانبدارانہ طور پر تحقیق کریگا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ شروع سے آخر تک خلافت کا سارا معاملہ صرف اور صرف ایک حضرت عمر کی رائے اور مرضی اور منصوبے کے گرد گھوم رہا ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں کس طرح معرکہ آرائی ہوئی اور حضرت ابو بکر کی کس طرح بیت ہوئی اس کی تفصیل میں جانے کی ضروت نہیں ہے حضرت عمر کا صرف ایک فقرہ اصل حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھانے کے لئے کافی ہے۔ ابن حجر مکی نے ان کا یہ فقرہ صواعق محرقہ میں اس طرح نقل کیا ہے

" ان بيت ابى بكر كا نت فلتة لكن وقى الله شهر ها فمن عاد الى مثلها فاقتلوه "

یعنی ابو بکر کی بیت فلتہ بغیر سوچے سمجھے ناگہانی طور پر ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے بچالیا۔ اب اگر آئندہ کسی اور نے یہ طریقہ اختیار کیا تو اسے قتل کر دینا۔

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں حضرت ابو بکر کی سقیفہ میں بیعت کا حال اس طرح لکھا ہے

"مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سے بااثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابو بکر تھے اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا لیکن لوگ انصار کی بحث ونزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آتیں، حضرت عمر نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتاً حضرت ابو بکر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔

الفاروق شبلی ص 118

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

اور مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں صحیح بخاری کتاب المحاربین باب 16 اور مسند احمد حنبل ج 1 حدیث 391 طبع ثالث، دار المعارف مصر

1949 کے حوالہ سے اسطرح لکھا ہے

''حضرت عمر کی زندگی کے آخری سال حج کے موقع پر ایک شخص نے کہا' اگر عمر کا انتقال ہوا تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا کیونکہ ابو بکر کی بیعت بھی تو اچانک ہی ہوئی تھی اور آخر وہ کامیاب ہوگئی۔

حضرت عمر کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا میں اس معاملہ میں تقریر کروں گا اور عوام کو ان لوگوں سے خبردار کروں گا جو ان کے معاملات میں غاصبانہ تسلط قائم کرنے کے ارادے کررہے ہیں چنانچہ مدینہ پہنچ کو انھوں نے اپنی تقریر میں اس قصہ کا ذکر کیا اور بڑی تفصیل کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی سرگزشت بیان کرکرے بتایا کہ اس وقت مخصوص حالات تھے جن میں اچانک حضرت ابو بکر کا نام تجویز کرکے میں نے ان کے ہاتھ میں بیعت کی تھی اس سلسلے میں انھوں نے فرمایا:

اگر میں ایسا نہ کرتا اور خلافت کا تصفیہ کئے بغیر ہم لوگ مجلس سے اٹھ جاتے تو اندیشہ تھا کہ راتوں رات لوگ کہیں غلط فیصلہ نہ کربیٹھیں اور ہمارے لئے اس پر راضی ہونا بھی مشکل ہو اور بدلنا بھی مشکل۔ یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اسے آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا تم میں ابو بکر جیسی بلند و بالا اور مقبول شخصیت کا مالک کون ہے اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کریگا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی دونوں اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کریں گے۔

خلافت وملوکیت ص 85,84

ہم مذکورہ بیان پر اس سے زیادہ کوئی اور تبصرہ کرنا نہیں چاہتے کہ خود حضرت عمر کے نزدیک جو شخص اس طرح خلیفہ بنایا جائے گا جس طرح سے انھوں نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنایا تھا تو جو شخص اس طرح خلیفہ بنے گا وہ بھی واجب القتل ہوگا اور جو اس کی بیعت

کریگا وہ بھی واجب القتل ہوگا۔ اور یہ کہ اس طریقہ سے خلیفہ بنائے جانے کو آئندہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جاسکتا اس سے زیادہ اس طریقہ کے ناجائز ہونے کا اور کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا طرفداران حکومت بعد میں چاہے کتنا ہی خوبصورت الفاظ کا جامہ پہناتے رہیں۔

علاوہ ازیں تمام تاریخی شواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے بعد دنیاوی اقتدار ہرگز کسی اصول کے ماتحت حاصل نہیں کیا گیا بلکہ خلافت کا سارا کا سارا معاملہ حضرت عمر کی ذات کے گرد گردش کرنے والے وہ۔ خلافت کے اصول وقت کے ساتھ بدلنے والے وہ۔ اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے والے بھی وہ لیکن جب مغرب کی جمہوریت نے دنیا میں پاؤں پھیلائے تو مغرب کی جمہوریت کے سامنے سرخرو ہونے کے لئے بعد میں حکومت کے اصول گھڑے گئے اور ان پر غیر متعلق آیات کو چپکا کر مطلب نکالا گیا جس کا بیان آگے آتا ہے

خلافت کے موجودہ اصل بہت بعد میں گھڑے گئے

جیسا کہ ہم سابق میں ثابت کر چکے ہیں کہ پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آنے والوں کے پاس حصول اقتدار کا کوئی اصول نہیں تھا کوئی ضابطہ اور دستور نہیں تھا جب پیغمبر گرامی اسلام کو مدینہ میں اقتدار ظاہری حاصل ہوگیا تو یہ لوگ اس کے حصول کی جدوجہد میں لگ گئے اور کامل منصوبہ بندی کے ساتھ اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے لیکن جب مغرب کی جمہوریت نے دنیا میں پاؤں پھیلائے تو مغرب کی جمہوریت سے مرعوب ہوکر ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلامی کی پیروی کرنے والوں نے بہت عرصہ چوک بچار کرنے کے بعد یہ نظریہ قائم کیا کہ خلیفہ کو مسلمانوں کے مشورہ اور ان کی رضا مندی سے تعینات ہونا چاہیے جیسا کہ جدید دور کے مفکر مولانا مودودی صاحب نے اپنی

کتاب خلافت وملوکیت میں ''شوریٰ'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے جو اس طرح ہے۔

''اس ریاست کا پانچواں اہم قاعدہ یہ تھا کہ سربراہ ریاست مسلمانوں کے مشورہ اور ان کی رضامندی سے مقرر ہونا چاہیے اور اسے حکومت کا نظام بھی مشورہ سے چلانا چاہیے قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے'' وامرھم شوریٰ بینھم " الشوریٰ۔38

اور مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے چلتے ہیں

" و شاورھم فی الامر" آل عمران۔159

''اور اے نبی ان سے معاملات میں مشاورت کرو (خلافت وملوکیت۔69)

ابوزہرہ مصری نے بھی اپنی کتاب اسلامی مذاہب میں ان ہی دونوں آیتوں سے استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو''

اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 50

لیکن یہ دونوں آیات خلیفہ کے تقرر کے بارے میں ذرا سا بھی اشارہ نہیں کرتیں کیونکہ قرآن کریم کی ایک آیت صریحاً اس بات کی مخالفت کرتی ہوئی نظر آتی ہے جو یہ کہتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس مطلب کے لئے اپنے بندوں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا

" و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرہ سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون " القصص۔68

''یعنی تیرا رب ہی جسے چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے اپنے منصب کے لئے جسے چاہتا ہے اختیار کرتا ہے اس کے بندوں میں سے کسی کو بھی اس کے کسی منصب دار کو منتخب کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں ""یخلق" "اور" "یختار"
کی تشریح وتفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں
(ف ۔7) یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت اور اختیار میں ہے اور کسی چیز کو پیدا کرنے اور چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے جو اس کی مرضی ہو احکام بھیجے۔ جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب ومرتبہ پر فائز کرے۔ جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرمادے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع وافراد سے ممتاز بنادے اس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار وانتخاب کا حق حاصل نہ ہے۔

تفسیر عثمانی ص 509

اس سے ثابت ہوا کہ سورہ القصص کی یہ آیت مذکورہ نظریہ کے سراسر خلاف ہے کیونکہ یہ آیت تو کہتی ہے کہ مناصب الٰہیہ میں سے کسی بھی منصب کے لئے منتخب کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے خدا اس کے اس شرک سے پاک وپاکیزہ ہے یعنی خدا کے نزدیک ایسا کام کرنا شرک ہے۔

اب ہم اس کے مطلب کی طرف آتے ہیں کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں سے کوئی آیت بھی خلیفہ کے تقرر کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ " امرھم شوریٰ بینھم "تو مومنوں
کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ جب وہ اپنا کام کرتے ہیں تو وہ اپنے کام آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ کے ذریعہ کرتے ہیں اس میں مومنین کے لئے اپنے دنیاوی کاموں میں مشورہ کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے یہ خلیفہ کے تقرر کے بارے میں نہیں ہے اور نہ ہی پیغمبر کے جانشین کے انتخاب کو لوگوں کا اپنا دنیاوی معاملہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک دوسری آیت " و شاورھم فی الامر " کا تعلق ہے تو یہ بھی خلیفہ کے تقرر کو بیان نہیں کرتی بلکہ یہ پیغمبر کو ان امور سے متعلق جن کا تعلق خاص طور پر اصحاب ہی سے ہوتا ہے مشورہ کرنے کا حکم دے رہی ہے جیسا کہ جنگ بدر میں مہاجرین وانصار سے جنگ کے بارے میں ان کی شرکت کے لئے مشور دیا جنگ احد میں تمام اہل مدینہ سے سرپا ئے ہوئے دشمن کے خلاف دفاع کی نوعیت کے بارے میں مشورہ اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مذکورہ آیت جنگ احد کے عین بعد نازل ہوئی تھی جو اس آیت کے سیاق وسباق اور خود اس کے متن سے صاف ثابت ہے

مختصر واقعہ یہ ہے کہ ابو سفیان تین ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہو گیا جب پیغمبر اکرم صلعم کو اس کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے تمام مسلمانوں سے اس امر میں دفاع کے لئے مشورہ کیا کہ اس کا مقابلہ کس طرح کیا جائے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے یہ مشورہ دیا کہ ہمیں مدینہ کے اندر رہ کر لڑنا چاہیے اس طرح سے گلیوں اور بازاروں میں مردان سے مقابلہ کریں گے اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے ان پر خشت باری کریں گی لیکن دوسروں نے میدان میں نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا، لہذا پیغمبر اکرم صلعم **فاذا عزمت فتوکل علی اللہ** کے مطابق اپنے خانہ مبارک میں داخل ہوئے اور اسلحہ جنگ سے مسلح ہو کر باہر نکلے تو مسلمانوں نے جان لیا کہ پیغمبر کا ارادہ باہر میدان میں دفاع کرنے کا ہے لہذا مسلمانوں کا ایک ہزار کا لشکر آنحضرت کے ساتھ میدان احد میں جانے کے لئے باہر نکلا لیکن عبداللہ بن ابی آدھے راستہ تک جا کر اپنے 300 ساتھیوں کے ہمراہ واپس لوٹ آیا اور اس نے کہا کہ جب میرا مشورہ ہی نہیں مانا تو میں اپنے ساتھیوں کو مروانا نہیں چاہتا۔ اس کی واپسی کے بعد مسلمانوں کی تعداد صرف 700 رہ گئی۔

ہمیں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے اس جنگ میں پہلے مرحلے میں

مسلمانوں کو فتح ہوگئی تھی لیکن مسلمان پیغمبر اکرم صلعم کی حکم عدولی کرتے ہوئے مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کفار نے گھاٹی کو عبور کر کے یکلخت مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ 70 مسلمان شہید ہوئے کافی زخمی ہوئے اور باقی نے راہ فرار اختیار کی اور پیغمبر اکرم صلعم کو تنہا چھوڑ گئے بہر حال حضرت علی اور کچھ جاں نثاری کرنے والے انصار کی کوشش سے یہ ہاری ہوئی جنگ پھر فتح میں بدلی اور کافروں نے راہ فرار اختیار کی اور بھاگے ہوئے مسلمان بھی رفتہ رفتہ اکٹھا ہونے لگے۔ پیغمبر نے شہداء کے لاشوں پر کھڑے ہوکر اظہار رنج وغم اور افسوس کیا زخمیوں کی حالت دریافت کی اس کے بعد خدا نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 149 سے آیت نمبر 161 تک تقریباً 13 آیات نازل فرمائیں چنانچہ ایک آیت ان میں اس طرح ہے

" فبما رحمة من الله لنت لهم، ولو كنت فظاً غليظاً لقلب لا انفضو من حولك ، فاعف عنهم واستغفرلهم و شاورهم في الامر . فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين " (آل عمران 159)

حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن اسیر مالٹا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

''سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تندخو، سخت دل، تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے۔ سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے''

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس آیت کی تفسیر میں اسطرح لکھا ہے۔

(ف۔9) مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں پر تنبیہ فرمانے اور معافی کا اعلان سنانے کے بعد نصیحت کی تھی کہ آئندہ اس مار آستین جماعت کی باتوں سے فریب مت کھانا، اس آیت میں

ان کے عفو تقصیر کی تکمیل کی گئی ہے ۔ چونکہ جنگ احد میں سخت خوفناک غلطی اور کوتاہی مسلمانوں سے ہوئی تھی ۔شاید آپ کا دل خفا ہوا ہوگا اور چاہا ہوگا کہ آئندہ ان سے مشورہ لے کر کام نہ کیا جائے ۔اس لئے حق تعالی نے نہایت عجیب وغریب پیرایہ میں ان کی سفارش کی اول اپنی طرف سے معافی کا اعلان کرایا۔ کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ آپ کا غصہ اور رنج خالص اپنے پروردگار کے لئے ہوتا ہے پھر فرمایا "فبما رحمته من الله لنت لهم " یعنی اللہ کی کتنی بڑی رحمت آپ پر اور ان پر ہے کہ آپ کو اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو بنادیا کوئی اور ہوتا تو خدا جانے ایسے سخت معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرتا یہ کچھ اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ تجھ جیسا شفیق نرم دل پیغمبر ان کو مل گیا ۔فرض کیجئے کہ اگر خدانہ کردہ آپ کا دل سخت ہوتا اور مزاج میں شدت ہوتی تو یہ قوم آپ کے گرد کہاں جمع ہوسکتی تھی ان سے کوئی غلطی ہوتی اور آپ سخت پکڑتے تو شرم و دہشت کے مارے پاس بھی نہ آسکتے ۔اس طرح یہ لوگ بڑی خیرو سعادت سے محروم رہ جاتے اور جمیعتہ اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا لیکن حق تعالی نے آپ کو نرم دل اور نرم خو بنایا آپ اصلاح کے ساتھ ان کی کوتاہیوں سے اغماض کرتے رہتے ہیں سو یہ کوتاہی بھی جہاں تک آپ کے حقوق کا تعلق ہے معاف کردیجئے اور گو خدا تو اپنا حق معاف کر چکا ہے تاہم ان کی مزید دلجوئی اور تطییب خاطر کے لئے ہم سے بھی ان کے لئے معافی طلب کریں تا کہ یہ شکستہ دل آپ کی خوشنودی اور انبساط محسوس کر کے بالکل مطمئن اور منترج ہوجائیں اور صرف معاف کردینا ہی نہیں آئندہ بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں ۔مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہوجائے اور پختہ ارادہ کرلیا جائے پھر خدا پر توکل کر کے اس کو بلاپس و پیش کر گزریئے خدا تعالی متوکلین کو پسند کرتا ہے اور ان کے کام بنادیتا ہے" تفسیر عثمانی ص 91-92

اس آیت کی تفسیر سے صاف ثابت ہے کہ جس طرح حملہ کی صورت خود ان کا دفاع کرنے

کے لئے مسلمانوں سے مشورہ لیا تھا آئندہ بھی اس طرح ان کے معاملات میں ان سے مشورہ لینے کو کہا گیا ہے کیونکہ اگر پیغمبر ناراضگی کی وجہ سے ان سے الگ تھلگ ہو جائے اور مسلمانوں خود کو قصوروار سمجھتے ہوئے شرم کے مارے دور دور رہیں تو جنگ کے لئے رسول اکیلا نہیں جاسکتا۔ لوگوں کو ساتھ لے جانا ضروری ہے اور ان کی نیت اور ارادہ معلوم کرنے کے لئے بھی ان سے پوچھ لینا ضروری ہے لہذا یہ مشورہ ان کی دلجوئی اور تسلی خاطر کے لئے ہے تاکہ وہ شکستہ دل خوش ہو مطمئن ہو جائیں کہ پیغمبر ہمارے قصور کی وجہ سے ہم سے ناراض نہیں ہیں بلکہ حسب سابق اسی طرح سے مشورہ لے رہے ہیں

پس یہ آیت کسی طرح بھی خلیفہ رسول کے تقرر کے بارے میں ذرا سا بھی اشارہ نہیں کرتی اور سورہ القصص کی آیت نمبر 68 واضح طور پر اس مطلب کی مخالفت کر رہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے" ما کان لھم الخیرۃ " آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی کو منصب الٰہی کے لئے اختیار کریں۔

بہر حال ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے پیرو کاروں نے خلافت کے یہ اصول مغرب کی جمہوریت کے رواج پا جانے کے بعد میں گھڑے ہیں اور زبردستی قرآنی آیات کو اپنے اس مفروضہ مطلب پر چپکایا ہے۔

اب تک پیغمبر اکرم صلعم کے عین بعد معرض وجود میں آنے والے دونوں فرقوں یعنی اسلام کے سب سے پہلے شیعہ اعتقادی فرقے اور اسلام کے سب سے پہلے سیاسی جماعت کے فرقہ کا حال بیان ہو چکا ہے اب اس سے آگے جتنے فرقے بنے وہ ان دونوں فرقوں کی شاخیں ہیں سب سے پہلے شیعہ اعتقادی فرقے سے بھی سیاست و فلسفہ و تصوف کے زیر اثر کوئی سیاسی شیعہ اور اعتقادی شیعہ فرقے بنے اور ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کی پیروی کرنے والوں کے بھی فلسفہ و تصوف کے زیر اثر کئی اعتقادی

فرقے معرض وجود میں آئے جن کا بیان اس سے آگے آتا ہے۔

ابوزہرہ مصری کے نزدیک سیاسی فرقوں کی تقسیم

ابوزہرہ مصری نے ''سیاسی فرقے'' کے عنوان کے تحت سیاسی فرقوں کی تقسیم اس طرح سے کی ہے

نمبر 1: شیعہ نمبر 2: خوارج نمبر 3 اہل سنت والجماعت

اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 62

یہ تینوں سیاسی فرقے اسی ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کی شاخیں ہیں جو پیغمبر اکرم صلعم کے عین بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے سیاسی معرکہ کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا تھا اس طور پر کہ وہ فرقہ جو ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کی پیروی کرتے ہوئے پہلے نمبر پر حضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتا تھا دوسرے نمبر پر حضرت عمر کو خلیفہ مانتا تھا تیسرے نمبر پر حضرت عثمان کو خلیفہ مانتا تھا، حضرت عثمان تو یہ ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے پیروی کرنے والے متحد رہے، لیکن چوتھے نمبر پر حضرت علیؑ کی خلافت کے سلسلہ میں اس جماعت میں پھوٹ پڑ گئی مکہ اور مدینہ کے مہاجر وانصار کے علاوہ، بصرہ، کوفہ ومصر کے رہنے والوں نے حضرت علیؑ کی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کر لی لیکن حضرت طلحہ اور زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت کرنے کے بعد توڑ دی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے اور وہاں حضرت عائشہ کو لے کر خون عثمان کے انتقام کے نام سے بصرہ پر چڑھائی کر دی چونکہ حضرت عائشہ کا لشکر خون عثمان کا نام لے کر میدان میں آیا تھا اس لئے انھوں نے پہلے مرحلہ میں خود کو شیعیان عثمان کے طور پر مشہور کیا ان کے مقابلہ میں

جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر کے ان کے چوتھے نمبر پر خلیفہ مان لیا تھا خود کو شیعیان علی کہلوانا شروع کردیا یہ جنگ تاریخ میں جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے شیعیان عثمان نے بعد میں خود کو عثمانی کہلانا شروع کردیا اور جنگ جمل میں شکست کھانے کے بعد یہ معاویہ سے جا ملے۔

لیکن مذکورہ عثمانیوں نے ،مروانیوں نے معاویہ سے تمام بنی امیہ اور تمام صوبہ شام کے مسلمانوں نے جس کے معاویہ گورنر تھے اور یہ صوبہ اس زمانہ میں موجودہ شام۔ لبنان۔اسرائیل۔فلسطین اور اردن کے پانچ ممالک پر مشتمل تھا۔

حضرت کو چوتھے نمبر پر بھی خلیفہ نہ مانا وہ حضرت علیؓ کو کافر کہتے تھے وہ حضرت علیؓ پر لعنت کرتے تھے وہ ان پر سب کرتے تھے اور ان کو گالیاں دیتے تھے انھوں نے ایک لحلہ کے لئے بھی حضرت علی کی بیعت نہیں کی اور حضرت عثمان کے بعد جب حضرت امام حق خلافت سے دستبردار ہو گئے تو چوتھے نمبر معاویہ کو ہی خلیفہ مانا ،مسلمانوں کا یہ گروہ حضرت علیؓ سے بغض وعناد کی بناء پر ناصبی کے نام سے معروف ہوا ،کتاب حضرت معاویہ واستخلاف یزید کے مؤلف لکھتے ہیں کہ علامہ جلال الدین فرماتے ہیں کہ:

النصب هو بغض علي و تقديم معاويه

کتاب حضرت معاویہ واستخلاف یزید

بحوالہ تدویب الراوی ص 219

ناصبیت حضرت علیؓ کے ساتھ بغض رکھنے اور حضرت معاویہ کو ان پر ترجیح دینے کا نام ہے

اور امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ معاویہ کے ساتھ مروانیوں ایک ایک بہت بڑی جماعت تھی جن کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی اور ان کے ساتھی ظالم تھے"

"یقولون ان علیاً و من معه کانوا ظالمین

منہاج السنہ امام ابن تیمیہ جلد 2 ص 207

اس کے بعد کتاب حضرت معاویہ اور استخلاف یزید کے مولف لکھتے ہیں کہ

"ترجمان اہل سنت حضرت امام ابن تیمیہ کی اس توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناصبیہ کو اہل سنت والجماعت میں محسوب نہیں کرتے"

کتاب حضرت معاویہ و استخلاف یزید 23-24

مذکورہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی سیاسی جماعت پہلے مرحلہ میں دو فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔

نمبر 1: حضرت علی کی چوتھے نمبر پر بیعت کر کے شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانے والی جماعت جن میں مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ اور مصر کے مسلمان شامل تھے

نمبر 2: عثمانی، مروانی، معاویہ اور تمام بنی امیہ اور سالم صوبہ شام کے باشندے جن پر معاویہ حکومت کرتا تھا اور جس میں موجودہ دور کے شام، لبنان، اسرائیل، فلسطین اور اردن شامل تھے اور جو حضرت علیؑ کو سب وستم کرتے تھے اور ناصبی کے نام سے معروف ہوئے۔

لہذا ابو زہرہ مصری نے سیاسی فرقوں میں جو تین فرقوں کا ذکر کیا ہے وہ پہلے مرحلہ میں صرف دو تھے ایک حضرت علی کو چوتھا خلیفہ ماننے والا شیعہ سیاسی فرقہ اور دوسرا حضرت علیؑ کی خلافت کو نہ ماننے والا اور معاویہ کا ساتھ دینے والا ناصبی فرقہ اور باقی دو فرقے جن کا ذکر ابو زہر مصری نے دوسرے اور تیسرے نمبر پر کیا ہے وہ حضرت علیؑ کی چوتھے نمبر پر بیعت کر کے شیعیان علی کہلانے والوں سے جدا ہو گئے یعنی نمبر 1 خاجی اور دوسرے اہل سنت والجماعت۔ لہذا ہم پہلے اس سیاسی شیعہ فرقے کا بیان کرتے ہیں جو حضرت کی چوتھے نمبر پر بیعت کر کے اور ان کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کہلایا اور جس سے خارجی اور اہل سنت

پیدا ہوئے

پہلے سیاسی شیعہ فرقے کا ظہور

یہ سیاسی شیعہ فرقہ جس کو ابو زہرہ مصری نے سیاسی فرقوں میں پہلے نمبر پر شمار کیا ہے یہ وہ شیعہ فرقہ نہیں ہے جس کا بیان ہم نے اعتقادی شیعہ امامیہ اثناعشریہ فرقے کے طور پر کیا ہے اور جو پیغمبر صلعم کی حیات میں بالقوہ موجود تھا اور جو آنحضرت کی وفات کے ساتھ ہی عین بعد اپنے نہیں عقائد کو محفوظ رکھتے ہوئے بالفعل معرض وجود میں آیا تھا بلکہ یہ وہ شیعہ فرقہ ہے جو ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت علیؑ کی چوتھے نمبر پر بیعت کر کے اور ان کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کے نام سے معرض وجود میں آیا تھا چنانچہ خود ابو زہرہ مصری اس سیاسی شیعہ فرقے کے عنوان کے تحت شیعہ کی اجمالی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

''شیعہ مسلمانوں کے سیاسی فرقوں میں سے قدیم ترین فرقہ ہے ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ فرقہ شیعہ کا ظہور حضرت عثمان کے آخری دور میں ہوا اور حضرت علی کے عہد خلافت میں پھلا پھولا۔ اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 63

ابو زہرہ مصری کو اپنی اس تحقیق میں مغالطہ ہوا ہے چونکہ یہ وہی فرقہ ہے جو ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت سے تعلق رکھتا ہے اور جو پہلے نمبر پر حضرت ابو بکر کو خلیفہ مانتا تھا، دوسرے نمبر پر حضرت عمر کو خلیفہ مانتا تھا، تیسرے نمبر پر حضرت عثمان کو خلیفہ مانتا تھا، مگر جب طلحہ و زبیر حضرت عائشہ کو ہمراہ لے کر بصرہ پر حملہ آور ہوئے اور خون عثمان کا انتقام لینے کے لئے جنگ جمل برپا کی تو چونکہ کسی مقتول کا انتقام لینا اس کے شرعی وارثوں کا

حق ہوتا ہے اور جنگ جمل میں ان کے وارثوں میں سے کوئی خون عثمان کا مطالبہ کرنے کے لئے شامل نہ تھا لہذا انھوں نے خود کو شیعیان عثمان کے طور پر پیش کیا اور ان کے مقابلہ میں جو لوگ حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر ان کی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے جنگ جمل میں شریک ہو کر برسر پیکار تھے۔ انھوں نے خود کو شیعیان علی کے طور پر ظاہر کیا۔ لہذا یہ سیاسی شیعہ فرقہ حضرت عثمان کے آخر دور میں نہیں بلکہ حضرت علی کے خلیفہ بن جانے کے بعد ان کو چوتھا خلیفہ ماننے کی صورت میں معرض وجود میں آیا۔

شاید ابو زہرہ مصری کی اس سے مراد کہ یہ سیاسی فرقہ حضرت عثمان کے آخری دور میں وجود میں آیا اور حضرت علی کے عہد خلافت میں پھلا پھولا وہی ہو جو اکثر اہل سنت کے بے انصاف اور حضرت عثمان کے عمال کی بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے والے مولفین و مصنفین کہتے آئے ہیں کہ شیعہ فرقہ پیدا کردہ عبداللہ بن سبا یہودی کا ہے۔ چونکہ وہ حضرت عثمان کے آخری دور میں مسلمان ہوا تھا اور اس کی گردن میں بہت سے سازشیں اور افسانے گھڑ کر ڈالے ہوئے ہیں اور پیغمبرؐ نے جو فضائل حضرت علیؑ کی شان میں بیان فرمائے تھے وہ بھی اس کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ہم اس عنوان کے تحت ثابت کریں گے کہ یہ شیعہ سیاسی فرقہ وہی ہے جس نے حضرت علی کو حضرت عثمان کے قتل کے بعد چوتھا خلیفہ مانا تھا اور جنگ جمل میں شیعیان عثمان کہلانے والوں کے مقابلہ میں اپنا نام شیعیان علی رکھا تھا اور خود کو شیعیان علی کے نام سے متعارف کرایا تھا چنانچہ کتاب ''تحقیق مزید'' ''علیؑ خلافت معاویہ و یزید'' کے جواب میں لکھی گئی ہے کتاب ''حضرت معاویہ اور استخلاف یزید'' کے مصنف نے اپنی مذکورہ کتاب میں اس شیعہ فرقے کی ابتدا کا حال اس طرح لکھا ہے کہ

''کتب و سیر و تاریخ کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد خلافت علی میں خانہ جنگیوں کے دوران امت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ایک گروہ شیعیان عثمان کہلاتا تھا اور دوسرا گروہ شیعیان علی پھر

رفتہ رفتہ پہلے گروہ کا نام "عثمانی" پڑ گیا اور دوسرے گروہ کا نام "شیعہ"

کتاب حضرت معاویہ اور استخلافت یزید ص 20

یعنی لوگ فتنہ میں دو گروہ ہو گئے ایک شیعہ عثمانیہ دوسرا شیعہ علی۔

اور اہل سنت کے بزرگ عالم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ

"ھر گاہ شہادت آں خلیفہ بر حق یعنی عثمان واقع شدو خلافت حقہ خاتم الخلفاء امیر المومنین صورت گرفت جماعت کثیر خوردا دار اعداد محبین و مخلصین آں جناب والمودہ خولیفتین رایہ شیعہ ملقب ساختند"

تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

"یعنی جب خلیفہ برحق حضرت عثمان کی شہادت واقع ہوگئی اور خاتم الخلفاء امیر المومنین خلیفہ بن گئے تو مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت نے خود کو آنجناب کے محبین اور مخلصین ظاہر کرتے ہوئے شیعہ علی سے ملقب کرلیا اور شیعہ علی کہلانے لگ گئے"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے اس بیان میں جماعت کثیر کا لفظ استعمال کیا ہے تمام امت مسلمہ کا نہیں کیا وجہ اس کی یہ ہے کہ اصحاب جمل کا لشکر جو شیعیان عثمان کے نام سے میدان میں آیا تھا اور تمام بنی امیہ اور سالم صوبہ شام کے رہنے والے جس میں اس وقت موجودہ دور کا شام، لبنان، اسرائیل، فلسطین اور اردن پانچ مما لک شامل تھے ان سب سے حضرت علی کو چوتھے نمبر پر بھی خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا اور نہ ہی مرتے دم تک انھوں نے حضرت علی کی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کی لہذا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جماعت کثیر کا لفظ استعمال کیا ہے سالم امت مسلمہ کا نہیں کیا اور چونکہ معاویہ اور بنی امیہ کے

سارے طرفدار حضرت علی کو سب وشتم کیا کرتے تھے ان سے بغض وعناد رکھتے تھے اس لئے یہ چوتھے نمبر پر حضرت علی کو خلیفہ ماننے والے انھیں ناصبی کہتے تھے اور صرف وہی مسلمان جنہوں نے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مانا تھا شیعیان علی کہلاتے تھے

اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہی سرپرست مدرسہ دیوبند نے بھی جناب محمد علی صاحب کی کتاب سلف ناصری کے بعض مقامات کا جواب دیتے ہوئے اس طرح سے تحریر فرمایا ہے۔

" ماشیتم اولیٰ و احادیث که در فصل دشیعه وارد اند ر مورد آن ما هستم بر خود بریستند در آنیشان مشهور شد ، مااطلاق آن را مکروه دانسیتم " جواب سلف ناصری از رشید احمد گنگوہی ص 637

یعنی شیعہ اولی جنہوں نے سب سے پہلے شیعہ لقب اختیار کیا تو ہم ہیں اور پیغمبر اکرم صلعم کی وہ احادیث جو شیعوں کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں وہ ہماری ہی شان میں وارد ہوئی ہیں رافضیوں کی شان میں وارد نہیں ہوئیں لیکن جب رافضیوں نے غلط اور جھوٹ خود کو شیعہ کہلانا شروع کردیا اور لفظ شیعہ ان کے لئے مشہور ہوگیا تو اہم نے اس کا اپنے لئے اطلاق ناپسند کیا اور مکروہ جانا"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے بیانات سے کم ازکم تین باتیں واضح طور پر ثابت ہیں

نمبر 1: یہ کہ پیغمبر اکرم صلعم نے اپنی زبان مبارک سے شیعیان علی کے فاضل بیان کئے ہیں اور حضرت علی کی پیروی کرنے والوں کا نام خود پیغمبر اکرم صلعم نے شیعہ علی رکھا تھا۔

نمبر 2: یہ کہ شیعیان علی کی شان میں بیان کردہ پیغمبر اکرم صلعم کی یہ احادیث سب کی سب صحیح ۔ سچی اور درست ہیں ورنہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سر

پرست مدرسہ دیوبند یہ نہ کہتے کہ وہ شیعہ ہم ہیں

نمبر 3: یہ کہ ان کے قول کے مطابق جب رافضیوں نے خود کو شیعہ کہلوانا شروع کر دیا تو اس وقت انھوں نے اپنا نام خود سے شیعہ کی بجائے اہل سنت والجماعت رکھ لیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی اسی کتاب تحفہ اثناعشریہ میں ایک اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ

''باید دانست کہ شیعہ اولی کہ فرقہ سنیہ وتفضیلیہ اند در زمان سابق بہ شیعہ ملقب بودن۔ وچون غلات وروافض وزیدیہ واسماعیلیہ بایں لقب خود را ملقب کیراند ومصدر قبائض وشرور در اعتقادی وعمل گردیدند خوفا عن التعباس الحق بالباطل فرقہ سنیہ وتفضیلیہ ایں لقب را بخود نہ پسندیدند وخود را اہل سنت وجماعت ملقب کردند،

تحفہ اثناعشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

''یعنی جاننا چاہئے کہ اولین اور سب سے پہلا شیعہ کہلانے والا فرقہ جو آج سنی اور تفضیلیہ کہلاتے ہیں سابقہ زمانے میں شیعہ ہی کہلاتے تھے اور چونکہ غلات اور رافضیوں اور زیدیوں اور اسماعیلیوں نے خود اس سے لقب سے ملقب کر لیا اور ان سے برے اعتقادات اور اعمال صادر ہونے لگے تو آج کے سنی اور تفضیلیہ کہلوانے والوں نے حق وباطل کے خلط ملط ہونے کے خوف سے اپنے لئے اس شیعہ لقب کو ناپسند کیا اور خود کو اہل سنت والجماعت کہلانا شروع کر دیا''

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے اس بیان میں مزید چار فرقوں کا نام لکھا ہے

نمبر 1: غلات، نمبر 2: روافض، نمبر 3: زیدیہ، نمبر 4: اسماعیلیہ لہذا ان فرقوں کا حال بھی ہم آگے چل کر مناسب مقام پر کریں گے مگر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سب سے آخری فرقہ اسماعیلیہ لکھا ہے یعنی جب اسماعیلیہ فرقے نے بھی خود کو شیعہ کہلانا شروع کر دیا تو انھوں

نے شیعہ کہلانا مکروہ جانا اور پسند نہ کیا اور اپنا نام بدل کر اہل سنت والجماعت رکھ لیا اور یہ حقیقت مسلمہ تاریخ ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت امام جعفر صادق کے فرزند تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے 140ھ میں وفات پائی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے فرزند اسماعیل کے بیٹے محمد ابن اسماعیل نے دعوائے امامت کیا جن کے ماننے والے اسماعیلیہ کہلاتے ہیں اور اس سے پہلے فرقہ اسماعیلیہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا شاہ عبدالعزیز صاحب کے قول کے مطابق اہل سنت نے اپنا نام کم از کم 148ھ کے بعد رکھا لیکن ہمارے نزدیک اہل سنت والجماعت کا سیاسی فرقہ جس کو ابو زہرہ مصری نے سیاسی فرقوں کی فہرست میں تیسرے نمبر پر لکھا ہے ملاحظہ ہو (اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری۔ ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 63) اتنی دور جا کر پیدا نہیں ہوا یہ سیاسی فرقہ کب پیدا ہوا اور کس وجہ سے پیدا ہوا اسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے یہاں پر اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ ہم نے تاریخی حیثیت سے بزرگ علمائے اہل سنت کی تحقیق پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پہلا شیعہ سیاسی فرقہ وہ تھا جس نے حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کی چوتھے نمبر پر بیعت کر کے ان کو چوتھا خلیفہ مانا تھا اور جنہوں نے حضرت علی کو خلیفہ نہیں مانا انھیں یہ سیاسی شیعہ جو بعد میں اہل سنت کہلانے لگے خود ناصبی قرار دیتے ہیں جن کا مختصر حال آگے آتا ہے

ناصبی کسے کہتے ہیں

جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ پیغمبر کہ بعد مسلمانوں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک اعتقادی شیعہ فرقہ دوسرا ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کی پیروی کرنے والا فرقہ یہ دونوں فرقے حضرت علیؑ کے چوتھا خلیفہ بنائے جانے تک اسی طرح برقرار رہے لیکن جب حضرت علیؑ خلیفہ بنے تو ہر حکومت کی اطاعت کرنے

والی جماعت کے اسلام کی پیروی کرنے والوں میں پھوٹ پڑگئی کیونکہ نجد وحجاز یعنی مکہ و مدینہ وبصرہ وکوفہ اور مصر کے مسلمانوں نے تو آپ کی بیعت کرلی اور آپ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کہلانے لگ گئے لیکن معاویہ نے عثمانیوں نے ،مروانیوں نے ،سارے بنی امیہ نے اور صوبہ شام کے تمام باشندوں نے جہاں پر معاویہ گورنر تھا اور جس میں موجودہ دور حکومت کے شام، لبنان، اسرائیل، فلسطین اور اردن شامل ہیں حضرت علیؑ کی نہ صرف چوتھے نمبر پر بیعت کرکے ان کو چوتھا خلیفہ نہیں مانا بلکہ ان کے خلاف بغاوت کردی ان کو کافر کہا آپ کو گالیاں دیتے ان پر سب کرتے ان سے بغض وعناد رکھتے ۔چنانچہ کتاب حضرت ''معاویہ واستخلاف یزید'' کے مولف علامہ جلال الدین کی کتاب تذویب الراوی کے صفحہ 219 کے حوالہ سے لکھتے ہیں

" النصب هو بغض علي و تقديم معاويه "

''ناصبیت حضرت علی کے ساتھ بغض رکھنے اور حضرت معاویہ کو ان پر ترجیح دینے کا نام ہے''

اس کے بعد مذکورہ کتاب کے فاضل مولف امام ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''اہل سنت کے نزدیک حضرت معاویہ سے وہ اصحاب رسول افضل ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اصحاب الشجرہ یعنی اصحاب بیعت رضوان ان سے بھی بہتر ہیں اور بدریینٌ ان سے بھی فاضل تر اور حضرت علی جمہور بدریین سے بھی افضل **فانه لم يقدم عليه غير الثلاثه** کیونکہ ماسوائے خلفاء ثلاثہ کے حضرت علی پر کسی کو بھی مقدم نہیں سمجھا گیا پس تقدیم بالسویہ کا قول اہل سنت کی طرف منسوب کرنا محض افتراء اور خالص جھوٹ ہے ۔البتہ حضرت معاویہ کے ساتھ مروانیوں کی ایک بہت بڑی جماعت تھی جس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی اور ان کے ساتھی ظالم تھے " **يقولون ان علياً و من معه كانو ظالمين** "

منہاج السنتہ امام ابن تیمیہ جلد 2 ص 207

اس کے بعد مذکورہ کتاب کے فاضل مولف لکھتے ہیں

''ترجمان اہل سنت حضرت امام ابن تیمیہ کی اس توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناصبیہ کو اہل سنت والجماعت میں محسوب نہیں کرتے۔ امام موصوف ایک اور مقام پر ارقام فرماتے ہیں:

قلما كان من بني اميه من يسب علياً و يقول ليس هو من الخلفاء الراشدين .... فلماتولى عمر بن عبدالعزيز اظهر ذكر علی اثنا عليه

منہاج السنۃ جلد 2 ص 149

''چونکہ بنی امیہ میں ایسے اشخاص تھے جو حضرت علی پر سب وشتم کرتے اور کہتے تھے کہ وہ خلفائے راشدین میں سے نہ تھے۔۔۔پس جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو انھوں نے حضرت علی ذکر حسن ثناء کے ساتھ کیا''

کتاب حضرت معاویہ اور استخلاف یزید ص 23-24

مذکورہ بیان سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خلیفہ ہونے تک مذکورہ ناصبی برملا حضرت علی پر سب وشتم کرتے تھے اور انھیں چوتھا خلیفہ بھی نہیں مانتے تھے لیکن تقریباً 99 ھ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ حکم صادر کیا کہ جو کوئی حضرت علی پر سب وشتم کرے گا اور انھیں چوتھا خلیفہ راشد نہیں مانے گا میں اسے سزا دوں گا اس وقت مذکورہ ناصبی فرقے کے لوگ کھلم کھلا سب وشتم کرنے سے باز آگئے اور حضرت علی کی شہادت کے نصف صدی گذرنے کے بعد ہی انھوں نے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ راشد کم از کم زبان سے کہنا شروع کردیا بہر حال اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ حضرت عثمان کے قتل کے بعد ہر حکومت کی پیروی کرنے والی جماعت کے اسلام کے پیروکار دو حصوں میں تقسیم ہوگئے ایک حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کہلانے والے اور دوسرے حضرت علی کو خلیفہ نہ ماننے والے ان پر سب وشتم کرنے والے اور معاویہ کو حضرت علی پر ترجیح دینے والے ناصبی،

اب ہم ابوزہرہ مصری کے بیان کردی دوسرے سیاسی فرقے خوارج کا بیان کرتے ہیں

دوسرے سیاسی فرقے خوارج کا ظہور

یہ فرقہ عین برسرمیدان ان لوگوں سے جدا ہو کر بنا جو ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کی پیروی کرنے والے تھے اور حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانے لگے تھے ان کی مذکورہ شیعیان علی سے جدا ہونے کا واقعہ اس طور پر ہے کہ جب جنگ صفین آخری مراحل میں داخل ہوئی اور معاویہ کو شکست کے آثار نظر آنے لگے تو اس نے عمرابن عاص کے مشورہ سے قرآن کو نیزوں پر بلند کردیا اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حضرت علی کے لشکر میں پھوٹ ڈلوادی اور حضرت علی کے سمجھانے کے باوجود یہ شامیوں کا مکر ہے۔ وہ شکست کے قریب پہنچے ہوئے ہیں انھوں نے شکست سے بچنے کے لئے یہ مکر کا جال پھیلایا ہے باز نہ آئے اور بغاوت اور سرکشی پر اتر آئے اور آپ کو جنگ بند کرنے پر مجبور کردیا لہذا آپ نے بادل ناخواستہ جنگ روکنے کا حکم دے دیا اور بالآخر حکمین یعنی ثالثوں کے تقرر کا فیصلہ ہوگیا معاہدہ تحکیم کے ضبط تحریر میں لائے جانے کے بعد لشکر کا ایک حصہ تحکیم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور ان میں سے کچھ آدمیوں نے(لاحکم الا اللہ) ''یعنی حکم اللہ کے لئے مخصوص ہے'' کا نعرہ لگایا اور حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر سیاسی لحاظ سے شیعیان علی کہلانے والوں سے ایک اچھا خاصا گروہ آپ لے لشکر سے جدا ہوگیا جو تاریخ میں خوارج کے نام سے مشہور ہوا اور جنگ نہروان میں حضرت علی ساتھ ان ہی خوارج نے جنگ کی اگر یہ صرف حضرت علی کے خلاف ہوجاتے اور صرف انہیں کو کافر کہتے تو شاید اس کا شمار نواصب میں ہوجاتا مگر یہ حضرت علی کے ساتھ ساتھ معاویہ کو بھی کافر سمجھتے تھے اور حضرت عثمان کو مستحق عزل سمجھتے تھے لہذا ایک علیحدہ

فرقے خوارج کے نام سے معروف ہوئے جیسا کہ کتاب ''حضرت معاویہ اور استخلاف یزید'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

''خارجی چونکہ تحکیم کو کفر سمجھتے تھے لہذا وہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما و من تبعھما کی تکفیر کے قائل تھے اور حضرت عثمان کو بھی فاسق اور مستحق عزل سمجھتے تھے۔ البتہ شیخین (یعنی ابو بکر و عمر) کی خلافت کو صحیح اور درست مانتے تھے''

کتاب حضرت معاویہ اور استخلاف یزید ص 27

پھر یہی فاضل اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

خوارج: وہ حضرت علی اور حضرت عثمان دونوں کو خلیفہ راشد تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ کی تکفیر کرتے ہیں اور حضرت عثمان کو فاسق مستحق عزل سمجھتے ہیں البتہ شیخین (یعنی ابو بکر و عمر) کی خلافت کو صحیح و درست تسلیم کرتے ہیں۔

کتاب حضرت معاویہ اور استخلاف یزید ص 27

مذکورہ بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خوارج کا یہ گروہ ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت عثمان کے عمال کی بدعنوانیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے اور جب حضرت عثمان نے ان کی شکایات کا ازالہ نہ کیا کہ اسی اثناء میں محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنانے اور ان کے مصر پہنچنے سے پہلے انکے قتل کا حکم بھیجنے اور اس حکم کے پکڑے جانے کا واقعہ ہو گیا اور اسی طرح ان تمام لوگوں نے جنہوں نے حضرت عثمان کے گھر گھیر لیا اور ان سے استعفیٰ کا مطالبہ کی اور استعفےٰ نہ دینے کی صورت میں انہیں معزول کرنے کیدر پے ہوئے اور آخر یہ محاصرہ حضرت عثمان کے قتل پر منتج ہوا اور جب حضرت عثمان کے قتل کے بعد مدینے کے مہاجرین و انصار نے حضرت علی کو چوتھے خلیفہ کے طور پر بیعت کر لی اور ان کو اپنا چوتھا خلیفہ مان لیا تو مصر، کوفہ ، بصرہ وغیرہ سے شکایت کے لئے آئے ہوئے ان بلوائیوں نے بھی حضرت علی کو اپنا چوتھا

خلیفہ مان لیا اور حضرت علی کے لشکر میں شامل ہوکر جنگ جمل اور جنگ صفین میں لڑتے رہے اور دوسرے مہاجرین وانصار مدینہ کی طرح حضرت علی کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علی کہلائے اور پھر جنگ صفین میں تحکیم کا بہانہ کر کے خود حضرت علی کو بھی اور معاویہ کو بھی کافر کہنے لگے اور حضرت عثمان کو تو وہ فاسق اور مستحق عزل پہلے ہی سے سمجھتے تھے یہ ہے دوسرا سیاسی فرقہ جو حضرت علی کے زمانے میں معرض وجود میں آیا اور تاریخ میں خوارج کے نام سے مشہور رہا اور جنگ نہروان میں انھوں نے حضرت علی کے خلاف جنگ کی پس خوارج کا یہ سیاسی فرقہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے پہلے مرحلہ میں تو حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر سیاسی شیعہ علی کہلانے والوں کے ساتھ تھا لیکن واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی اور معاویہ دونوں کے خلاف ہوگیا اور دونوں کو کافر کہنے لگا اور حضرت علی کی بیعت توڑ کر ان ہی کے مقابلہ میں آگیا اور خوارج کے نام سے مشہور رہا۔

تیسرے سیاسی فرقے اہل سنت والجماعت کا ظہور

بنیادی طور پر یہ وہی فرقہ ہے جو پیغمبر کے عین بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے نتیجہ میں حضرت عمر کے قول:

"لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة والامارة الا بطاعة"

(تصوف کی حقیقت ص236 بحوالہ جامع ابن عبدالعزیز)

کے مطابق ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے پیروکار ہیں انھوں نے حضرت ابو بکر کو پہلا خلیفہ مانا پھر حضرت عمر کو اپنا دوسرا خلیفہ مانا پھر حضرت عثمان کو تیسرا خلیفہ مانا پھر حضرت علی کی بیعت کر کے ان کو چوتھا خلیفہ مانا ان میں نجد وحجاز، مکہ ومدینہ مصر وبصرہ وکوفہ کے مسلمان شامل تھے۔ یہ جنگ جمل میں شیعیان عثمان کے مقابلہ میں حضرت علی کو چوتھا

خلیفہ مان کران کا ساتھ دیتے ہوئے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ صفین میں شریک ہوئے انھوں نے قطعاً حضرتؓ کی بیعت نہ کی نہ ان کو چوتھا خلیفہ مانا یا اپنے بغض وعناد کی وجہ سے انھیں کافر کہتے اوران پرسب وشتم کرنے کی وجہ سے ناصبی کہلائے، حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ مان کر یہ شیعیان علی کہلانے والے معاویہ کے برسر اقتدار آنے تک شیعیان علی ہی کہلاتے رہے لیکن جب معاویہ برسر اقتدار آ گیا تو ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے ان پیروکاروں نے حضرت معاویہ کی بیعت کرلی اورصوبہ شام کے تمام باشندوں علی الخصوص عثمانی و بنی امیہ ومروانی تو پہلے معاویہ کو اپنا حاکم مانتے تھے اب معاویہ کے برسر اقتدار آنے کے بعد انھوں نے بھی معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو خلیفہ مان لیا اورحضرت علی کے خلیفہ بن جانے کے بعد ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت میں جو پھوٹ پڑی تھی وہ معاویہ کی بیعت کی صورت میں اوراسے خلیفہ مان لینے کی وجہ سے پھر اکٹھی ہوگئی تو معاویہ نے اس سال کا نام عام الجماعۃ یا سنۃ الجماعت رکھا جن کے معنی جماعت کا سال ہے لہذا ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے پیروکاروں نے جنہوں نے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر بیعت کرلی تھی اور شیعیان علی کہلانے لگ گئے تھے اب معاویہ کی بیعت کر کے سنۃ الجماعت کی مناسبت سے اہل سنت و الجماعت کہلانے لگ گئے لیکن بزرگ عالم اہل سنت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوری نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں جو یہ لکھا ہے کہ جب روافض وزیدیہ و اسماعیلیہ نے خود کو شیعہ کہلانا شروع کردیا اوراعتقاد وعمل سے بری باتوں کے مرتکب ہونے لگے تو ہم نے حق و باطل کے خلط ملط ہونے کے خوف سے خود کو اہل سنت والجماعت کہلانا شروع کردیا اور شیعہ کہلانا چھوڑ دیا (اصل عبارت سابقہ صفحات میں ملاحظہ ہو) مگر ہماری تحقیق یہ ہے کہ اہل سنت اتنی دور جا کر اہل سنت نہیں کہلائے کیونکہ اسماعیلیہ تحقیقی طور پر 148 کے بعد وجود میں

آئے لہذا اب یہ اہل سنت کی مرضی ہے خواہ وہ اپنے اس عالم کے کہنے کے مطابق 148ء کے بعد اپنا وجود سمجھیں یا ہماری تحقیق کے مطابق معاویہ کے برسر اقتدار آنے کے بعد 41 سے اپنا وجود مانیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ جماعت شروع سے حضرت عمر کے قول کے مطابق ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت ہونے کی حیثیت سے سے چونکہ ہر حکومت کو تسلیم کرتی رہی اور چوتھے نمبر پر حضرت علیؑ کی بیعت کر کے شیعیان علی کہلانے لگ گئی تھی لہذا حضرت معاویہ کی بیعت کر کے معاویہ ہر جماعت کے اجماع ہونے کی وجہ سے سنتہ الجماعت کی مناسبت سے 41ء سے سنت والجماعت بنی۔

خارجیوں ناصبیوں اور اہل سنت والجماعت کا فرق

وہ جماعت جو پیغمبر صلعم کے عین بعد ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے پیروکار کی حیثیت سے وجود میں آئی تھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تک کامل اتفاق رکھتی تھی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تک کامل اتفاق رکھتی تھی۔ حضرت عثمان کی خلافت کی دور میں ناصبیوں اور اہل سنت کی اطاعت میں تو کوئی فرق نہیں آیا یہ بدستور سب سے پہلا اور سب سے افضل ابوبکر کو خلیفہ مانتے رہے دوسرے نمبر پر حضرت عمر کو تیسرے نمبر پر حضرت عثمان کو واجب الاطاعت اور واجب التعظیم حکمران مانتے رہے لیکن حضرت علیؑ کے برسر اقتدار آنے بعد یہ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ایک شام کے ناصبی اور دوسرے نجد و حجاز والے جو حضرت علی کی بیعت کر کے اور انھیں چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانے لگ گئے لیکن جب معاویہ برسر اقتدار آیا تو مذکورہ شیعیان علی نے بھی معاویہ کی بیعت کر لی اور اہل سنت والجماعت کہلانے لگ گئے، مگر خوارج صفین کی جنگ میں تحکیم کے مسئلہ پر حضرت علیؑ کی بیعت توڑ کر انھیں بھی اور معاویہ کو بھی کافر کہنے لگ گئے

اور حضرت عثمان کے عمال کی بدعنوانیوں کی وجہ سے انھیں تو پہلے سے ہی فاسق اور مستحق عزل سمجھتے تھے پس ناصبیوں اور خارجیوں میں یہ فرق ہے کہ ناصبی حضرت عثمان تک تمام خلفاء کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں مگر خارجی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو تو واجب الاطاعت اور صحیح اور درست خلیفہ سمجھتے ہیں مگر حضرت عثمان کو فاسق اور مستحق عزل سمجھتے ہیں اور حضرت علیؑ کی بیعت کر لینے کے باوجود صفین میں تحکیم کے مسئلہ پر ان کی بیعت توڑ کر انھیں کافر کہنے لگ گئے اور نہروان میں میدان میں ان کے خلاف جنگ لڑے، خارجیوں نے بیعت کر کے توڑ دی اور ناصبیوں نے مطلقاً بیعت ہی نہ کی اور حضرت علیؑ کو قطعی طور پر چوتھا خلیفہ نہیں مانا لیکن خارجیوں نے معاویہ کو بھی خلیفہ نہیں اور وہ ان کو بھی کافر ہی سمجھتے تھے اگر وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح جنہوں نے حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کو خلیفہ مانا تھا خلیفہ مان لیتے ،اور معاویہ کو کافر نہ سمجھتے اور اس کی اطاعت قبول کر لیتے تو پھر حضرت علیؑ کو کافر سمجھنے میں ناصبیوں اور خارجیوں میں کوئی فرق نہ رہتا، اہل سنت والجماعت کا تو یہ ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کی پیرو کار ہونے کی حیثیت سے شروع دن سے اپنے اصول پر قائم رہی انھوں نے پہلا خلیفہ حضرت ابو بکر کو مانا، دوسرا خلیفہ حضرت عمر کو مانا، تیسرا خلیفہ حضرت عثمان کو مانا، چوتھا خلیفہ حضرت حضرت علی کو مانا اور حضرت علی کی خلافت کے دوران تھوڑا عرصہ کے شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی بھی کہلائے حضرت علی کے بعد انھوں نے جب تک امام حسنؑ نے حکومت سے دستبرداری اختیار نہیں کی انھیں بھی خلیفہ مانا اور جب حضرت امام حسنؑ حکومت سے دستبردار ہو گئے اور معاویہ برسر اقتدار آ گیا تو اس کو خلیفہ مان کر اس کی اطاعت قبول کر لی اور سنتہ الجماعت کی مناسبت سے اپنا نام سنت والجماعت رکھ لیا۔

چونکہ یہ حضرات شروع سے ہی حضرت عمر کے اس قول

" لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة " (تصوف کی حقیقت ص236 بحوالہ جامع عبدالعزیز) کے پابند رہے لہذا ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے ساتھ وابستہ رہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی عبداللہ بن سبا کے افسانے پر ایسا ایمان لائے کہ خود اہل سنت کے ان اسلاف کو ہی جو بزرگ اصحاب پیغمبر تھے عبداللہ بن سبا کا پیرو کار تسلیم کرلیا چنانچہ انھوں نے پہلے تو یہ لکھا کہ اہل سنت کے اسلاف ہی تھے جنھوں نے حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مانا تھا شیعہ علیؑ کہلاتے تھے چنانچہ ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ:

" هر گاه شهادت آن خلیفه بر حق یعنی عثمان واقع شد و خلافت حقه خاتم الخلفاء امیر المومنین صورة گرفت جماعت کثیر خوردا در اعداد محبین و مخلصین آنجناب تو ه خویشتین را به شیعه علی ملقب ساختند "

تحفہ اثناء عشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

یعنی جب خلیفہ برحق حضرت عثمان کی شہادت واقع ہوگئی اور خاتم الخلفاء حضرت امیر المومنین خلیفہ بن گئے تو مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت نے خود کو آنجناب کے محبین اور مخلصین ظاہر کرتے ہوئے شیعہ علیؑ کہلانا شروع کردیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مذکورہ عبارت سے صاف ظاہر و ثابت ہے کہ جن اصحاب پیغمبر نے حضرت علیؑ کی چوتھے نمبر پر بیعت کی تھی اور ان کو چوتھا خلیفہ مانا تھا انھوں نے اپنا لقب شیعیان علی اختیار کیا تھا اور یہ سب کے سب حضرت علی کے لشکر میں شامل تھے، اب ملاحظہ کیجئے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک عبداللہ بن سبا نے ان کو جنہوں نے حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کا لقب اختیار کرلیا تھا کس طرح سے بہکایا اور گمراہ کیا اور چار فرقوں میں تقسیم کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کے نزدیک حضرت امیر کا لشکر چار فرقوں میں بٹ گئے

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثناعشریہ میں عبداللہ بن سبا کی کارگزاری بتلاتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں

"پس لشکریان حضرت امر بسبب ردو قبول وسوسه ایں شیطان لعین چهار فرقه شدند"

"اول فرقه شیعه اولی و شیعه مخلصین که پیشیبان اهل سنت والجماعت اندیون جناب مرتضوی در معرفت حقوق اصحاب کبارو ازواج مطهرات و پاسداری ظاهرو باطن باوصف وقوع مشاجرات و مقاتلات و صفائی سینه و برأت از غل و نفاق گذرانیدند اهنهارا شیعه اولیٰ و شیعه مخلصین می نامند "الخ

"دوم فرقه تفضیلیه که جناب مرتضوی را بر جمیع صحابه و فضیلت می دیند و ایں فرقه از اولی تلامذه ان لعن شدو شمنه ازوسوسه او قبول کردند"الخ

"سوم فرقه شیعه سبیه که آنها را تبرائیه نیز گویند جمیع صحابه را ظالم و غاصب بلکه کافرو منافق می دانند و ایں گروه از اوسط تلامذه آں خبیث گشت "الخ

"چهارم شیعه غالیه که ارشد تلامذه واخص الخواص یاران

آں خبیث بود قائل یا لوہیت آنجناب شدایں است اصل طریق حدوث مذہب شیعہ ''

تحفہ اثناءعشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

ترجمہ: پس حضرت امیر کے لشکر والے اس شیطان لعین (یعنی عبداللہ بن سبا) کے وساوس کی ردو قبول کرنے کی وجہ سے چار فرقے بن گئے۔

''اول فرقہ شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کا ہے جو اہل سنت والجماعت کے بزرگان و گذشتہ اسلاف تھے جو حضرت مرتضوی کی روش کے مطابق اصحاب کبار اور ازدواج مطہرات کے حقوق کی معرفت اور ان سے ظاہر و باطن کی پاسداری اور ان کے لڑائی جھگڑوں اور جنگ و قتال کے باوصف، صفائی سینہ اور دل کی کدورت اور نفاق سے بیزار رہتے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے انہیں شیعہ اولی یا شیعہ مخلصین کہا جاتا ہے'' الخ

''دوسر فرقہ شیعہ تفضیلیہ کا ہے جو جناب مرتضوی کو تمام صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں یہ فرقہ اس لعین کے شاگردوں میں سے سب سے پہلا ہے اور اس ملعون کے وسوسہ کا کچھ تھوڑا سا اثر قبول کرلیا ہے'' الخ

''تیسرا فرقہ شیعہ سبیہ کہ ان کو تبرائی فرقہ بھی کہتے ہیں تمام صحابہ کو ظالم و غاصب بلکہ کافر و منافق جانتے ہیں اور یہ گروہ اس خبیث (عبداللہ بن سبا) کے شاگردوں میں سے درمیانے درجہ میں ہے'' الخ

''چوتھا فرقہ شیعہ غالیہ کہ جو اس خبیث کے ارشد تلامذہ اور خاص الاخص یاروں دوستوں میں سے تھا آنجناب (یعنی حضرت علیؓ) کی خدائی کا قائل ہوگیا یہ ہے مذہب شیعہ کے پیدا ہونے کا اصل طریق'' الخ

ایک غیر جانبدار محقق جب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مذکورہ بیان کو پڑھے گا تو وہ سر

پیٹ کر رہ جائے گا کہ ان چار فرقوں کے بننے میں عبداللہ بن سبا کا کونسا کردار ہے اور ماسوائے عقیدہ الوہیت کے اختیار کرنے والوں کے باقی فرقوں کی پیدائش میں اس کے وسوسہ کا کیا دخل ہے ہم ان چاروں پر علیحدہ علیحدہ مختصر تبصرہ کرتے ہیں جو اس سے آگے علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت بیان ہو رہا ہے۔

نمبر 1۔ شیعہ اولیٰ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مذکورہ بیان کے مطابق وہ تمام مسلمان جو حضرت ابو بکر کو پہلا خلیفہ مانتے تھے حضرت ابو بکر کو دوسرا خلیفہ مانتے تھے حضرت عثمان کو تیسرا خلیفہ مانتے تھے ان میں سے ایک جماعت کثیر نے حضرت علی کی چوتھے نمبر پر بیعت کر لی تھی اور ان کو چوتھا خلیفہ مان لیا تھا اور جنگ جمل میں شیعیان عثمان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علیؑ کہلانے لگ گئے تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیان کے مطابق یہ سب سے پہلے شیعہ تھے جو شیعہ علی کے لقب سے ملقب ومعروف و مشہور ہوئے انہیں شاہ عبدالعزیز نے شیعہ اولی کہا ہے یہ صرف حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر ان کا ساتھ دینے اور شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علیؑ کہلانے لگے تھے ان کی پیدائش میں عبداللہ بن سبا کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا ان شیعیان اولی کو بہکانا شروع کیا اور ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور اس کے وسوسہ کو ردو قبول کرنے کی وجہ سے اس شیعہ اولی فرقہ کے آگے چار فرقے بنے جن کا بیان آگے آتا ہے۔

شیعہ مخلصین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کہتے ہیں کہ شیعہ مخلصین اہل سنت سنت والجماعت کے اسلاف تھے، ان کے دلوں میں اصحاب کبار کی طرف سے کبھی کوئی کدورت نہیں آئی یہ ان سب کی طرف سے صاف دل رہے وہ آپس میں لڑتے رہے، جھگڑتے رہے قتال وجدال میں مصروف رہے سینکڑوں ہزاروں اصحاب پیغمبرؐ کو قتل کردیا مگر ان کا دل صاف رہا خود بھی حضرت علیؑ کا ساتھ دیتے ہوئے اصحاب جمل سے لڑے اور پھر صفین میں معاویہ کے لشکر سے جنگ کی مگر کیا مجال ہے کہ قتل کرنے والوں نے اور قتل ہونے والے کی طرف سے کوئی میل یا کدورت آئی ہو اصحاب جمل جن سے یہ لڑے وہ بھی رضی اللہ تعالیٰ اور یہ لڑنے والی بھی سارے رضی اللہ تعالیٰ ۔ صفین میں حضرت علی کے ساتھ ہو کر معاویہ کے لشکر سے لڑے، ہزاروں اصحاب قتل ہو گئے مگر معاویہ اور اس کا لشکر بھی رضی اللہ اور حضرت علیؑ اور ان کا لشکر بھی رضی اللہ یہ پوری معرفت کے ساتھ سب سے صاف باطن اور صاف دل رہے اور جب معاویہ برسر اقتدار آیا تو شیعہ کہلانا چھوڑ کر اہل سنت والجماعت کہلانے لگ گئے انھوں شروع دن سے جو عقیدہ اپنا لیا تھا یہ اسی پر قائم رہے یعنی جو بھی برسر اقتدار آ جائے اس کی اطاعت اسلام ہے اور جو پہلے نمبر پر برسر اقتدار آیا وہ پہلے نمبر پر افضل جو دوسرے نمبر پر برسر اقتدار آیا وہ دوسرے نمبر پر افضل ، جو تیسرے نمبر پر برسر اقتدار آیا وہ تیسرے نمبر پر افضل اور جو چوتھے نمبر پر برسر اقتدار آیا اس کا نمبر افضلیت میں چوتھا۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے حضرت علیؑ کے فضائل کی بہت تبلیغ کی اور انھیں سب صحابہ سے افضل بتلایا مگر ان شیعہ مخلصین نے جو اہل سنت والجماعت کے اسلاف تھے اس کے اس وسوسے کو رد کردیا اور حضرت علیؑ کو سب سے افضل ماننے میں اسکے وسوسے میں نہیں آئے، گویا ان کے نزدیک

پیغمبر اکرم صلعم نے حضرت علی کی فضیلت میں کوئی حدیث بیان نہیں کی تھی بلکہ حضرت علیؑ کی فضیلت میں منسوب جتنی احادیث ہیں وہ سب عبداللہ بن سبا نے اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کی ہیں اور یہ چاروں خلفاء جس ترتیب سے برسر اقتدار آئے یہ اسی ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے سے افضل تھے گویا ان کا اس ترتیب سے ایک دوسرے کے بعد برسر اقتدار آنا ان کی افضلیت کی بناء پر تھا لہذا وہ عبداللہ بن سبا کے ذرا بھی وسوسے میں نہ آئے اور حضرت علیؑ کی کسی فضیلت کی حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور یہ سمجھ لیا کہ یہ پیغمبر نے نہیں بلکہ عبداللہ بن سبا کی وضع کردہ ہیں مگر انھیں شیعہ اولی میں سے کچھ لوگ تھوڑا سا اس ملعون یعنی عبداللہ بن سبا کے بہکائے میں آگئے اور حضرت علیؑ کے بارے میں ان لوگوں نے ان احادیث کو مان لیا جو وہ حضرت علیؑ کی فضیلت میں پیغمبر اکرمؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتا تھا اور حضرت علیؑ کو سب اصحاب سے علم میں حلم میں شجاعت میں سخاوت میں عبادت میں افضل کہتا تھا۔ حالانکہ یہ باتیں تو اعلانیہ اور آشکار ہونے کی وجہ سے سب کے مشاہدہ میں تھیں مگر اہل سنت کے ان اسلاف نے دیکھی آنکھوں ان سب باتوں کو رد کر دیا اور اپنے اسی موقف پر ڈٹے رہے حتیٰ کہ پیغمبرؐ کی اس حدیث کو بھی اسی کی طرف منسوب قرار دے کر رد کر دیا جو آپ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمائی تھی کہ 'انا مدینة العلم و علی بابها ممن اراد العلم فلیات الباب '، یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے پس جو کوئی علم کا طالب ہو وہ دروازے پر آئے اور اس کے مقابلہ میں معاویہ کے ادارہ حدیث سازی کی گھڑی ہوئی اس روایت کو صحیح قرار دیا کہ یہ حدیث اس طرح ہے

"انا مدینة العلم و ابو بکر اساسها و عمر حیطاتها و عثمان سقفها و علی بابها"

یعنی میں علم کا شہر ہوں، ابو بکر اس کی بنیاد ہے عمر اس کی دیواریں ہیں اور عثمان اس کی چھت

ہے اور علی اس کا دروازہ ہے۔

یہ حدیث ابن عساکر نے اپنی تاریخ کے صفحہ نمبر 35 پر نقل کی ہے اور اسمٰعیل ابن علی ابن الحسن بن بیدارکو اس کا راوی لکھا ہے جو جھوٹی حدیثیں گھڑ میں معروف تھا لیکن شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے اور جو حدیث حضرت علیؑ کو علم کا دروازہ بیان کرتی ہے اسے رد کر دیا ہے حالانکہ چھت مکان کی ہوتی ہے شہر کی نہیں ہوتی دوسرے حضرت عثمان جنھیں چھت کہا گیا ہے وہ پہلے ایمان لائے تھے اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرین میں سے تھے اور حضرت عمر بہت بعد میں ایمان لائے اس طرح یہ چھت کافی عرصہ تک بغیر دیواروں کے رہی بہر حال شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کہتے ہیں کہ ان کے اسلاف یعنی اہل سنت والجماعت ہرگز اس ملعون کے وسوسے میں نہ آئے اور جو عقیدہ انھوں نے اپنا لیا تھا اسی پر قائم رہے لیکن اس فرقہ شیعہ اولی میں سے کچھ لوگوں نے اس ملعون کے وسوسہ کا تھوڑا سا اثر قبول کرلیا اور اہل سنت میں شریک رہنے کے باوجود جناب مرتضوی کو تمام صحابہ پر فضیلت دینے لگے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس فرقہ کا نام شیعہ تفضیلیہ لکھا ہے یعنی حضرت علیؑ کو تمام صحابہ سے افضل جاننے والا اس کا مختصر حال اس طرح ہے

نمبر 2 شیعہ تفضیلیہ

یہ فرقہ کوئی علیحدہ فرقہ نہیں ہے بلکہ ہر حکومت کی اطاعت کو فرض جاننے والی جماعت کو اسلام قرار دینے والوں میں سے کچھ لوگ تو خلفاء کے بارے میں ترتیب کے قائل تھے یعنی جو جس نمبر پر خلیفہ بنا وہ اسی نمبر پر افضلیت رکھتا تھا لیکن کچھ لوگ جن میں خصوصیت کے ساتھ مدینہ کے انصار تھے وہ کسی ترتیب کے قائل نہ تھے بلکہ وہ حضرت علیؑ کو

تمام صحابہ سے افضل سمجھتے تھے مگر وہ یہ کہتے تھے کہ جب لوگ کسی کی بیعت کرلیں تو وہ خلیفہ یعنی بن جاتا ہے چاہے وہ افضل نہ ہو بلکہ مفضول ہو اس گروہ نے چونکہ پیغمبر گرامی اسلام کی زبانی خود اپنے کانوں سے علیؑ کے فضائل کی حدیثیں سنی تھیں لہذا وہ اس نظریہ میں تو اسی بات پر قائم رہے لیکن مسلمانوں نے جس کی بھی خلیفہ کی حیثیت سے بیعت کرلی انھوں بھی اس کو خلیفہ مان لیا لیکن شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کے اسلاف میں سے یہ فرقہ تھوڑا سا عبداللہ بن سبا کے بہکائے میں آگیا اور جناب مرتضوی کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہوئے اہل سنت کے ساتھ شامل رہا اب یہ فرقہ عبداللہ بن سبا کے بہکائے میں آکر حضرت علی کو سب اصحاب پیغمبر سے افضل ماننے لگا تھا یا واقعاً پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی شان میں ان کے سامنے ایسی احادیث خود بیان کی تھیں اس سلسلے میں ہم اہل سنت والجماعت کے چند معروف و مشہور علما و محدثین کے اقوال نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

" قال احمد بن حنبل و اسمعیل بن اسحاق القاضی ، لم یرد فی فضائل احد من الصحابه بالاسانید الحسان ماروی فی فضائل علی ابن ابی طالب کذالک احمد بن شعیب بن علی النسائی رحمته الله "

"یعنی امام احمد بن حنبل اور قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق کہتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے کسی کے حق میں صحیح احادیث کے ساتھ اتنے فضائل مروی نہیں جتنے علی ابن ابی طالب کے حق میں ہیں یہی قول احمد بن شعیب نسائی کا ہے"

مذکورہ قول کو ابن عبداللہ نے الاستیعاب میں الجزء الثانی ص 479 پر ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ باب التاسع صفحہ 72-76 پر حاکم نے مستدرک الجزء الثالث صفحہ 107 پر مومن شبلنجی نے نورالابصار کے صفحہ 73 پر، محب الدین طبری نے ریاض النضرۃ کے الجزء الثانی باب الرابع فصل التاسع صفحہ 124 پر امام احمد بن حنبل نے مسند الجزء الاول ص 21 پر

محمد ابن معتمد خان نے نزل الابرار کے صفحہ نمبر 8 پر اور ابن قتیبہ دینوری نے کتاب الامامت والسیاست کے صفحہ نمبر 93 پر نقل کیا ہے۔

امام الفقہا محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری کی عبارت اس طرح ہے

ان رجلا من همدان لا یرد قدم علی معاویه فسمع عمر القبع فی علی فقال له یا عمر ان اشیاخنا سمعوا رسول الله وسلم یقول من کنت مولاه و فعلی مولاه فحق ذالک ام باطل فقال عمر و حق ، وانا اذیدکت ان لیس احد من اصحاب الرسول الله له مناقب مثل مناقب علی "

(کتاب الامامت والسیاست صفحہ 93)

یعنی ہمدان کا ایک آدمی جس کا نام بردتھا معاویہ کے ہاں آیا وہاں اس نے عمر بن عاص کو علی کی برائی کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا اے عمر ہمارے شیوخ نے جناب رسول خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے کیا یہ درست ہے یا غلط ہے تو عمرو نے جواب دیا کہ درست ہے، بلکہ میں تجھے اس سے بھی زیادہ بتاؤں کہ اصحاب رسول میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے مناقب علی کے مناقب کے برابر ہوں۔

اور طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ

" واخرج الطبرانی عنه قال کانت لعلی ثمانیة عشر منقبة ما کان لا حد من الامة "

"یعنی طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت کے اٹھارہ فضائل ایسے تھے جو اس امت میں سے کسی میں موجود نہیں تھے۔

اس روایت کو ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ باب التاسع فصل الثالث صفحہ 76 پر محب الدین طبری نے ریاض النظرۃ الجزالثانی الباب الرابع فصل السادس کے صفحہ 207 پر مومن شبلنجی

نے نورالابصار کے صفحہ نمبر 73 پر علی المتقی نے کنز العمال الجزء السادس کے صفحہ 153 پر شیخ سلمان قندوزی بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب 42 صفحہ 103 پر، محمد بن طلحہ الشافعی نے کتاب مطالب السئول الباب الثانی صفحہ 8 پر سبط ابن الجوزی نے تذکرہ خواص الامۃ کے صفحہ 10 پر نقل کیا ہے۔

مختصراً اتنی روایات ہی کافی ہیں جنہیں معتبر بزرگ علماء و مورخین اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے یہ احادیث مدینہ کے بہت سے مہاجرین و انصار نے پیغمبر اکرم صلعم کی زبان مبارک سے، خود اپنے کانوں سے سنی تھیں لہذا وہ حضرت علیؑ کو تمام امت سے افضل مانتے تھے اور انہیں حضرت ابو بکر حضرت عمر، حضرت عثمان سے افضل جانتے تھے لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ افضل کی موجودگی میں اگر مفضول کی بیعت ہو جائے تو وہ خلیفہ و حاکم بن جاتا ہے پس وہ بیعت کی بناء پر اول نمبر پر حضرت ابو بکر کو خلیفہ مانتے تھے، دوسرے نمبر پر حضرت عمر کو خلیفہ مانتے تھے، تیسرے نمبر پر حضرت عثمان کو خلیفہ مانتے تھے اور چوتھے نمبر پر حضرت علی کو خلیفہ مانتے تھے یہ مہاجرین و انصار مدینہ حضرت علی کے ساتھ ان کے لشکر کے ہمراہ مدینے سے آئے تھے جنگ جمل میں یہی شیعیان عثمان کے مقابلہ میں حضرت علی کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علی کہلائے جیسا کہ ترتیب کے اعتبار سے افضل ماننے والوں نے شیعیان علی کا لقب اختیار کیا اور جب معاویہ کے برسر اقتدار آنے پر حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ ماننے والوں نے معاویہ کی بیعت کر کے اہل سنت کا لقب اختیار کر لیا تو انھوں نے بھی ان کے ساتھ ہی معاویہ کی بیعت کر کے اہل سنت کا لقب اپنا لیا یہ انتہائی ناانصافی کی بات ہے کہ جو ان کی طرح سے حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مانتے تھے ان کی طرح ہی شیعیان عثمان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علی کہلاتے تھے اور اس کے ساتھ ہی معاویہ کی بیعت کر کے اہل سنت کا لقب اختیار کیا تھا محض اس وجہ سے کہ انھوں نے

اپنے کانوں سے حضرت علیؑ کے افضل ہونے کی پیغمبر اکرم کی زبان مبارک سے احادیث سنی تھیں۔ حضرت علی کو سب اصحاب سے افضل مانتے تھے عبداللہ بن سبا کے بہکائے میں آکر حضرت علیؑ کو سب سے افضل ماننے کا الزام لگادیا اور خود معاویہ کے ادارہ حدیث سازی کی وضع کردہ اور موضوع احادیث کو سینہ سے لگائے رہے جس بیان آگے آتا ہے۔

معاویہ کے برسر اقتدار آنے کے بعد احادیث کا سیلاب

طلوع اسلام کی شائع کردہ کتاب ''مقام حدیث'' میں علامہ محمد اسلم جیراجپوری نے اپنے مضمون میں 12 کتب موضوعات کی فہرست دی ہے جن میں ایسی احادیث کو چھانٹ کر نکالا گیا ہے جو ان کے نزدیک گھڑی ہوئی ثابت ہوئی۔

مقام حدیث ص 97-98

لیکن موضوعات کی شناخت کا ہر ایک کا اپنا اپنا معیار ہے چنانچہ بعض کے نزدیک ہر وہ حدیث جس میں حضرت علیؑ کی فضیلت بیان ہوئی ہے موضوع ہے چنانچہ محمد یوسف چشتی نے اپنی کتاب ''اسلامی تصوف'' میں یہی روش اختیار کی ہے اور اس نے انا مدینۃ العلم جیسی معروف حدیث کو موضوع قرار دے دیا ہے لیکن اہل سنت کے ایک عالم ابوالحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی نے اپنی کتاب الاحداث میں معاویہ کے برسر اقتدار آنے کے بعد ان کے جن احکامات کو نقل کیا ہے ان سے موضوع احادیث کی نوعیت کا اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے ابن ابی الحدید معتزلی نے ابوالحسن مدائنی کی کتاب الاحداث سے کچھ اقتباسات نقل کئے ہیں ہم ان میں سے اختصار کے پیش نظر صرف تین اقتباسات ذیل میں نقل کرتے ہیں

نمبر 1. روی ابو الحسن علی بن محمد ابی سیف المدائنی فی کتاب الاحداث قال کتب معاویہ نسخة واحدة الی عماله بعد عام

الجماعتة انی بریت الذمة ممن روی شئاً من فضل ابی تراب و اهل بیته فقامت الخطباء فی کل کرة علی کل منبریلعنوان علیاً یبرئون منه و یقصون قبهه فی اهل بیته

شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ص 15

تشریح خطبہ ان فی الایدی الناس حقاو باطلاو صدقاو کذبا

ترجمہ: ابوالحسن علی بن محمد ابن ابی سیف المدائنی نے کتاب الاحداث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے مضمون واحد کے حکم نامے عام الجماعت یعنی اپنی بیعت والے سال اپنے تمام عمال کو بھیجے جن میں اس نے تحریر کیا کہ میں بری الذمہ ہوں اس شخص سے جو فضائل علی اوراولادعلیؑ بیان کرے گالہذا ہر طبقہ اور ہر زمین میں، ہر تقریریں کرنے والے کھڑے ہو گئے جو حضرت علی پر لعنت کرتے تھے ان سے بیزاری چاہتے تھے اور ان کی اولاد کی مذمت کرتے تھے

نمبر 2: و کتب الیهم ان انظروا من قبلکم من شیعة عثمان و محبی واهل ولائه والدین یرزون فضائله و مناقبه فاذنوا مجالسهم و قربوهم و اکرموهم و اکتبوا لی بکل یا یروی کل رجل منهم واسمه واسم ابیه و عشیرته ، فضلوا ذالک حتیٰ اکثروا فی فضائل عثمان و مناقبه ایضاً

ترجمہ: اور معاویہ نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ عثمان کے شیعیان و پیروکاران و دوستداران واہل ولا پر مہربانی کرو، جو عثمان کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں ان کی جائے نشست اپنے قریب قرار دو اور ان لوگوں کو اپنا مقرب بناؤ، انکی تعظیم کرو ان کی بیان کردہ احادیث و روایات مجھے لکھو اور بیان کرنے والے کا نام اور اس کے باپ اور قبیلے کا نام لکھو

پس اس کے عاملوں نے ایسا ہی کیا یہاں کہ حضرت عثمان کے فضائل ومناقب کی ان لوگوں نے کثرت کر دی۔

نمبر 3: ثم کتب الی عماله ان الحدیث فی عثمان قد کثر ، و فشا فی کل مصر وفی کل وجهة و جاجیة فاذا جاء کم کتابی هذا ، فادعوا الناس الی الروایة فی فضائل الصحابه و الخلفاء الاولین و لا تترکوا خبراً یرویه احد من المسلمین فی ابی تراب الا و آتونی بمناقض له فی الصحابة منقله فان هذا احب الی و اقر عینی واهض لحجة ابی تراب و شیعته واشد الیهم من مناقب عثمان و فضله ، فقرأت کتبه علی الناس فرویت اخبار کثیرة فی مناقب الصحابة منتقلة لا حقیقة لها ایضاً

ترجمہ: پھر معاویہ نے اپنے عمال کو لکھا کہ بہ تحقیق عثمان کی شان میں حدیثیں بکثرت ہوگئی ہیں اور ہر شہر اور ہر طرف اور ہر گوشہ میں پھیل گئی ہیں لہذا جس وقت یہ میرا خط تم کو ملے فوراً تم لوگوں کو صحابہ اور خلفائے ثلاثہ کے فضائل بیان کرنے پر مائل کرو اور اگر تم کوئی حدیث ابوتراب کے حق میں سنو تو ویسی ہی اس سے ملتی جلی اور اس کے مثیل ونظیر دوسری حدیث صحابہ کے حق میں بنا کر مجھے دو، پس یہ تحقیق یہ امر مجھے بہت ہی محبوب تر ہے اور میری آنکھوں کو خنک اور ٹھنڈا کرنے والا ہے اور ابوتراب اور ان کے شیعوں کو بہت توڑنے والا ہے اور یہ بات ان کے لئے عثمان کے فضائل ومناقب کے بیان سے بھی زیادہ سخت ہے پس معاویہ کے یہ خط لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے جس کے بعد بے شمار حدیثیں صحابہ کی شان میں گھڑی گئیں جس میں کوئی حقیقت نہیں تھی''

معاویہ کے اس حکم کے بعد نہ صرف صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں حدیثیں گھڑی جانے لگیں بلکہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے لئے توہین آمیز اور ہتک آمیز احادیث

کے نام سے بہتان بھی تراشے جانے لگے تاکہ لوگوں کے سامنے حضرت علیؑ پر تبراء کرنے کی صورت میں وہ ان کو اسی لائق سمجھیں اور اسے جائز قرار دیں اور یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کے اوپر بنی امیہ کے دور حکومت میں برسر منبر تبرا ہوا کرتا تھا اور اکثر مورخین اور سیرۃ نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں طبری جلد 4 صفحہ 188 اور ابن اثیر ج32 صفحہ 80 کے حوالے سے اسی طرح لکھا ہے

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ رسول کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؑ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے''

خلافت وملوکیت ص 174

اور علامہ شبلی نے اپنی کتاب میں سیرۃ النبی میں اس طرح لکھا ہے

''احادیث کی تدوین بنی امیہ کے زمانے میں ہوئی جنہوں نے پورے نوے برس تک ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین جمعہ میں برسر منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا سینکڑوں حدیثیں امیر معاویہ کے فضائل میں بنوائیں''

سیرۃ النبی جلد 1 صفحہ 49 طبع کانپور

یہاں تک کہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے بلکہ ہزاروں حدیثیں معاویہ کے فضائل میں وضع کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ترجمان اہل سنت امام

ابن تیمیہ نے اس طرح لکھا ہے۔

''ایک گروہ نے معاویہ کے فضائل وضع کیے اور پھر اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے من گھڑت حدیثیں روایت کیں جو سب کی سب جھوٹی ہیں۔

منہاج السنۃ الامام ابن تیمیہ جلد 2 ص 207

معاویہ کے حکم سے جتنی حدیثیں گھڑی گئیں ان پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، سوائے اس کے معاویہ تک جن کے وسیلہ سے حکومت پہنچی ان کے احسان کا بدلہ چکانا ضروری تھا دوسرے اصحاب کے لئے اس لیے حدیثیں گھڑی گئیں تا کہ جن اصحاب نے اس کے ساتھ ہو کر خلیفہ وقت کے ساتھ صفین کے مقام پر جنگیں لڑی تھیں ان کے خلاف لوگوں کو بولنے سے روکا جا سکے اور اپنی تعریف میں پروپیگنڈہ کرنا تو دنیاوی حکومت کی ضرورت ہے لہذا جب اس کے حکم کے خلفاء (ثلاثہ) اور دوسرے اصحاب کی شان میں پیغمبر اکرم صلعم کی طرف منسوب کر کے حدیثیں گھڑی گئیں تو معاویہ کا حق بنتا تھا کہ اس کے لئے بھی فضیلت کی کچھ احادیث گھڑ کر بیان کی جائیں۔اور حضرت علی کی مذمت میں حدیثیں گھڑ کر اور ان کی فضیلت میں بیان کردہ پیغمبر کی صحیح اور سچی احادیث کو عبداللہ بن سباء کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا تا کہ ان احادیث کی وجہ سے کوئی مسلمان صحیح نتیجہ اخذ نہ کر سکے اور حضرت علی پر تبرا کرنا بھی آسان ہو جائے، اب ہم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیان کردہ تیسرے فرقے کا بیان کرتے ہیں۔

نمبر 3: شیعہ سبیہ یا تبرائیہ یا رافضی کا بیان

شاہ عبدالعزیز صاحب کہتے ہیں کہ ''تیسرا فرقہ شیعہ سبیہ کہ ان کو تبرائی فرقہ بھی کہتے ہیں تمام صحابہ کو ظالم و غاصب بلکہ کافر و منافق جانتے تھے اور یہ گروہ اس خبیث (

عبداللہ ابن سبا) کے شاگردوں میں سے درمیانے درجے میں ہے''
اس کے علاوہ انھوں نے اپنی اس کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں اس شیعہ سبیہ یا تبرائیہ کو روافض بھی لکھا ہے۔

اور جیسا کہ ہم نے شیعہ تفضیلیہ کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ یہ ان مہاجرین و انصار سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے آنحضرت کی زبان سے خود اپنے کانوں سے حضرت علی کو سب سے کہتے ہوئے سنا تھا۔ مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جس کی بیعت ہو جائے وہ حاکم وخلیفہ ہو جاتا ہے لہذا وہ بیعت ہونے کی وجہ سے چاروں خلفا کو مانتے تھے اور اسی سرکاری مذہب میں شامل تھے جو ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام پر تھا اسے کسی عبداللہ بن سبا نے یا کسی اور نے نہیں بہکایا تھا۔

اسی طرح وہ فرقہ جسے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سبیعہ یا تبرائیہ یا روافض کہا ہے ان کی طرف عبداللہ بن سبا کے اوسط تلامذہ ہونے کی نسبت یعنی درمیانی درجہ کے شاگرد ہونے کی نسبت ایک صریح تہمت ہے اور کھلا بہتان ہے۔ یہ وہی فرقہ ہے جو پیغمبر گرامی اسلام کے زمانہ حیات میں اسلام حقیقی یعنی شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے عقیدے پر بالقوہ وجود رکھتا تھا او رپیغمبر اکرم صلعم کے ارشادات اور قرآن کے فرمان کے مطابق حضرت علیؑ کو پیغمبرؐ کا خلیفہ بلافصل، امام برحق اور رھادی خلق سمجھتا تھا اور حضرت علی کو منصوص من اللہ ،معصوم عن الخطا، مصطفے و مجتبے اور آیہ مباہلہ کے صادقین اور آیہ تطہیر کے مطہرین میں سے مانتا اور جانتا تھا او رپیغمبر اکرمؐ کے وفات پا جانے کے بعد بالفعل ان عقائد کے ساتھ معرض وجود میں آیا تھا اور حضرت علی کو امام مانتے ہوئے ان کی پیروی کرتے تھے اور کسی سیاسی جھمیلے سے دور رہتے ہوئے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن جب حضرت علیؑ برسر اقتدار آئے اور دوسرے خلفاء کو ماننے والوں نے بھی حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر حضرت عثمان کے

انتقال لینے والے شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانا شروع کر دیا تو یہ حضرات جو حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل اور امام برحق اور ھادی خلق مانتے تھے کھلم کھلا میدان میں آ گئے اور اپنے آقا و مولا کے حضور میں سب سے بڑھ کر فدا کاری اور جاں نثاری کرنے لگے مگر جب حضرت علی کی شہادت کے بعد معاویہ برسر اقتدار آیا تو حضرت کو چوتھا خلیفہ ماننے والوں نے تو معاویہ کی بیعت کر لی مگر ان حضرات نے نہ پہلے کے تین خلفاء کو خلیفہ رسول مانا تھا نہ ہی معاویہ کو خلیفہ مانا تو جہاں معاویہ کو خلیفہ ماننے والوں نے خود کو اہل سنت کہلانا شروع کیا وہاں معاویہ کی بیعت کرنے کی وجہ سے انھیں رافضی کا لقب دیا یعنی ترک کرنے والے، یا ساتھ چھوڑنے والے جہاں تک سب کرنے اور تبراء کا تعلق ہے تو ان کا عقیدہ حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل ماننا یا امام برحق اور ھادی خلق ماننا، خود اس بات کا اظہار و اعلان ہے کہ وہ حضرت علی کے سوا اور کسی کو نہیں مانتے اور جب وہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن سے حضرت علیؑ کے حق پر ہونے کا اظہار ہوتا ہے تو وہ خود ہی یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ دوسروں کو باطل کہہ رہے اور جب وہ پیغمبر کی وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن میں پیغمبرؐ نے خود حضرت علیؑ کی خلافت و ولایت و امامت کا اعلان کیا تھا اور ان کی اطاعت کو امت پر فرض قرار دیا تھا تو یہ حضرات خود ہی اپنے دامن میں جھانکر یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آنے والوں کو ظالم و غاصب کہہ رہے ہیں مثلاً یہ بات مسلمات تاریخیہ سے ہے کہ جب تیسرے نمبر پر خلافت کمیٹی کے سرپنچ عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اگر تم قرآن و سنت و سیرت شیخین پر عمل کرنے کا اقرار کرو تو ہم تمہاری خلافت پر بیعت کرتے ہیں تو حضرت علی نے قرآن و سنت پر عمل کرنے کا تو اقرار کیا لیکن سیرت شیخین پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور تیسرے نمبر پر جب خلافت سیرت شیخین کی پیروی کی شرط پر دی جا رہی تھی تخت حکومت کو ٹھوکر مار دی مگر سیرت شیخین پر عمل کرنا قبول نہ کیا اور حضرت علیؑ کا سیرت

شیخین سے انکار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ سیرت شیخین غیر از قرآن وسنت تھی۔ کیونکہ اگر سیرت شیخین قرآن وسنت کے مطابق ہوتی تو نہ اسے قرآن وسنت کے ساتھ علیحدہ تو نہ اسے قرآن وسنت کے ساتھ علیحدہ شرط قرار دیا جاتا اور نہ ہی حضرت علی اس سے انکار کرتے اس واقعہ سے کیا نتیجہ نکلتا ہے اور کیا بات ثابت ہے حضرت علی کو خلیفہ بلافصل، امام برحق اور ھادی خلق اور واجب الاطاعت ماننے والے اس نتیجہ کو صحیح سمجھتے ہیں اور جو بات ثابت ہوتی ہے اسے ماننے میں اور اس بات کو دوسرے سب سمجھتے ہیں اور بہتیرا سمجھتے اور چونکہ اسلام حقیقی کے ان ماننے والوں کا حق ہونا انھیں دم بخود کردیتا ہے اور وہ ان کی کسی دلیل کو غلط نہیں کہہ سکتے لہذا باتوں کو اور اس فرقے کو عبداللہ بن سبا کی طرف نسبت دے کر اپنے دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں۔

حالانکہ سیرت شیخین کی پیروی کا انکار کرکے تخت حکومت کو ٹھوکر مار دینے کے واقعہ کو تاریخ ابن خلدون میں یعنی الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ 1284ہجری کے صفحہ 126 پر اور شمس التواریخ کے صفحہ نمبر 121 پر اور تاریخ طبری الجزء الخامس کے صفحہ نمبر 37 پر اور اور تاریخ حبیب السیر جلد اول جزء چہارم کے صفحہ 27، 28 پر تاریخ ابی الفداء کے الجزء الاول کے صفحہ 165, 166 پر اور تاریخ کامل الجزاالاول کے صفحہ 63 پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں جب عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان کی طرف سے سیرت شیخین پر عمل کرنے کا اقرار کرنے پر خلاف بیعت کرلی تو حضرت نے فرمایا:

فقال علي جوته جودهر ليس هذا اول يوم تظاهرم ثم فيه علينا . فصبر جميل والله المستعان علي تصفون ، والله ما وليت عثمان الا ليرد الامر اليک.

الطبری الجزء الخامس 37

''حضرت نے کہا کہ تم نے عثمان کو بغیر حق و استحقاق کے بخشش کی ہے یہ پہلا دن نہیں ہے کہ امر خلافت میں تم نے ہم پر غلبہ کیا ہے پس صبر جمیل ہی مناسب ہے اور خداوند تعالی ہماری مدد کرے گا، جو تم کرتے ہو، بخدا تم نے عثمان کو اس وجہ سے حکومت دی ہے کہ وہ یہ حکومت تم کو ہی واپس کر دے یعنی دراصل تم ہی حاکم ہو اور وہ تمہارے ماتحت کام کرے۔

اور حضرت امیر المومنینؑ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں

" فواللہ ما ذلت مدفوعا عن حقی منشا ثر علی منذ قبض اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ یوم الناس ھذا ''

نہج البلاغہ خطبہ نمبر 6 صفحہ 90 ترجمہ مفتی جعفر حسین

''خدا کی قسم جب سے اللہ نے اپنے رسول کو دنیا سے اٹھایا، برابر دوسروں کو مجھ پر مقدم کیا گیا اور مجھ کو میرے حق سے محروم رکھا گیا''

اور جب چوتھے نمبر پر آپ کی بیعت ہوئی تو آپ نے فرمایا

" آلان اذ رجع الحق الی اھلہ و نقل الی منتقلہ ''

نہج البلاغہ خطبہ نمبر 2 صفحہ 66 مفتی جعفر حسین

یعنی اب یہ وہ وقت ہے کہ حق اپنے اھل کی طرف پلٹ آیا ہے اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا۔

پس ان باتوں سے ثابت ہو گیا کہ شیعہ امامیہ کا وہ فرقہ جو پیغمبر گرامی اسلام کی حیات طیبہ میں بالقوہ موجود تھا اور آنحضرت کی وفات کے بعد ان ہی اعتقادات کے ساتھ جو خدا نے قرآن میں نازل کیے تھے اور پیغمبر اکرم نے فرمائے تھے بالفعل معرض وجود میں آیا تھا یہ فرقہ شیعہ امامیہ حضرت علیؑ کی پیروی میں دوسروں کے بارے میں وہی کچھ کہتا تھا جو خود امیر المومنین کہتے تھے اور جس کا حضرت علیؑ برملا اظہار فرماتے تھے لہذا یہ کسی عبداللہ بن سباء

کے بہکائے میں نہیں آیا اور دوسرے برسر اقتدار آنے والوں کے بارے میں ان کا عقیدہ وہی ہے جس کا اظہار حضرت علیؑ نے برملا کیا۔

غالی یا سبائی فرقے کا بیان

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں

''چوتھا فرقہ شیعہ غالیہ ج و کہ اس خبیث کے ارشد تلامذہ اور خاص الاخص یاروں، دوستوں میں سے تھا آنجناب (یعنی حضرت علیؑ) کی خدائی کا قائل ہو گیا یہ ہے مذہب شیعہ کے پیدا ہونے کا اصل طریق۔

اگر کوئی غیر جانبدار اور منصف مزاج آدمی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مذکورہ بیان میں غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے یہ آخری فرقہ بالکل غلط لکھا ہے کہ: یہ ہے مذہب شیعہ کے پیدا ہونے کا اصل طریق۔ چونکہ بعض نا انصاف اور متعصب اہل سنت علماء و دانشور شیعوں کو بدنام کرنے اور حضرت عثمان کے عمال کی کارگزاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ کہتے آرہے ہیں کہ شیعہ فرقہ پیدا کردہ ابن سبا یہودی کا ہے لہذا شاہ صاحب نے بھی ان کے ہی الزام کی غلط طور پر تائید کی ہے چونکہ انھوں نے تو جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ شیعہ اولی پہلے سے تھے عبداللہ بن سبا کے وسوسہ میں اس شیعہ اولی فرقے کے رد و قبول کی صورت میں چار فرقے بنے یعنی نمبر 1 شیعہ مخلصین نمبر 2 شیعہ تفضیلیہ نمبر 3 شیعہ سبیہ یا تبرائیہ نمبر 4 شیعہ غالی یا سبائی۔ شاہ صاحب کے کہنے کے مطابق ابن سبا کے وسوسہ سے شیعہ فرقہ پیدا نہیں ہوا بلکہ پہلے سے موجود شیعہ اولی میں تفریق ہوئی ہے حالانکہ جیسا کہ ہم ابھی ثابت کریں گے یہ بھی غلط ہے کیونکہ صحیح اور حقیقت اس طرح سے ہے۔

عبداللہ بن سبا کی اصل کارگزاری کا حال

اہل سنت کے تمام دانشور اور علماء و مورخین و سیرت نگا متفقہ طور پر یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دور میں مسلمان ہوا، یہ صنعا کا رہنے والا یہودی تھا یہ اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں مسلمان ہوا اور حضرت عثمان کے آخری دور میں مدینہ آیا یہ بات تو وہ ہے جسے پر سب کا اتفاق ہے اور کسی کو اختلاف نہیں ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ یہ کونس اسلام اور کونسے فرقے میں داخل ہوا اہل سنت کے وہ تمام بے انصاف مصنفین جو اسے شیعہ مذہب کا بانی کہتے ہیں ان کے نزدیک اس وقت تک کوئی اور فرقہ تھا ہی نہیں پس لازمی طور پر یہ یہودی کا بچہ فتوحات کے نتیجہ میں اسی سرکاری مذہب میں داخل ہوا جس کا اس وقت شہرہ تھا جس کا اس وقت رواج عام تھا یعنی ہر حکومت کی اطاعت کرنے والوں کی جماعت کا اسلام اور حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دور کا نقشہ یہ ہے کہ دوسروں کے علاوہ خلافت کمیٹی کے وہ تمام ارکان تک جو مجلس شوریٰ کے ممبر تھے حضرت عثمان کے خلاف ہو گئے جیسا کہ طہٰ حسین مصری نے اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ میں تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ مصر و بصرہ اور کوفہ کے صوبہ جات کے گورنروں سے تنگ آئے ہوئے مسلمان شکایات لے لے کر مدینہ آتے تھے اور ان کے ظلم و ستم کی شکایت کر کے ان کو برطرف کرنے کا مطالبہ کرتے تھے تو حضرت عثمان انھیں یہ جواب دیتے تھے کہ

"ان کنت مستعملا من اردتم و عاز لا من کرھتم فلست فی شئی و الامر امر کم"

تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 80

یعنی تم جسے چاہو اسے میں عامل و گورنر مقرر کروں اور جسے تم نہ چاہو اسے معزول

کردوں ۔ تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ میں تو کوئی چیز ہی نہیں اور حکم چلتا ہے تو وہ تمہارا چلتا ہے۔

مدینہ میں خود حضرت عثمان نے پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا جہاں پر پیغمبر کا یہ بزرگ صحابی کسمپرسی کی حالت میں اور عالم بے کسی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا جس سے انکا قبیلہ بنی غفار اور ان کے حلیف سارے مخالف ہو گئے حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود بزرگ صحابی پیغمبر کو بڑی بیدردی سے پٹوایا جس کی وجہ سے ان کا قبیلہ بنی ہذیل اور ان کے حلیف بنی زہرہ سب کے سب مخالف ہو گئے ۔ عمار یاسر کی مار مار کر پسلیاں تڑوا دیں جس کے باعث ان کا قبیلہ بنی مخزوم اور ان کے حلیف قبیلے سب کے سب نالاں تھے محمد ابن ابی بکر کے قتل کا حکم بھیجنے کی وجہ سے بنی تیم غیض وغضب سے بھرے ہوئے تھے اور دوسرے شہروں کے مسلمان بھی ان کے عمال کے ہاتھوں سخت نالاں تھے ۔ صحابہ کی اکثریت ان سے بد دل ہو چکی تھی اور انہی کے خطوط کی وجہ سے اور ان کے پیغامات ملنے پر کوفہ وبصرہ و مصر کے لوگ مدینہ میں جمع ہوئے تھے جس کی وجہ سے حضرت عثمان نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس سے اہل مدینہ کے رویہ کا بخوبی علم ہو جاتا ہے طبری میں حضرت عثمان کے خط کا مضمون اس طرح ہے

"اما بعد فان اهل المدينة كفروا ، وخلفوا الطاعة و تكثوا البيعة ، فابعث الي من قبلك من مقاتلة اهل الشام علي كل صعب و ذلول "

تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 402

"یعنی واضح ہو کہ اہل مدینہ کافر ہو گئے ہیں اور اطاعت سے منہ پھیر لیا ہے اور بیعت توڑ ڈالی ہے تم شام کے لڑنے بھڑنے والوں کو تند وتیز سواریوں پر میری طرف بھیجو"

معاویہ نے اس خط کے پہنچنے پر جو طرز عمل اختیار کیا اس سے بھی صحابہ کی حالت پر

روشنی پڑتی ہے چنانچہ طبری نے اس کے بعد لکھا ہے کہ

" فلما جاء معاوية الكتاب تربص به و كره اظهار مخالفة اصحاب رسول الله الله عليه و آله و سلم و قد علم اجتماعهم " ایضاً طبری

''جب معاویہ کو یہ خط ملا تو اس نے توقف کیا اور اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی کھلم کھلا مخالف کو برا جانا چونکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اصحاب پیغمبر کا حضرت عثمان کی مخالفت پر اجماع ہو چکا ہے''

ان واقعات کے پیش نظر حضرت عثمان کے قتل کو وقتی جوش اور ہنگامی جذبہ کا نتیجہ قرار دے کر چند بلوائیوں کے سر تھوپ دینا بھی اصل حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے جبکہ ان کی مخالفت کے تمام عناصر مدینہ میں ہی موجود تھے اور باہر سے آنے والے تو ان اہل مدینہ کی آواز پر ہی اپنے دکھ درد کی چارہ جوئی کے لئے جمع ہوئے تھے جن کا مقصد صرف اصلاح حال تھا نہ کہ قتل و خونریزی۔ اگر ان کی داد و فریاد سن لی جاتی تو اس خون خرابے تک کبھی نوبت نہ پہنچتی مگر ہوا یہ کہ جب اہل مصر نے حضرت عثمان کے دودھ شریک بھائی والی مصر عبداللہ بن سعد ابی سرح کے ظلم و تشدد کا حال لکھ کر ایک شخص کے ہاتھ بھیج کر حضرت عثمان سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے مظالم کو روکا جائے تو حضرت عثمان نے اس شخص کو ہی گھر سے نکلوا دیا۔ جس پر اہل بصرہ جو وادی ذی خشب میں ٹھہرے ہوئے تھے ان کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے اور مدینہ کے لوگوں کو حکومت کی ستم رانیوں کے ساتھ اس طرز عمل کا بھی شکوہ کیا۔

ادھر کوفہ اور بصرہ کے بھی سینکڑوں آدمی اپنے شکوے شکایات لے کر مدینہ آئے ہوئے تھے جو ان سے ہم نوا ہو کر اہل مدینہ کی پشت پناہ کے ساتھ آگے بڑھے۔

جب حضرت عثمان نے اس حد تک حالات بگڑتے ہوئے دیکھے تو بڑی لجاجت

سے امیر المومنین علیؑ سے خواہش کی کہ وہ ان کے لئے چھٹکارے کی کوئی سبیل کریں۔

چنانچہ حضرت علیؑ مصریوں سے جا کر ملے اور ان سے بات چیت کی تو وہ اس شرط پر واپس پلٹ جانے پر آمادہ ہو گئے کہ تمام مظالم کا خاتمہ کیا جائے اور ابن ابی سرح گورنر مصر کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مقرر کیا جائے چنانچہ حضرت عثمان نے ان کا مطالبہ مان لیا ابن ابی سرح کو معزول کر کے محمد ابن ابی بکر کو مصر روانہ کر دیا گیا اور وہ لوگ حضرت علیؑ کے کہنے پر منتشر ہو گئے اور کچھ محمد ابن ابی بکر کے ہمراہ مصر چلے گئے اور کچھ وادی ذی خشب میں آ کر ٹھہر گئے۔

لیکن جب محمد ابن ابی بکر حجاز کی سرحد طے کر کے بحیرہ قلزم کے کنارے مقام ایلہ تک پہنچے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک ناقہ سوار بڑی تیزی کے ساتھ اپنی سواری کو دوڑائے چلا جا رہا ہے ان لوگوں کو کچھ شبہ ہوا تو اسے بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا میں عثمان کا غلام ہوں پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے اس نے کہا کہ مصر کا پوچھا کہ کس کے پاس جا رہے ہو اس نے کہا والی مصر کے پاس، لوگوں نے کہا کہ والی مصر محمد بن ابی بکر تو ہمارے ہمراہ ہے تم کس کے پاس جا رہے ہو اس نے کہا کہ مجھے ابن ابی سرح کے پاس جانا ہے لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی خط وغیرہ بھی ہے اس نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا کہ پھر تم کس مقصد سے جا رہے ہو اس نے کہا یہ نہیں معلوم۔ اس پر لوگوں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک خط نکلا جب اسے کھول کر پڑھا گیا تو فرمان خلافت یہ تھا کہ جب محمد بن ابی بکر تمہارے پاس اپنے ہمرائیوں کے ساتھ پہنچیں تو ان کو قتل کر دو اور فلاں کو جیل میں ڈالو اور فلاں کے ہاتھ کاٹو اور اپنے عہدے پر برقرار ہو یہ خط پڑھ کر سب پر سناٹا چھا گیا اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

اب آگے بڑھنا تو موت کے منہ میں جانا تھا لہذا وہ اس غلام کو ساتھ لے کر سب

مدینہ پلٹ پڑے اور وہاں پہنچ کر وہ خط صحابہ کے مجمع کے سامنے رکھ دیا اس واقعہ کو جس نے بھی سنا انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔ اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حضرت عثمان کو برا نہ کہہ رہا ہو۔ اس کے بعد چند صحابہ ان لوگوں کے ہمراہ حضرت عثمان کے ہاں پہنچے اور وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا کہ اس خط پر مہر کس کی ہے کہا کہ میری۔ پوچھا کہ یہ تحریر کس کی ہے کہا کہ میرے کاتب کی۔ پوچھا کہ غلام کس کا ہے کہا کہ میرا ہے۔ پوچھا کہ سواری کس کی ہے کہا کہ حکومت کی پوچھا کہ یہ بھیجا کس نے ہے فرمایا کہ اس کا مجھے علم نہیں ہے لوگوں نے کہا سبحان اللہ سب کچھ آپ کا ہے اور آپ کو یہ تک پتہ نہیں کہ یہ کس نے بھیجا ہے جب آپ اتنے ہی بے بس ہیں تو چھوڑ دیئے خلافت کو اور الگ ہو بیٹھیے انھوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اس پیراہن کو اتار دوں جو اللہ نے مجھے پہنایا ہے۔ لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ خلافت کو چھوڑ دیئے اور اگر آپ کے بھائی بند ہمارے سدراہ ہوئے تو ہم انہیں روکیں گے اور اگر وہ لڑنے لئے آمادہ ہوئے تو ہم بھی لڑینگے۔ نہ ہمارے ہاتھ شل ہیں اور نہ ہی ہماری تلواریں کند ہیں اگر آپ مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور انصاف کے علمبردار ہیں تو مروان کو ہمارے حوالہ کیجئے تا کہ ہم اس سے باز پرس کریں کہ وہ کس کے بل بوتے پر یہ خط لکھ کر مسلمانوں کی عزیز جانوں سے کھیلنا چاہ رہا تھا۔ مگر حضرت عثمان نے ان کا یہ مطالبہ ٹھکرا دیا اور مروان کو حوالہ کرنے سے انکار کر دیا جس پر لوگوں نے کہا کہ پھر یہ خط بھی آپ ہی کے حکم سے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ مصر و کوفہ و بصرہ سے آئے ہوئے تمام لوگ سیلاب کی طرح بڑھے اور مدینہ کی گلیوں میں پھیل گئے اور ہر طرف سے نا کہ بندی کر کے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

انہی محاصرہ کے دنوں میں پیغمبرؐ کے ایک صحابی نیار ابن عیاض نے حضرت عثمان سے بات چیت کرنا چاہی اور ان کے ہاں پہنچ کے انہیں پکارا جب انھوں نے اوپر سے

جھانک کر دیکھا تو نیار صحابی نے کہا اے عثمان خدا کے لئے اس خلافت سے دستبردار ہو جاؤ اور مسلمانوں کو اس خوان خرابے سے بچاؤ ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ حضرت عثمان کے آدمیوں میں سے ایک نے انہیں تیر کا نشانہ بنا کر جان سے مار ڈالا جس پر لوگ بھڑک اٹھے اور پکار کر کہا کہ نیار کا قاتل ہمارے حوالہ کرو مگر حضرت عثمان نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے ایک مددگار کو تمہارے حوالہ کر دوں ۔اس پر لوگوں نے جوش میں آ کر ان کے گھر کے دروازے میں آگ لگا دی اور اندر گھسنے کے لئے آگے بڑھے کہ مروان بن حکم، سعید ابن عاص اور مغیرہ ابن خنس اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ محاصرہ کرنے والوں پر ٹوٹ پڑے اور دروازہ پر کشت وخون شروع ہوگیا ۔کچھ لوگ حضرت عثمان کے مکان کے عقب سے ان کے گھر کی چھت پر چڑھ گئے اور چھت سے گھر کے صحن میں اتر کر تلواریں سونت لیں ۔ابھی ایک آدھ جھڑپ ہی ہونے پائی تھی کہ حضرت عثمان کے تمام ہوا خواہ اور سارے بنی امیہ بھاگ کھڑے ہوئے اور جو باقی رہ گئے وہ حضرت عثمان کا حق نمک ادا کرتے ہوئے ان کے ساتھ قتل ہو گئے ۔

(خلاصہ از تاریخ الخلفاء و تاریخ طبری)

جب دونوں فریق کو دیکھا جاتا ہے تو حضرت عثمان کے مخالفین میں آگے آگے ام المومنین حضرت عائشہ، عشرہ مبشرہ، بقیہ اہل شوریٰ، انصار و مہاجرین، اصحاب بدر اور دیگر جلیل القدر افراد نظر آتے ہیں اور حضرت عثمان کے ساتھ صرف ان کے چند غلام اور بنی امیہ کی چند فردیں دکھائیں دیتی ہیں اور ان سب میں وہی لوگ جو حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے انھوں نے ہی لوگوں کو اشتعال دلا کر حضرت عثمان کی موت کا سروسامان کیا تھا چنانچہ تاریخوں میں اس سلسلہ میں طلحہ ابن عبداللہ، زبیر بن العوام اور ام المومنین حضرت عائشہ کا نام سرفہرست نظر آتا ہے ۔

شیخ محمد عبدہ مفتی الدیار المصریہ حضرت عائشہ کے بارے میں لکھتے ہیں

" ان ام المومنین اخرجت تعلی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم و قمیصه من تحت ستارها و عثمان رضی الله عنه علی المنبر و قالت هذا ان نعل رسول الله و قمیصه لم تبل و قد بدلت من دینه و غیرت من سنة و جری بینهما الکلام فخاشتة فقالت اقتلوا نعثلاً تشبیه برجل معروف "

شرح نہج البلاغہ مفتی محمد عبدہ مطبوعہ مصر جلد 1 ص 3

حضرت عائشہ نے جب کہ عثمان منبر پر تھے رسول کی جوتیاں اور قمیص نکالی اور ان سے کہا کہ یہ رسول اللہ کی جوتیاں اور قمیص ہے ابھی یہ چیزیں پرانی بھی نہیں ہوئی تھیں کہ تم نے ان کے دین کو بدل دیا اور سنت کو مسخ کر دیا۔ پھر دونوں میں بہت زیادہ تلخ کلامی ہوئی اور حضرت عائشہ نے کہا اس نعثل کو قتل کر ڈالو، حضرت عائشہ انھیں ایک مشہور آدمی سے تشبیہ دیتے ہوئے نعثل کہا کرتی تھیں۔

مورخ یعقوبی لکھتے ہیں کہ

" و کان بین عثمان و عائشه منافرة و ذالک انه نقصها مما کان یعطیها عمر ابن الخطاب و صبرها اسوة غیرها من نساء رسول الله"

تاریخ یعقوبی ج 2 ص 132

"یعنی حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کے درمیان نفرت کی خلیج حائل تھی اور انھوں نے وہ وظیفہ جو انھیں حضرت عمر دیا کرتے تھے کم کر دیا اور رسول خدا کی دوسری ازدواج کے برابر انھیں دینا شروع کر دیا۔

چنانچہ حضرت عائشہ لوگوں کو حضرت عثمان کے بارے میں اقتلو نعثلاً فقد کفر

تاریخ کامل جلد 3 ص 105

اس نعثل کو قتل کر دو یہ کافر ہو گیا ہے، کہہ کر اور انھیں اشتعال دلا کر حضرت طلحہ کے حکومت کے خزانے پر قبضہ کر لینے کے بعد حج کے ارادے سے مکہ چلی گئیں تا کہ ان کے اشتعال کے نتیجہ میں جو ہونا ہے ان کے پیچھے۔

چنانچہ وہ مکہ کے راستہ میں بھی لوگوں کو اس سلسلے میں اشتعال دلائی جاتی تھیں راستہ میں مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر مقام صلصل پر حضرت عبداللہ ابن عباس سے ملاقات ہوئی جو امیر حج کی حیثیت سے مکہ جا رہے تھے حضرت عائشہ نے ان سے کہا۔

یا بن عباس انشدک اللہ فانک قد اعطیت لساناً از میلا ان تخذل الناس من ھذا لرجل، ان تشکک فیہ الناس فقد بابت لھم بصائرھم و افھمت و رفعت لھم المنار وتجلبوا من البلدان لامر قد حم و قد رائت طلحۃ ابن عبیداللہ قد اتخذ علی بیوت الاموال و الخزائن و مفاتیح فان یل بیسرہ بیسہ ابن عمہ ابی ابکر

(تاریخ طبری ج3 صفحہ 434)

اے ابن عباس تم کو گویا اور چرب زبانی کا جوہر عطا ہوا ہے میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم لوگوں کو اس شخص (عثمان) کی مدد سے روکو۔ یوں بھی لوگوں کی آنکھیں کھل چکی ہیں حقیقت کی راہ ہموار اور روشن کا مینار بلند ہو چکا ہے لوگ مختلف شہروں سے فیصلہ کن امر کے لئے جمع ہو چکے ہیں آپ جانتے ہیں کہ طلحہ ابن عبیداللہ بیت المال اور خزانہ کی کنجیوں پر قابض ہو چکا ہے اگر خلافت و حکومت اس کو مل گئی اور وہ بر سر اقتدار آ گیا تو وہ قدم بقدم اپنے ابن عم ابو بکر کی سیرت پر چلے گا۔

حضرت عائشہ کے اس بیان سے ثابت ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے قتل عثمان کا فتوی دیا اور ان کے مدینہ رہتے ہوئے طلحہ بیت المال اور خزانہ پر قابض ہو چکا تھا اور

حضرت عائشہ کی یہ دلی خواہش تھی کہ عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد طلحہ خلیفہ بنے۔

بلاذری انساب الاشراف میں لکھتے ہیں کہ طلحہ ابن عبیداللہ اوران کا قبیلہ بنی تمیم اس مخالفت میں پیش پیش تھا۔ طلحہ نے لوگوں کو بھڑکانے اوران کے قتل کے اسباب مہیاء کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی بلاذری لکھتے ہیں

" لم یکن احد من اصحاب النبی اشد علیٰ عثمان من طلحة "

انساب الاشراف ج 1 صفحہ 113

اصحاب نبی میں طلحہ سے بڑھ کر حضرت عثمان پر سخت گیراور کوئی نہ تھا۔

چنانچہ انھوں نے محاصرہ کے دنوں میں لوگوں کو ان تک پانی پہنچانے سے منع کیا انھی نے رات کے اندھیرے میں ان کے گھر پر تیر برسائے اور لوگوں کو ان کے خلاف مشتعل کیا چنانچہ ان ابی الحدید کہتے ہیں کہ:

روی الناس الذین صنعوا فی واقعة الدار ان طلحة کان یوم قتل عثمان مقنعاً بثوب قد استتر عن اعین الناس یرمی الدار بالسهام "

شرح ابن ابی الحدید جلد 2 ص 404

یعنی جن لوگوں نے قتل عثمان کے سلسلے میں واقعات تحریر کیے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے قتل کے دن عثمان کی یہ حالت تھی کہ وہ لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے حضرت عثمان کے گھر پر تیر برسا رہے تھے۔

مورخ شہیر طبری لکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمان کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے کہا" الھم اکفنی طلحة ابن عبیدالله فان حمل علی ھولاء و الیھم '

تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 411

خدایا مجھے طلحہ ابن عبیداللہ کے شر سے بچائے رکھ اس نے لوگوں کو میرے خلاف

بھڑکایا ہے اور میرے گرد گھیرا ڈلوایا ہے۔

طلحہ کا یہ رویہ حضرت عثمان کی زندگی تک ہی تھا بلکہ ان کے قتل کے بعد بھی ان کی روش نہ بدلی اور ان کی نعش پر اور تجہیز و تکفین کرنے والوں پر پتھر برسوائے اور انھیں جنت البقیع میں دفن نہ ہونے دیا۔

حضرت زبیر کے بارے میں بھی یہی مشہور ہے کہ وہ قتل عثمان میں پیش پیش تھے چنانچہ ابی ابن الحدید لکھتے ہیں کہ

ان الزبير كان يقول اقتلوه فقد بدل دينكم فقالوا ان ابنك يحامى عنه بالباب فقال ما اكره ان يقتل عثمان ولو بدى بانبى ان عثمان لجيفة على الصراط غداً

(شرح ابن ابی الحدید جلد 2 صفحہ 404)

یعنی زبیر یہ کہتے پھرتے تھے کہ عثمان کو قتل کر دو اس نے تو تمہارا دین ہی بدل ڈالا ہے لوگوں نے کہا کہ آپ بیٹا تو ان کے دروازے پر کھڑا ہوا ان کی حفاظت کر رہا ہے آپ نے کہا کہ خواہ میرا بیٹا ہی کام آجائے مگر عثمان قتل کر دیا جائے یہ تو کل پل صراط پر مردار کی صورت میں پڑا ہوگا۔

اور جب حضرت عائشہ کو حضرت عثمان کے قتل کی اطلاع ملی تو انھوں نے فرمایا

"ابعدالله ذالک بما قدمت يداه و ماالله لظلام اللعبيد"

شرح ابن ابی الحدید جلد 2 صفحہ 77

یعنی خدا عثمان کو اپنی رحمت سے دور رکھے، یہ اس کی کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور خدا تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ کا خیال تھا کہ عثمان کے قتل کے بعد طلحہ کو خلیفہ بنالیا گیا ہوگا، اسی

امید پر مکے سے مدینے کی طرف چلی جارہی تھیں کہ راستے میں حرف کے مقام پر عبیداللہ ابن ابی سلمہ سے ملاقات ہوگئی، حضرت عائشہ نے اس سے مدینہ کے حالات دریافت کیے تو اس نے کہا حضرت عثمان قتل کر دیے گئے ہیں اور اہل مدینہ نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی یہ سن کر حضرت عائشہ نے فرمایا۔

"لیت هذا انطبقت علی هذه ان تم الامر لصاحبک ادونی"

تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 105

یعنی اگر علی کی بیعت ہوگئی تو کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ جائے اب مجھے مکہ واپس جانے دو۔

چنانچہ انہیں قدموں پر واپس جاتے ہوئے فرمایا

"قتل واللہ عثمان مظلوماً واللہ لا طلبن بدمه"

تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 108

خدا کی قسم عثمان مظلوم مارے گئے ہیں، خدا کی قسم میں ان کے خون کا انتقام لے کر رہوں گی

عبیداللہ ابن ابی سلمہ نے کہا یہ کیا ہوا، آپ ہی تو عثمان کے بارے میں کہا کرتی تھیں کہ

"اقتلوا نعثلا فقد کفر" تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 105

یعنی اس نعثل کو قتل کر دو یہ کافر ہوگیا ہے۔

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ہاں میں پہلے یہی کہا کرتی تھی اور میں کیا سب ہی یہ کہا کرتے تھے مگر انھوں نے آخر وقت میں توبہ کر لی تھی لہذا اب میری یہ رائے پہلی رائے سے زیادہ صحیح اور درست ہے۔

غرض طلحہ و زبیر مخالفت کی آگ بھڑکانے میں پیش پیش تھے اور قتل عثمان میں شریک اور ان کے خون کے حصہ دار تھے اور ان کے ہوا خواہ بھی صفائی پیش کرنے سے قاصر

رہتے تھے چنانچہ ابن قتیبہ دینوری لکھتے ہیں جب بصرے جاتے ہوئے مقام اوطاس میں حضرت عائشہ سے مغیرہ ابن شعبہ کی ملاقات ہوئی تو اس نے آپ سے دریافت کیا کہ

" این تریدین یا ام المومنین ؟ قالت ارید البصرہ قال وما تصنعین بالبصرة ، قالت اطلب بدم عثمان ، قال فھولاء وما تصنع بھا ، قال اطلب قتلة عثمان ، قال فھولاء قتلة عثمان معک، ان ھذا الرجلین قتلاعثمان طلحة و الزبیر "

کتاب الامۃ والسیاست ابن قتیبہ دینوری ص 55

یعنی اے ام المومنین کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا بصرے کا۔ کہا وہاں کیا کام ہے؟ فرمایا خون عثمان کا قصاص لینا ہے۔ اس نے کہا عثمان کے قاتل تو آپ کے ہمراہ ہیں پھر مروان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پوچھا کہ تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں بھی بصرہ جا رہا ہوں کہا کس مقصد کے لیے؟ کہا کہ عثمان کے قاتلوں سے بدلہ لینا ہے اس نے کہا کے عثمان کے قاتل تو تمہارے ساتھ ہیں اور انہی طلحہ اور زبیر نے ہی تو انھیں قتل کیا ہے۔

ایسا ہی واقعہ ایسی ملاقات سعید ابن عاص سے بصرہ کے راستہ میں ہوئی چونکہ ان کا مکالمہ بھی بالکل اسی طرح ہے لہذا ہمیں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ملاحظہ ہو، تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 107۔

یہی وجہ تھی کہ مروان نے موقع پا کر عین میدان جنگ میں طلحہ کو ایک زہر آلود تیر کے ذریعہ ہلاک کر دیا چنانچہ طبقات ابن سعد میں اس طرح لکھا ہے کہ

ان مروان بن الحکم امی طلحة یوم الجمل و ھو الی جنب عائشہ بسیھم فاصاب ساقه ثم قال واللہ الااطلب قاتل عثمان بعدک ابداً

سیرۃ امیر المومنین ص 565

بحوالہ طبقات ابن سعد

یعنی جمل کے دن مروان بن الحکم نے طلحہ کو جو حضرت عائشہ کے پہلو میں کھڑے تھے تیر مارا، جوان کی پنڈلی میں لگا، پھر مروان نے کہا خدا کی قسم تمہارے بعد مجھے قاتل عثمان کو ڈھونڈنے کی ضرورت پیش نہ آئیگی۔

بہر حال یہ تمام حقائق و واقعات اسی بات کے گواہ ہیں کہ حضرت عثمان کے طرز عمل، ان کے عمال کی بدعنوانیوں نے نہ صرف مہاجرین و انصاف مدینہ، خلافت کمیٹی کے ارکان، عشرہ مبشرہ کے ارکان بلکہ ام المومنین حضرت عائشہ تک نہ ان کے قتل کا فتویٰ دے چکی تھیں اور طلحہ و زبیر نے نہ صرف ان کے قتل پر لوگوں کو ابھارا تھا بلکہ خود محاصرہ کرنے والوں میں پیش پیش تھے اور طلحہ بیت الاموال تک پر قبضہ کر چکے تھے۔

ان حالات میں عبداللہ بن سبا کا کیا کردار ہو سکتا ہے کیا محمد ابن ابی بکر کے قتل کا حکم مروان سے لکھوا کر اس نے بھجوایا تھا؟ کیا بزرگ اصحاب پیغمبر نے ساتھ حضرت عثمان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس نے کرایا تھا؟ کیا حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے قتل کا فتویٰ اس نے دلوایا تھا؟ کیا حضرت زبیر سے ''اقتلوہ فقد بدل دینکم'' عثمان کو قتل کر دو اس نے تمہارے دین کو بدل ڈالا ہے عبداللہ بن سباء کے بہکائے میں آ کر کہا تھا؟ کیا حضرت عائشہ نے اقتلو نعثلا فقد کفر حضرت عثمان کو نعثل سے تشبیہ دے کر قتل کرنے کا فتویٰ عبداللہ بن سبا کے بہکائے میں آ کر دیا تھا؟ کیا حضرت عثمان سے حضرت عائشہ کا وظیفہ کم کرا کر حضرت عائشہ کو حضرت عثمان سے ناراض بھی عبداللہ بن سبا نے کرایا تھا؟ وغیرہ وغیرہ عبداللہ بن سبا کا کردار اس سارے فتنہ و فساد میں اگر کوئی ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ وہ اس سرکاری مذہب میں داخل ہوا تھا یعنی اس نے ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت اسلام اختیار کیا تھا وہ ان حالات کو انتہائی حیرت و تعجب اور پریشانی کے عالم میں دیکھ رہا ہوگا اور جب مدینہ کے

تمام مہاجرو انصار اصحاب پیغمبر نے اور مصر و بصرہ و کوفہ سے آئے ہوئے تمام لوگوں نے حضرت علی کی چوتھے نمبر پر بیعت کرلی اور ان کو اپنا چوتھا خلیفہ مان لیا تو مذکورہ عبداللہ بن سبا نے بھی اس جماعت سے وابستگی رکھتے ہوئے حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان لیا اور حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ ماننے والے سارے کے سارے مسلمان ابھی تک ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے ہی پیروکار کہلاتے تھے۔ اس وقت عبداللہ بن سبا کے تصور اور خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا کہ زمانہ مستقبل بعید میں بعض بے انصاف مسلمان دانشور اور اس سرکاری مذہب کے اہلکار اس سارے فتنہ فساد کو ایک سازش قرار دے کر میری گردن میں ڈال دیں گے۔

بہرحال طلحہ عزبیر کی یہ ساری سرگرمیاں اپنے لئے تھیں یعنی وہ قتل عثمان کے بعد خود خلیفہ بنا چاہتے تھے حضرت عائشہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ حضرت عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد حضرت طلحہ کو خلیفہ بنایا جایا جیسا کہ خود ان کی گفتگو سے جو مکہ کے راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے ہوئی ثابت ہے۔ لیکن جب مدینہ کے تمام مہاجرین وانصار نے اور مصر و کوفہ و بصرہ کے لوگوں نے حضرت علیؑ کی چوتھے نمبر پر بیعت کرلی اور ان کو چوتھا خلیفہ مان لیا تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اپنے مقصد میں ناکام ہو کر مکہ چلے گئے اور حضرت عائشہ کے ساتھ مل کر خون عثمان کے بہانہ سے بصرہ پر چڑھائی کردی، کیونکہ اگر انھیں خون عثمان کا انتقام لینا تھا تو انھیں مدینہ کا رخ کرنا چاہیے تھا ابھی مصر و کوفہ و بصرہ کے لوگ بھی مدینہ میں ہی تھے بزرگ اصحاب پیغمبر مہاجر و انصار مدینہ بھی ابھی مدینہ میں تھے اور خود حضرت علیؑ مدینہ میں ہی تھے لہذا اگر حقیقتاً و واقعتاً خون عثمان کے انتقام کی کوئی بات ہوتی تو انھیں مدینہ کا رخ کرنا چاہیے تھا لیکن دراصل یہ صرف ایک بہانہ ہی بہانہ تھا اصل مقصد ان کا یہ تھا کہ پہلی فرصت میں عراق کے جنوب میں بصرہ پر قبضہ کرلیا جائے اور وہاں حکومت قائم

کر کے ایک طرف سے طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کا لشکر اور شمال کی طرف سے شام سے معاویہ کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کر کے مدینہ میں اپنی حکومت قائم کی جائے لیکن یہ حضرات ابھی بصرہ پر قبضہ نہ کر پائے تھے کہ حضرت علیؑ کو خبر ہوگئی اور حضرت علی مدینہ سے مدینہ کے مہاجر و انصار اور مصر و کوفہ و بصرے سے آئے لوگوں کو ساتھ لے ان کے مقابلہ کے لئے بصرے پہنچ گئے اس وقت حضرت علیؑ کے لشکر میں سارے کے سارے لشکری یا بزرگ اصحاب پیغمبر تھے جن میں بہت سے بدری تھے، بہت سے اصحاب شجرہ یعنی بیعت رضوان کرنے والے تھے اور باقی سب تابعین تھے جب ان کا مقابلہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت عائشہ کے لشکر سے ہوا جو خود کو شیعیان عثمان کے لقب کے ساتھ جنگ کر رہے تھے کیونکہ یہ اب ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے ساتھ نہ رہے تھے تو حضرت علی کے لشکریوں نے حضرت امیر المومنینؑ کی پیروی میں شیعیان عثمان کے مقابلہ میں خود کو شیعیان علی کے لقب سے ملقب کر لیا یہی وہ شیعہ اولی ہیں جن کا ذکر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاف تحفہ اثنا عشری میں اور رشید احمد گنگوہی بانی مدرسہ دیوبند نے اپنے سیف ناصری کے جواب میں اور دوسرے بزرگ علماء اور دانشوروں نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے یہ شیعیان علی کہلاتے ہوئے بھی اپنے اسی سرکاری مذہب پر تھے یعنی ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کا اسلام، کیونکہ اگر یہ حضرات حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ نہ مانتے تو ان کی اطاعت بھی نہ کرتے اور شیعیان علی بھی نہ کہلاتے۔

پس عبداللہ بن سبا یہودی پہلے بھی اسی سرکاری مذہب میں داخل ہوا اور رہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام سے وابستہ رہا اور حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ ماننے والوں کے ساتھ ہی ان کے ساتھ وابستہ رہا اور شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعہ علی کہلانے لگا پس ثابت ہوا کہ یہ یہ شیعہ مذہب بھی پیدا کردہ عبداللہ بن سبا یہودی کا نہیں ہے بلکہ شیعہ

اولی کا وجود پہلے سے اور یہ ان کی وابستگی میں شیعہ اولی کہلایا۔

لیکن ان سیاسی شیعیان علی کا ان اعتقادی شیعیان امامیہ اثناعشری سے کوئی تعلق نہیں تھا جو پیغمبر صلعم کی وفات کے عین بعد بالفعل معرض وجود میں آگئے تھے اور حضرت علیؑ کو پیغمبر صلعم کا خلیفہ بلافصل مان کر آنحضرت جانشین حقیقی منصوص من اللہ۔ معصوم عن الخطاء امام برحق اور ہادی خلق مان کر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اسلام حقیقی پر کاربند رہتے ہوئے وقت گزار رہے تھے لیکن حضرت علی کے برسر اقتدار آنے کے بعد کھل کر میدان میں آگئے اور سب سے بڑھ کر جانثاری اور فداکاری دکھاتے رہے تھے۔

عبداللہ بن سبا جس نے فتوحات کے نتیجہ میں اسلام قبول کیا جس نے رائج الوقت سرکاری مذہب اختیار کیا اور سب کے ساتھ ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کے ساتھ وابستگی اختیار کی اور جب انھوں نے شیعیان علی کہلانا شروع کیا تو یہ بھی ان کے ساتھ شیعہ علی کہلانے لگ گیا چونکہ سابقہ حکمران ہمیشہ دارالخلافہ میں رہتے تھے ملک گیری اور کشور کشائی کے لئے لشکر کشی ہوتی تھی فوجی مہمات بھیجی جاتی تھیں مگر خود کبھی بھی میدان جنگ میں روانہ نہ ہوتے تھے۔

اس لئے اکثر لوگوں کو خلیفہ کی زیارت کبھی بھی نصیب نہ ہوتی خصوصاً اسلام میں نئے داخل ہونے والے خلیفہ وقت کو کبھی بھی نہ دیکھ پاتے تھے لیکن حضرت علی نے ہر جنگ میں پیغمبر اکرم صلعم کی سنت اور سیرت پر عمل کرتے ہوئے خود تمام جنگوں میں کمان کی۔ خود میدان جنگ میں دشمن کے مقابل ہوتے تھے لہذا لشکر کا ہر آدمی آپ کو دیکھتا تھا ان کی زیارت کرتا تھا آپ کے کارنامے ملاحظہ کرتا تھا پس عبداللہ بن سبا نے اپنی کھلی آنکھوں سے نہ صرف آپ کی شجاعت دیکھی، آپ کی سخاوت دیکھی، آپ کی عباد دیکھی، آپ کا علم دیکھا آپ کا حلم دیکھا، آپ کی پیش گوئیاں دیکھیں، آپ کی فصاحت دیکھی آپ کی بلاغت

دیکھی، آپ کی شفقت دیکھی آپ کی عنایت دیکھی، بلکہ آپ کے معجزات بھی دیکھے اور آپ کی کرامات بھی دیکھیں۔

علامہ شبلی نے اسلام میں فرقوں کی پیدائش کے اسباب میں سے ایک ایک سبب یہ لکھا ہے کہ فتوحات کے نتیجہ میں جب بہت سی اقوام اسلام میں داخل ہوئیں تو انھوں نے قرآن کے الفاظ کی اپنے قدیم مذہب کے مطابق توجیہ کی مثلاً قران میں اللہ کے لئے ہاتھ کا بیان ہوا ہے" ید اللہ "اور اللہ کے چہرے کا بیان ہوا ہے" وجہ ربک "پس انھوں نے ان الفاظ کے معنی اپنے قدیم عقیدہ کے مطابق ظاہرہ الفاظ کے مطابق ہی لئے اور یہ سمجھا کہ اللہ کے ہاتھ ہیں اللہ کا چہرہ ہے پس وہ مسلمان ہونے کے باوجود اس کے جسم کے قائل ہوگئے۔

اسی طرح فتوحات کے نتیجے میں جہاں زرتشی مسلمان ہوئے۔مجوسی مسلمان ہوئے وہاں یہودی اور عیسائی بھی مسلمان ہوئے اور بالاتفاق عبداللہ بن سبا یہودی تھا اور یہودیوں اور عیسائیوں کا قران نے عقیدہ اس طرح بیان کیا ہے کہ

قالت الیہود عزیر ۨ ابن اللہ و قالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ (التوبہ۔30)

یہودی کہتے ہیں عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

اور چونکہ ہر نوع اور ہر جنس کی نسل اسی نوع اور اور جنس سے ہوتی ہے پس خدا کا بیٹا خدا ہی کہلائیگا اور یہود و نصاریٰ اپنے ان انبیاء کو خدا کا بیٹا یا خدا اس لئے کہتے تھے کہ ان کے ہاتھوں معجزات و کرامات کا ظہور رہوتا تھا اور ایسے معجزات و کرامات سوائے خدا کے اور کوئی نہیں دکھا سکتا تھا لہذا یہودی حضرت عزیر کی خدائی کا عقیدہ رکھتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے تھے۔

کوئی انسان کسی انسان کو ویسے ہی خدا نہیں مان سکتا عبداللہ بن سبا نے بھی جو

یہودی سے مسلمان ہوا تھا جب حضرت علیؑ سے معجزات وکرامات کا ظہور دیکھا تو اس کا سابقہ عقیدہ جاگ اٹھا اور جس وجہ سے اس نے حضرت عزیر کو خدا مانا تھا اسی وجہ سے حضرت علی کی خدائی کا قائل ہوگا اور اسی وجہ سے امام شافعی نے حضرت علیؑ کی شان میں یہ کہا

کفٰی فی فضل مولانا علی وقوع الشک فیہ انہ اللہ

یعنی حضرت علیؑ کی فضیلت میں یہ بات ہی کافی ہے کہ ان کے بارے مں کچھ لوگوں کو خدا ہونے کا شک ہوگیا۔

اور یقیناً وہ اپنے اس نظریہ سے فوری طور پر انہیں لوگوں کو قائل کرسکا ہوگا جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے، یا عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے لہذا حضرت علی کے لشکر سے جو تمام کا تمام اصحاب پیغمبر پر مشتمل تھا، جن میں بدری اصحاب بھی تھے، اصحاب شجرہ یعنی بیعت رضوان کرنے والے بھی تھے اور باقی تابعین تھے وہ ہرگز اس کے بہکائے میں نہیں آسکتے تھے ویسے بھی انھوں نے تو حضرت علیؑ کو مرتبہ میں چوتھے نمبر پر مانا تھا وہ انھیں خدا کیسے مان سکتے تھے، جہاں تک شیعہ امامیہ اثناعشریہ کا تعلق ہے تو وہ تو معجزات وکرامات کو امامت کی دلیل سمجھتے ہیں لہذا وہ بھی اس کے بہکائے میں نہیں آسکتے تھے اور اکثر اہل سنت دانشوروں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت علیؑ کے سب سے افضل ہونے کو بہت سے اصحاب پیغمبر پہلے سے ہی مانتے تھے لہذا ان پر اس کے اثر کا بیا کرنا ان پر صریح تہمت ہے۔

بس اس کا واقعہ اتنا ہی تھا کہ وہ فتوحات کے نتیجہ میں مسلمان ہوا اور اس نے سرکاری مذہب اختیار کرکے ہر حکومت کی اطاعت کرنے والی جماعت کے اسلام کو قبول کرلیا اور جب علی خلیفہ بنے تو سب کے ساتھ اس نے بھی ان کی اطاعت قبول کرلی اور جب حضرت علیؑ کی چوتھے نمبر پر بیعت کرنے والوں نے شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانا شروع کردیا تو یہ بھی ان کے ساتھ ہی شیعہ علی کہلانے لگ گیا اور جب اس

نے حضرت علی سے معجزات وکرامات کاظہور دیکھاتو اس کا سابقہ عقیدہ جووہ معجزات کی وجہ
سے حضرت عزیر کے بارے میں رکھتا تھا جاگ اٹھااوروہ حضرت علیؑ کی خدائی کا قائل ہوگیا
اوران مسلمانوں کو جو یہودی اورعیسائی مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے تھےاپنا ہم خیال
بنالیا اور جب حضرت علیؑ کواس عقیدہ فاسدہ کاعلم ہواتو اس کو تین دن کی مہلت دے کر
موت کی سزادیدی یا محدث دہلوی اورابو زہرہ مصری کےقول کے مطابق مدائن کی طرف جلا
وطن کردیا۔ یہ ہیں عبداللہ بن سبا کے صحیح اوراصل حالات عبداللہ بن سبا کے بعداس کے پیرو
کاروقتی طور پر زیر زمین چلے گئے مگر موقع ملنے پر مختلف کارناموں سے ظہور کرتے رہے۔
چنانچہ 70ھ میں تفضیلیہ فرقہ 75ھ میں سریئیہ فرقہ 96ھ مغیریہ فرقہ معرض وجود میں آئے
ان سب میں حضرت علیؑ کی خدائی کا یا خدا کے حضرت علی میں حلول کرنے کا یا حضرت علیؑ کا
بیٹا ہونے کا وہی یہودیوں اورعیسائیوں والاعقیدہ مشترک ہے اوربلال زبیری کےقول کے
مطابق یہ ایران وعراق میں پائے جاتے ہیں ابو زہرہ مصری انھیں شیعوں سے خارج قرار
دیتے ہیں

شیعہ سے خارج فرقہ

ابو زہرہ مصری مذکورعنوان کےتحت لکھتے ہیں ”متذکرہ الصدرفرقے اوران کے
اشباہ وامثال اب شیعہ میں شمارنہیں کیے جاتے موجودہ شیعہ ان کوغالی قراردیتے ہیں اورکہتے
ہیں کہ یہ اہل قبلہ بھی شمار کیے جانے کے لائق نہیں چہ جائیکہ ان کوشیعہ تصورکیا جائے اس لئے
ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ تاریخ اسلام میں ان فرقوں کوشیعہ میں شمار کیا گیا ہے مگر اکثر شیعہ
مصنفین نے سے اظہار برأت کیا ہے بہرحال یہ فرقے خارج ازاسلام تھےاورآج کل
شیعہ میں سے کوئی بھی اماموں کی الوہیت کا قائل نہیں اور نہ یہ کہتا ہے کہ رسالت کے

بارے میں جبرئیل امین سے غلطی سرزد ہوئی" اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 73-74

سیاسی شیعہ فرقے کیسانیہ کا بیان

ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب اسلامی مذاہب میں یہ لکھا ہے کہ یہ مختار بن عبید ثقفی کے پیروکار تھے مختار پہلے خارجی تھا پھر شیعہ کا لبادہ اوڑھ لیا جو حضرت علیؑ کے حامی تھے کیسانیہ کی نسبت "کیسان" کی طرف ہے بعض کہتے ہیں کہ مختار ہی کا نام کیسا تھا۔ بعض کی رائے میں کیسان حضرت علی کے آزاد کردہ غلام تھا بعض کے نزدیک محمد بن حنفیہ کے شاگرد کا نام ہے۔

اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 74

ابو زہرہ مصری نے کیسان کے بارے میں مختلف آراء کا بیان کیا ہے لیکن اپنی کوئی رائے یا تحقیق نہیں لکھی، ہماری تحقیق یہ ہے کہ چونکہ حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ ماننے والے شیعیان عثمان کے مقابلہ میں حضرت علی کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علی کہلانے لگ گئے تھے اور وہ سب سے پہلے سیاسی شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے لہذا اس وقت کوفہ میں دو طرح کے شیعہ تھے اعتقادی شیعہ بھی اور سیاسی شیعہ بھی چونکہ عبید اللہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں سے کچھ کو شہید کر دیا تھا۔

جیسے ہانی ابن عروہ وغیرہ کو کچھ دے دلا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا، کچھ لوگ کسی نہ کسی طرح کربلا پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جیسے حبیب ابن مظاہر کچھ لوگ چھپ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے اور کچھ لوگوں کو عبید اللہ بن زیاد نے قید کر دیا۔ مختار ابن عبید ثقفی

ان لوگوں میں سے تھا جنہیں عبیداللہ بن زیاد نے قید خانہ میں بند کردیا تھا۔لہذا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ پہلے خارج تھا غلط ہے کیونکہ اسے شیعہ ہونے کے جرم میں قید میں ڈالا گیا تھا چاہے وہ سیاسی شیعوں میں سے یا اعتقادی شیعوں میں سے، بہر حال یہ دونوں ہی حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کے عقیدت مند تھے۔چونکہ مختار نے عبیداللہ ابن زیادہ کی قید سے رہا ہونے کے بعد انتقا خون حسینؑ کے نام سے قیام کیا اور شہدائے کربلا کے قاتلوں کو چن چن کر سزا دی، لہذا مختار کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ ان کی سزا پانے والوں کے طرفداروں کی طرف سے مختار کو بدنام کرنے کی ایک کوشش ہے۔

البتہ اتنی بات تحقیق سے ثابت ہے کہ مختار نے کسی کے ذریعہ حضرت علی ابن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام سے انتقام خون حسینؑ لینے کے لئے اجازت مانگی مگر امام عالیمقام نے اس کو اپنی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا اور اجازت نہیں دی تو پھر اس نے کسی کے ذریعہ حضرت علیؑ کے فرزند اور امام حسین علیہ السلام کے بھائی حضرت محمد حنفیہ سے رجوع کیا اس کا نام کیسان تھا، اس نے آکر یہ شہرت دی کہ اب محمد حنفیہ امام ہیں اور انھوں نے خون حسینؑ کا انتقام لینے کی اجازت دے دی ہے جب حضرت محمد حنفیہ نے اس کی باتوں کی تردید کی تو اس نے کہا کہ امام نے اس بارے میں مجھے اختیار دے دیا تھا اور جب امام کسی کو اختیار دے دے تو وہ واپس نہیں لے سکتا۔ یہاںتک کہ اس نے خود اپنی امامت کا دعوٰی کردیا اس کی پیروی کرنے والے کچھ لوگ تھے یا نہیں وہ ایک قصہ پارینہ ہے۔البتہ اس کے یہ کہنے پر کہ امام نے اجازت دے دی ہے مختار نے خون حسین کا انتقام لیا اور خوب انتقام لیا۔لیکن اب دنیا میں کیسان کو امام ماننے والا کوئی نہیں ہے جیسا کہ ابو زہرہ مصری نے خود اپنی کتاب اسلامی مذاہب میں تحریر کیا ہے کہ:

''بلاد اسلامیہ میں کیسانیہ کے پیروکار کہیں بھی موجود نہیں جن کا ذکر کیا جائے''

اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 78

خارجیوں اور ناصبیوں کا اہل سنت والجماعت میں ادغام

ہم اوراق سابق میں خارجیوں، ناصبیوں اور اہل سنت کا فرق بیان کر چکے ہیں لیکن اس عنوان کو سمجھانے کے لئے مختصراً یہاں پر بھی بیان کرتے ہیں کہ خارجی اور ناصبی دونوں حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی خلافت کو صحیح اور درست مانتے ہیں لیکن خارجی تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کو فاسق اور قابل عزل جانتے ہیں مگر ناصبی حضرات شیخین کے بعد حضرت عثمان کی خلافت کو بھی صحیح جانتے ہیں اور چوتھے خلیفہ کو خارجی اور ناصبی دونوں ہی نہیں مانتے، خارجیوں نے چوتھا خلیفہ مان کر بیعت توڑ دی اور ناصبی شروع سے ہی خلیفہ نہیں مانتے، خارجی تحکیم کی وجہ سے حضرت علیؑ اور معاویہ دونوں کو کافر سمجھتے تھے اور برا بھلا کہتے تھے مگر ناصبی صرف حضرت علیؑ پر تو تبرا کرتے تھے اور سب وشتم کرتے تھے مگر معاویہ کے طرفدار تھے اور حضرت علیؑ کے زمانہ خلاف میں بھی معاویہ کو ہی اپنا حاکم مانتے تھے اب رہ گئے اہل سنت تو یہ چاروں خلفا کی خلافت کو جائز اور درست مانتے ہیں مگر کچھ فضیلت میں ترتیب کے قائل ہیں یعنی یہ خلفاء جس ترتیب سے برسر اقتدار آئے اسی طرح سے ایک دوسرے سے افضل تھے۔ تمام صحابہ وازدواج کا احترام کرتے ہیں اور ان کی آپس میں لڑائیوں اور اختلافات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ معاویہ کی طرف سے جنگ صفین میں 45 ہزار اصحاب پیغمبر اور تابعین اور قابضین مارے گئے وہ بھی سب ان کے نزدیک رضی اللہ اور حضرت علی کی طرف سے جنگ صفین میں تقریباً 25 ہزار اصحاب پیغمبر جن میں بدری اور اصحاب شجرہ یعنی بیعت رضوان والے بھی تھے اور باقی سب تابعین تھے قتل

ہو گئے وہ بھی سب رضی اللہ ،حضرت علیؑ بھی رضی اللہ اور معاویہ نے بغاوت کی اور خلیفہ وقت سے سرکشی کی وہ بھی رضی اللہ ۔مگر کچھ اہل سنت حضرت علیؑ کو سب سے افضل سمجھنے کے باوجود بیعت ہو جانے کی صورت میں ، جس کی بھی بیت ہو گئی اس کی خلیفہ مانتے ہیں اور تفضیلیہ کہلاتے ہیں ۔

بنی امیہ کے خلیفہ سلیمان کے زمانہ تک یہ حال رہا خوارج اپنی ڈگر پر رہے ناصبی اپنی ڈگر پر رہے اور اہل سنت اپنی ڈگر پر رہے ۔

لیکن بنی امیہ کے خلیفہ سلیمان کے بعد جب عمر ابن عبدالعزیز کا دور آیا تو انھوں نے سختی کے ساتھ حکم صادر کر دیا کہ آج کے بعد کوئی شخص حضرت علیؑ پر تبرا نہیں کرے گا اور آج کے بعد کوئی شخص انھیں گالیاں نہیں دے گا اور جو ایسا کرے گا اسے سزا دی جائیگی ۔اس کے علاوہ چونکہ نواصب حضرت علی کے چوتھے نمبر پر خلیفہ ہونے کو بھی نہیں مانتے تھے اور ان کے دور میں بھی معاویہ کو ہی اپنا حاکم سمجھتے تھے لہذا عمر ابن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ حضرت علی چوتھے نمبر پر خلیفہ راشد ہیں لہذا انھیں چوتھا خلیفہ راشد مانا جائے ۔اب کس کی مجال تھی کہ حضرت علیؑ پر تبرا کرے یا انھیں کافر کہے ۔یا انھیں چوتھا خلیفہ راشد نہ مانے ۔پس عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ خلاف میں تمام عثمانی ،تمام شام والے جنھیں اہل سنت ناصبی کہتے تھے اور تمام خوارج جنھوں نے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر پھر بیعت توڑ دی تھی اور علیحدگی اختیار کر لی تھی اور انھیں کافر کہنے لگے تھے ۔یہ سب کے سب حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کر اہل سنت والجماعت کے ساتھ مل گئے اور اہل سنت والجماعت کہلانے لگے ۔

یہ کہ لوگ عمر ابن عبدالعزیز کے فرمان کے بعد حضرت علیؑ کو گالیاں دینے سے تو باز آ گئے انھوں نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ بھی مان لیا اور خود کو اہل سنت والجماعت میں شامل کر کے اہل سنت بھی کہلانے لگ گئے لیکن ان کی فطرت و

عادت اور طرز عمل نہیں بدلا اگر چہ وہ آج بھی اہل سنت والجماعت ہی کہلاتے ہیں مگر اپنی فطرت سے باز نہیں آتے اور اپنے بغض وعناد کا اظہار کیے بغیر نہیں رہے

سیاسی شیعہ فرقہ زیدیہ کا بیان

بلال زبیری اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں لکھتے ہیں کہ "سیدنا زید بن علی زین العابدین بن امام حسینؑ بن علی مرتضی اس فرقے کے امام و پیشوا ہیں۔ حضرت زین العابدین کو واقعات کربلا کے بعد یزید نے اپنی بیعت کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں میں عمومی طور پر واقعہ کربلا کے بعد یزید اور بنو امیہ کے خلاف شدید نفرت اور اولاد علی سے حد درجہ محبت پائی جاتی تھی۔ شیعیان علی کے درمیان امامت کے موضوع پر اختلاف پیدا ہو گیا کیونکہ مختار اور کیسان نے اپنی تحریکوں میں حضرت زین العابدین کی بجائے ان کے چچا محمد ابن حنفیہ بن علی کی امامت کا تصور پیش کیا۔ محمد ابن حنفیہ نے ان کی چلائی ہوئی تحریکوں سے اظہار برءیت کر دیا تھا مگر اس کے باوجود ایک منظم گروہ ان کے ساتھ ہو چکا تھا"

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 131,130)

اس کے بعد اسے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

"حضرت زید کی بنو امیہ کے خلاف اس تحریک اور خروج کو حضرت امام ابو حنیفہ کی بھی تائید حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ زیدیہ اور حنفیہ کے درمیان بیشتر امور شرعی میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ اس فرقہ کی یمن۔ حضرت موت۔ بحرین میں اکثریت ہے"

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 132)

اور ابو زہرہ مصری اپنی کتاب "اسلامی مذاہب" میں "زیدیہ کا ظہور و شیوع" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ "یہ شیعہ کے تمام فرقوں میں سے اہل سنت کے زیادہ قریب اور

مبنی بر اعتدال ہیں'' اسلامی مذاہب ابوزہرہ مصری ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 79

اس سے آگے ابوزہرہ مصری نے مورخ مسعودی کے حوالہ سے حضرت زید کے خروج کا سبب ہشام کے ساتھ حضرت زید کی سر دربار ایک تکرار کو قرار دیا ہے۔

لیکن آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب ''نور المشرقین من حیات الصادقین'' میں امیر علی کی تاریخ ہسٹری آف دی سارا سنز میں حضرت زید کے خروج کا سبب اس طرح سے لکھا ہے:

''ہم کو مسٹر امیر علی کی رائے سے بالکل اتفاق ہے اور واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''زید اور ان کے لڑکے، یحیٰی کو بنو امیہ کے مظالم نے تلوار سے اپنی حفاظت کرنے پر آمادہ کیا۔ بنو حسنؑ اور بنو حسینؑ مدینہ میں نہایت قلیل آمدنی پر گوشہ تنہائی میں گزارہ کرتے تھے۔ سیاسیات میں مطلقاً حصہ نہیں لیتے تھے لیکن ان کے علم وفضل اور زہد و عبادت کی وجہ سے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے بنو امیہ اور بنو عباس ان کے مخالف تھے اور انھیں طرح طرح سے اذیت دیتے تھے اور قتل کرتے تھے اس طرح بعض ان میں سے محض حفاظت خود اختیار کے اصول پر تلوار اٹھاتے تھے۔

نور المشرقین من حیات الصادقین ص 257

بحوالہ امیر علی کی ہسٹری آف سارا سنز چیپٹر 15 ص 219-220

ابوزہرہ مصری اپنی کتاب ''اسلامی مذاہب'' میں فرقہ زیدیہ کے افکار و معتقدات کے تحت لکھتے ہیں کہ

''وہ دوسروں کو اپنی طرف دعوت دینے اور خروج کرنے میں بہت سے شیعہ ان کے مخالف تھے، ان کے بھائی محمد باقر بھی اس ضمن میں ان کے ہم خیال تھے، باقرؒ فرمایا

کرتے تھے تمہارے مذہب کی رو سے تو تمہارے والد بھی امام نہیں کیونکہ انھوں نے نہ کبھی خروج کی اور نہ اس کے درپے ہوئے۔ اسلام مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 81

ابو زہرہ مصری نے یہ بات صحیح تحقیق کے ساتھ نہیں لکھی۔ کیونکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مسلمہ طور پر 114ھ میں وفات پائی اور حضرت زید نے مسلمہ طور پر 122ھ میں خروج کیا۔ لہذا حضرت زید نے امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے میں خروج کیا ہی نہیں بلکہ ان کے زمانے میں حضرت زید خود امام محمد باقر علیہ السلام کو امام مانتے تھے۔ لہذا حضرت زید علیہ السلام نے مسلمہ طور پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ امامت میں خروج کیا اور یہ بات ان کی اس عبارت سے بھی ثابت ہے:

''دوسروں کو اپنی دعوت دینے اور خروج کرنے میں بہت سے شیعہ ان کے مخالف تھے'' حوالہ مذکور

تو اس کی وجہ یہ تھی کہ شیعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنا امام مانتے تھے اور خود امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت زید کو خروج کرنے سے منع کیا تھا جیسا کہ آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب نور المشرقین من حیات الصادقین میں لکھا ہے کہ:

''یہ امر قابل ذکر ہے کہ جناب امام جعفر صادق نے جناب زید کو خروج سے منع کیا تھا اور ان کے انجام کی پیش گوئی کی تھی'' نور المشرقین من حیات الصادقین ص 258

جب ہم ابو زہرہ مصری کے اس فقرے میں غور کرتے ہیں کہ ''دعوت دینے اور خروج کرنے میں بہت سے شیعہ ان کے مخالف تھے اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری ص 81

اور بلال زبیری کے ''فرقے اور مسالک'' کے اس فقرے پر غور کرتے ہیں کہ حضرت زید نے اموی حکومت کے خلاف زبردست تحریک شروع کر دی ہزاروں مسلمان ان

کے گرد جمع ہو گئے   فرقے اور مسالک بلال زبیری ص131

تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ہزاروں مسلمان کون تھے جو حضرت زید کے گرد جمع ہو گئے کیونکہ امام جعفر صادق کو ماننے والے شیعہ تو ان کے مخالف تھے، دراصل زید شہید کی اس تحریک میں وہ تمام مسلمان جو کبھی پہلے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان کو ان کے ساتھ تھے اور جنگوں میں شریک رہ کر شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانے لگے تھے اور معاویہ کی بیعت کرنے کے بعد اہل سنت والجماعت کہلانے لگ گئے تھے وہ بہر حال حضرت علی سے اپنا چوتھا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے عقیدت رکھتے تھے، لہذا انھیں بھی معاویہ اور بنی امیہ کے حکمرانوں کا حضرت علی پر تبراء کرنا اور انھیں گالیاں دینا پسند نہیں تھا اور وہ بھی بنی امیہ کے ظلم اور زیادتیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے لہذا حضرت زید شہید کی تحریک میں شریک ہونے والے وہ اہل سنت والجماعت ہی تھے جو کبھی حضرت علیؑ کو اپنا چوتھا خلیفہ مان کو شیعیان علی کہلاتے تھے اور معاویہ کی بیعت کر کے اہل سنت والجماعت کہلانے لگ گئے تھے، چنانچہ اس تحریک کی اہل سنت کے معروف امام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی مکمل تائید و حمایت حاصل تھی جیسا کہ بلال زبیری نے اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں لکھا ہے کہ" حضرت زید کی بنو امیہ کے خلاف اس تحریک اور خروج کو حضرت امام ابو حنیفہ کی بھی تائید حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ زیدیہ اور حنفیہ کے درمیان بیشتر امور شرعی میں اتفاق پایا جاتا ہے اس فرقے کی یمن، حضرموت، بحرین میں اکثریت ہے

فرقے اور مسالک بلال زبیری ص132

بحوالہ طبری، ابن خلدون، ابن اثیر، تاریخ امت، تحفہ اثناعشر

اور شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب تحفہ اثناعشریہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو شیعہ زیدیہ لکھا ہے۔

لیکن ابو زہرہ مصری ''زیدیہ'' کے عقائد میں تبدیلی'' کے عنوان کے تحت اپنی کتاب ''اسلامی مذاہب'' میں اس طرح لکھتے ہیں۔

''اس کے بعد زیدیہ فرقہ کمزور پڑ گیا اور دوسرے شیعہ فرقے اس پر غالب آ گئے یا انھوں نے اسے لپیٹ کر رکھ دیا اور یہ اپنی خصوصیت کھو بیٹھے۔ یہ مفضول کی امامت کے عقیدہ سے منحرف ہو گئے اور ان روافض میں شمار ہونے لگے جو حضرت ابو بکر و عمر کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے، اس سے انکی عظیم خصوصیت جاتی رہی بنابریں ہمارا خیال ہے کہ زیدیہ دو ہیں:

اول متقدمین: یہ روافض میں شمار نہیں ہوتے اور شیخین (ابو بکر و عمر) کی امامت کے قائل ہیں

دوم متاخرین: جو رافضی ہیں اور شیخین کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔

زیدیہ فرقہ آج بھی یمن میں موجود ہے۔ یمن کے زیدیہ متقدمین زیدیہ سے بہت قریب ہیں اور وہی عقائد رکھتے ہیں۔ اسلام مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 84

اب تک کے بیان سے ثابت ہوا کہ شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانے والے پہلا سیاسی شیعہ فرقہ تھا۔ دوسرا خون امام حسینؑ کا انتقام لینے کے لئے قیام کرنے والے کیسان کی امام کے قائل کیسانیہ فرقہ تھا اور تیسرا سیاسی شیعہ فرقہ زیدیہ کا ہے جس کے آگے چل کر متعدد فرقے بن گئے۔ اب ہم چوتھے سیاسی شیعہ فرقے کا بیان کرتے ہیں

چوتھے سیاسی شیعہ فرقے اویسیہ کا بیان

بلال زبیری نفسیہ فرقے کے حالات لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

'اس فرقے کی ابتداء حضرت امام جعفر صادقؑ کی زندگی میں ہوئی، اس وقت علویوں کا

فاطمیوں اور عباسیوں کے درمیان اس امر پر کلی اختیار تھا کہ اپنی تمام تر قوتیں بنی امیہ کی سلطنت ختم کرنے پر صرف کی جائیں چنانچہ مورخ ''الفخری'' کے مطابق بنو ہاشم کی تینوں شاخوں کے سرکردہ اصحاب کا اجتماع ہوا جس میں فاطمیوں کی طرف سے امام جعفر صادقؑ اور عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؑ عباسیوں کی طرف سے سفاح خلیفہ اول آل عباس اور ان کا بھائی منصور اور علیؑ کی غیر فاطمی اولاد میں سے امام محمد حنفیہ کے پوتے محمد شامل ہوئے، تینوں فریقوں نے اپنے میں سے ایک مشترکہ امام تسلیم کرنے اور بنوامیہ کے خلاف تحریک چلانے پر غور وفکر شروع کیا اور مشترکہ طور پر محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن علی مرتضیٰ کو اپنا امام تسلیم کرلیا گی باطنی دعوت پھیلانے کا بھی فیصلہ ہوا۔

اس مجلس میں امام جعفر صادق نے مذکورہ فیصلہ سے اختلاف کیا اور اس کی دو وجوہ بتائیں اول یہ کہ جن عباسیوں نے محمد نفس ذکیہ کو آئندہ حکمران بنانے اور تسلیم کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ اس پر قائم نہیں رہیں گے اور سفاح کے بعد عباسی اس کے بھائی منصور کی بیعت کریں گے، نفس ذکیہ کا قتل یقینی نظر آتا ہے۔

دوسری بات یہ کہی کہ آج اگر نفس ذکیہ کی امامت آل امام حسینؑ تسلیم کر لیتی ہے تو پھر اپنے حقوق سے ہمیشہ کے لیے انہیں دستبردار ہونا پڑے گا، یہ کہہ کر امام جعفر صادقؑ مجلس سے چلے گئے۔ تاہم دیگر شرکاء نے مذکورہ فیصلہ پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ چنانچہ محمد نفس ذکیہ کی قیادت وامامت میں ایک گروہ منظم ہو گیا اور بلاد اسلامیہ میں ایک دعوت تبلیغ شروع ہو گئی۔ یہ مجلس 128ھ میں منعقد ہوئی تھی سفاح اور اس کے بھائی منصور عباسی نے نفس ذکیہ کی بیعت کر لی تھی۔ مگر سفاح کی وفات کے بعد منصور خلیفہ بن گیا اموی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا، منصور کو شبہ تھا کہ نفس ذکیہ جس کی بیعت امامت اس نے کی تھی وہ خروج کرے گا چنانچہ نفس ذکیہ اور ابراہیم دونوں روپوش ہو گئے۔

فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 142,141

بلال زبیری کے مذکورہ بیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ انھوں نے مذکورہ فیصلہ سے اختلاف کیا اور یہ کہا کہ

''جن عباسیوں (یعنی سفاح عباسی اور منصور عباسی) نے محمد نفس ذکیہ کو آئندہ حکمران بنانے اور تسلیم کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ اس پر قائم نہیں رہیں گے اور سفاح کے بعد عباسی اس کے بھائی منصور کی بیعت کرینگے، نفس ذکیہ کا قتل یقینی نظر آتا ہے۔

بلال زبیری نے مذکورہ بیان تاریخ سادات بنو ہاشم اور طبری سے نقل کیا ہے اس کے لیے لفظ اختلاف استعمال کرنا کم فہمی اور کوتاہ بینی ہے کیونکہ یہ تو ایک عظیم پیش گئی ہے جو من وعن پوری ہوئی، سفاح عباسی اور منصور عباسی نے محمد نفس ذکیہ کی بیت کر لینے کے باوجود، بنی امیہ کو شکست دے لینے کے بعد پہلے مرحلہ میں سفاح کی خلافت کا اعلان کر دیا اور سفاح کی وفات کے بعد منصور عباسی خلیفہ بنا اور محمد نفس ذکیہ کو عباسیوں کی دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے ان کے خلاف خروج کرنا پڑا۔ لیکن بالآخر قتل کر دیئے گئے اور محمد بن نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بھی قتل ہو گئے۔

''ایسی ہی پیشین گوئی امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت زید شہید کے بارے میں فرمائی تھی اور ان کو ان کے انجام سے آگاہ فرما دیا تھا۔

ایسی پیشین گوئیوں کو اختلاف کا نام دینا آئمہ اہل بیت کی معرفت نہ رکھنے اور اسلام حقیقی کے نام سے نا آشنا ہونے کی بناء پر ہے اور دوسری بات اس لئے غلط ہے کہ امام جعفر صادقؑ اور اولاد علی سے تعلق رکھنے والے آئمہ اہل بیت سارے کے سارے خدا کے حکم اور پیغمبر گرامی اسلام کے ارشاد کے مطابق ہدایت خلق کے لئے مامور تھے اور اس کے لئے کسی حق سے دستبردار ہونے کا کوئی معاملہ ہی نہیں تھا۔

اس کے آخر میں بلال زبیری لکھتے ہیں

اس تحریک میں امام اعظم ابو حنیفہ بھی نفس ذکیہ کے حامی تھے مگر عباسی حکومت نے بصرہ اور مدینہ پر لشکر کشی کر کے دونوں بھائیوں (محمد نفس ذکیہ اور ابراہم) کو گرفتار کر کے تختہ دار پر چڑھادیا۔ (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 142)

بلال زبیری ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ

''محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کے خروج کی تائید امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے بھی کی تھی'' (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 155)

اور آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب نور المشرقین من حیات الصادقین میں تاریخ اسلام جلد اول مولفہ ماسٹر ذاکر حسین مطبوعہ 1918 ص 54 اور اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم ص 266 اور اردو ترجمہ تاریخ الکامل جلد پنجم حصہ اول ص 117 کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ:

حکومت کے ساتھ چلنے والے فقہاء نے بھی منصور کی نکث بیعت اور نفس ذکیہ کی بیعت کا فتویٰ دیدیا۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے بھی نفس ذکیہ کی بیعت کر لی۔

(نور المشرقین من حیات الصادقین ص 267)

بحوالہ تاریخ اسلام و تاریخ ابن خلدون و تاریخ الکامل

مذکورہ بیانات سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی کہ جب امام جعفر صادق نے مذکورہ تحریک سے اختلاف کیا اور تین عظیم پیش گوئیاں کر کے وہاں سے اٹھ آئے تو ان کے پیروی کرنے والے اور امام جعفر صادق کو امام ماننے والے بھی اس تحریک میں شریک نہ ہوئے ہوں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اہل سنت والجماعت جو حضرت علیؑ کے دور

حکومت میں ظاہر میں انھیں چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کہلاتے تھے اور معاویہ کی بیعت کرنے کے بعد اہل سنت والجماعت کہلانے لگ گئے تھے وہ بھی بنی امیہ اور بنی عباس کی زیادتیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے لہذا وہ بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کا ساتھ دینے لگ جاتے تھے اور یقینی طور پر امام اعظم اور امام مالک کا محمد نفس ذکیہ کی بیعت کرنا اسی بناء پر تھا اور محمد نفس ذکیہ کی بیعت کرنے والے نفسیہ شیعہ کہلاتے تھے

بہر حال محمد نفس ذکیہ کے قتل کئے جانے کے بعد لوگوں نے محمد نفس ذکیہ کے بھائی ادریس کی بیعت کرلی اور یہ بیعت کرنے والے شیعہ ادریسیہ کے نام سے مشہور ہوئے چنانچہ بلال زبیری نے اس فرقے شیعہ ادریسیہ کے بارے میں اسطرح لکھا ہے۔

''اس گروہ نے اپنی تنظیم مصر، سوڈان اور افریقہ میں قائم کرلی اور بربری قبائل نے ان کا بھرپور ساتھ دیا چنانچہ ادریس نے لیبیا پر قبضہ کر کے حسن سادات کی پہلی سلطنت 169 ھ میں قائم کی اور 309 تک بڑے کروفر سے ان کی حکومت رہی، عباسیوں اور فاطمیوں کو بھی اس طرح رخ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ بعد میں عبدالرحمن ثالث اموی حاکم اندلس نے حملہ کر کے اس سلطنت کا خاتمہ کردیا۔ لیکن اندلس میں اموی دور حکومت ختم ہونے کے فوری بعد 409 میں اس علاقہ پر پھر حسن سادات نے قبضہ کرلیا۔ 1970 میں لیبیا میں انقلاب آیا جس نے ادریس السنوسی کو ملک بدر کردیا اور کرنل قذافی کو حکمران تسلیم کرلیا۔ ادریس تو سی آخری حسن حکمران تھا۔

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 143)

اس سے ثابت ہوا کہ دونوں ادوار کو ملا کر حسنی سادات نے لیبیا پر تقریباً 1120 سال حکومت کی۔

فلسفہ کا ظہور وشیوع اور اہل سنت کے اعتقادی فرقوں کا بیان

ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب ''اسلامی مذاہب'' میں اہل سنت کے جن سات اعتقادی فرقوں کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا ہے وہ یہ ہیں

نمبر 1: جبریہ۔ نمبر 2: قدریہ۔ نمبر 3: معتزلہ۔ نمبر 4 مرجیہ۔ نمبر 5 اشعری۔ نمبر 6: ماتریدیہ نمبر 7: سلفیہ۔

ان فرقوں کا حال لکھنے سے پہلے وہ فلسفیانہ افکار و آراء کے بابت میں فلسفہ کا ظہور و شیوع کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''مسلمان جب رومیوں یونانیوں اور اہل ایران سے گھل مل گئے تو ان میں فلسفیانہ افکار نے رواج پانا شروع کردیا یہ اقوام فلسفہ کی بڑی قدر دان تھیں۔

فلسفیانہ افکار کے رواج پانے سے عقائد کی بحث چھڑ گئی بعض علماء نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ: آیا صفات خداوندی عین ذات ہے یا غیر ذات ہے؟ کیا کلام خدا کی صفت ہے۔ کیا قرآن خدا کی مخلوق ہے یا نہیں؟ اس طرح بہت سے اختلافی موضوعات پیدا ہو گئے پھر تقدیر کا مسئلہ چھڑا اور اس نے انسانی ارادہ کے مناقشات نے جنم لیا۔ کہ آیا انسان فاعل مختار اور قادر علی الفعل ہے یا بے اختیار ہے اور اس پر کی مانند ہے جو بلا ارادہ ہوا کے رخ پر اڑنے لگتا ہے اس طرح افکار و آراء کا یہ سلسلہ پیہم جاری و ساری رہا۔ جس کے نتیجہ میں علماء کی مختلف جماعتیں بن گئیں ہر جماعت کے مخصوص آراء و افکار ہوتے تھے وہ انہی بحثوں میں لگے رہتے تھے اور اپنی تحقیق و تجسس کو اسی کے دائرے میں محدود کر دیتے تھے اس سے مختلف اعتقادی مذاہب کی بنیاد پڑی''

اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 175,174

ابو زہرہ مصری نے ان فرقوں کے حالات، ان کے عقائد اور ان کے ساتھ مناظروں اور بحثوں کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے چنانچہ وہ "فرقہ جبریہ کا بانی کون تھا؟" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

"مورخین نے طول وطویل بحثیں کی ہیں کہ اس فرقہ کا بانی کون تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ جو فرقہ خاص دھڑے کی صورت اختیار کرے اس کے متعلق یہ فیصلہ کرنا بڑا دشوار ہے کہ اس کا اولین موسس کون ہے؟ لہذا اس فرقہ کا نقطہ آغاز معلوم کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے لیکن ہم قطعی پر پر کہہ سکتے ہیں کہ عقیدہ جبر اموی دور کے اوائل مین پھلا پھولا اور اس نے آخری دور میں ایک مذہب کی صورت اختیار کرلی۔

اسلامی مذاہب ابو زہرہ مصری

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 176-177

آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب نور المشرقین میں حیات الصادقین میں جرمن مورخ فان کریمر کے حوالے سے کچھ عبارتیں نقل کی ہیں اس مورخ کی تاریخ کا، ایس کے خدا بخش نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور ایس کے خدا بخش کے انگریز ترجمہ کا مصری عالم طہ بدر نے عربی میں ترجمہ کیا ہے، اس کی کتاب کا نام "الحضارۃ الاسلامیہ" ہے۔ چنانچہ افلاطون کے خیالات کا اثر جو اسلام پر ہوا اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ نامور مورخ لکھتا ہے کہ

"افلاطون کے فلسفہ کے زیر اثر مسلمانوں نے ایک ایسا فلسفہ قائم کیا جس نے غیر اسلامی تاثرات اپنے اندر لے کر اسلام کو تصوف کے ذریعہ سے موجودہ شکل دی"

مسلمانوں نے افلاطون کے اس فلسفہ کا نام اشراقی رکھا ہے اس کا زبردست معتقد اور حامی سہروردی تھا اس نے جدید افلاطونی فلسفہ کے خیالات کا زرتشتی یا مانوی عقیدہ نور کے تانے بانے میں ملا کر دنیا کا ایک عجیب تخیل قائم کیا ہے اس کے فلسفہ نے بہت فروغ پایا۔ نور المشرقین من حیات الصادقین ص 470

بحوالہ الحضارۃ الاسلامیہ ص 107

یہ صرف جرمن مورخ یا غیر مسلم مورخین کی رائے ہی نہیں ہے بلکہ مسلمان مورخین بھی یہی کچھ کہتے ہیں۔

چنانچہ مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب علم الکلام حصہ اول میں لکھتے ہیں کہ

"دولت عباسیہ میں جب یونان و فارس کے علمی ذخیرے عربی زبان میں آئے اور تمام قوموں کو مذہبی مباحثات و مناظرات میں عام آزادی ہوگئی تو اسلام کو ایک بڑے خطرے کا سامنا پیش آیا، پارسی، عیسائی، یہودی، زنادقہ ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور فتوحات اسلام کے آغاز میں ان کو صدمہ اسلام کی تلوار سے پہنچ چکا تھا اس کا انتقال قلم سے لینا چاہا، عقائد و مسائل اسلام پر اس آزادی و بے باکی سے نکتہ چینیاں کیں کہ ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے اعتقاد متزلزل ہو گئے۔ علم الکلام شبلی نعمانی ص 15

نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی

پھر "اختلاف عقائد یعنی تفرقہ اسلام کے اسباب" بیان کرتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ جو قومیں اسلام لائیں ان کے قدیم مذہب میں مسائل، عقائد مثلاً صفات خدا، قضا و قدر، جزا و سزا کے متعلق خاص خیالات تھے ان خیالات میں جو اعلانیہ عقائد اسلام کے خلاف تھے مثلاً تعدد الٰہ، شرک، بت پرستی، وہ تو بالکل دلوں سے جاتی رہی

لیکن جہاں اسلامی عقائد کے کئی پہلو ہو سکتے تھے اور ان میں سے کوئی پہلو ان کے قدیم عقائد سے ملتا جلتا تھا وہاں وہ بالطبع اسی پہلو کی طرف مائل ہو سکتے تھے اور چونکہ مختلف مذاہب کے لوگ اسلام کے دائرے میں آئے تھے اور ان کے قدیم عقائد آپس میں بالکل مختلف تھے اس لئے ان مختلف عقیدوں کا جواثر ہو سکتا تھا اس کا مختلف ہونا بھی ضروری تھا مثلاً یہودیوں کے یہاں خدا ایک بالکل مجسم آدمی کے پیرایہ میں تسلیم کیا جاتا اس کی آنکھیں دکھنے آتی ہیں۔ آنکھوں میں نہایت درد ہوتا ہے فرشتے عیادت کرتے ہیں، کبھی وہ کسی پیغمبر سے کشتی لڑتا ہے اور اتفاق سے چوٹ کھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے اعتقاد والے جب اسلام لائے تو ضرور تھا کہ ان کا میلان طبع ان آیتوں کی طرف ہو جس میں خدا کی نسبت ہاتھ منہ وغیرہ الفاظ وارد ہیں اور ضرور تھا کہ وہ ان الفاظ کے یہی معنی قرار دیں کہ خدا کے واقعی ہاتھ پاؤں ہیں۔

تیسرا سبب: اس کے علاوہ بعض مسائل ایسے دو جہتین تھے کہ ان کے متعلق جب رائیں قائم کی جاتیں، خواہ مخواہ رایوں میں اختلاف ہوتا، مثلاً جبر وقدر کا مسئلہ کہ ایک طرف نظر آتا کہ ہم اپنے افعال کے آپ مختار ہیں دوسری طرف زیادہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ افعال ایک طرف ہمارا ارادہ بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔

علم الکلام جلد اول شبلی نعمانی ص 21,20

اس کے کچھ صفحہ بعد لکھتے ہیں کہ

دوسرے اختلاف جبر وقدر کا منشاء یہ تھا کہ انسان کے افعال کو اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز بھی ہمارے بس کی نہیں یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہمارے اختیار میں نہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں و ثواب وعتاب جو مذہب کی جان ہے اس کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے، قرآن مجید میں دونوں قسم کی

آیتیں ہیں، بعض میں صاف تصریح ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا کراتا ہے "قل کل من عند اللہ "بعض کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے" ما اصابک من شیۃ فمن نفسک "اس بناء پر اسلام میں دو رائیں قائم ہو گئیں جو لوگ زیادہ آزاد تھے انھوں نے صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے جو اس لفظ سے جھجکتے تھے انھوں نے کسب و ارادہ کا پردہ رکھا یہ پردہ بھی ابوالحسن اشعری نے ایجاد کیا۔ ورنہ قدامہ اس کا نام بھی نہیں لیتے۔ برخلاف اس کے معتزلہ نے یہ رائے قائم کی کہ انسان اپنے تمام افعال میں مختار و۔۔۔ ہے البتہ یہ اختیار اس کو خدا نے دیا ہے اور اس لئے خدا کے اختیار مطلق میں فرق نہیں آیا۔

تیسرا اختلاف اس بناء پر تھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں یا نہیں چونکہ اکثر حدیثوں میں حیاء وغیرہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں" انہ من الایمان "اسلئے محدثین نے یہ سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں۔ لیکن اہل نظر نے جن میں امام ابو حنیفہ سب سے پیشرو تھے اس سے اختلاف کیا اور اعتقاد و عمل میں تفریق کی محدثین نے ان لوگوں کو نام مرجعیہ رکھا۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ کو بھی بہت سے محدثین مرجعیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں

علم الکلام حصہ اول شبلی نعمانی ص 28-29

نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی

اختلاف عقائد کے اسباب بیان کرتے ہوئے مولانا شبلی صاحب ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن ابتدا پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت وہی ۔بنوامیہ کے زمانہ میں چونکہ سفا کی کا بازار گرم رہتا تھا۔ طبیعتوں میں شورش پیدا ہوتی ۔لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت اس کو یہ کہہ کر چپ

کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے، ہم کو دم نہیں مارنا چاہیے

" امنا بالقدر خیرہ و شرہ "

علم الکلام حصہ اول شبلی نعمانی ص 25

نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی

اب تک کے بیان سے ثابت ہوا کہ اہل سنت کے ان اعتقادی مذاہب کے پیدا ہونے کا سبب خواہ کچھ بھی ہو، خواہ فلسفہ ہو، خواہ مختلف مذاہب کے لوگوں کا داخل اسلام ہونا ہو، یہ بہر طور بنی امیہ کے دور میں پیدا ہوئے اور ان کے اعتقادی فرقوں کے یہ عقائد ان کی سلطنت کے استحکام کے لئے فائدہ مند تھے لہذا انھوں نے خود بھی ان کی حوصلہ افزائی کی لیکن آغا سلطان مرزا نے اپنی کتاب "نور المشرقین من حیات الصادقین" میں مولانا شبلی کے نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ یہ صرف بنی امیہ کے زمانہ میں ہی نہیں بلکہ پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت کے لئے ان سے پہلی حکومتوں بھی یہی کچھ کہتی رہی ہیں چنانچہ انھوں نے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی کا نقل کردہ ایک مکالمہ جو حضرت عمر اور عبداللہ بن عباس کے درمیان ہوا تھا ان کی کتاب سے یوں نقل کیا ہے۔

حضرت عمر: میں تم سے تمہارے ابن عم علیؑ کی شکایت کرتا ہوں، میں نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ چلو، انھوں نے انکار کر دیا اور اکثر میں ان کو اپنے سے غضبناک ہی دیکھتا ہوں اس کا سبب کیا ہے۔

عبداللہ بن عباس: یہ درست ہے کہ ان کا یقین ہے کہ جناب رسول خدا نے خلافت ان کو عطا کی تھی

حضرت عمر: اے ابن عباس یہ تو درست ہے کہ جناب رسول خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے، لیکن جناب رسول خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب خدا نے نہ چاہا کہ خلافت

علی کو ملے ،خدا نے اس کے خلاف چاہا اور خدا کی مراد جاری ہوگئی اور رسول خداؐ کی خواہش پوری نہ ہوئی ۔دیکھو رسول خداؐ نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے ، رسول خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں ۔لیکن میں نے فتنہ وامر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ رسول اللہ بھی میرے دل کی بات سمجھ گئے اور رک گئے اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا'' نور المشرقین من حیات الصادقین ص 474

بحوالہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی الجزء الثالث ص 114

اہل سنت میں شریک فرقے

ہم سابقہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں کہ عمر ابن عبد العزیز کے حکم کے بعد جب سیاسی فرقوں میں ان تمام لوگوں نے بھی حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مان لیا جو انھیں پہلے کافر کہتے تھے ،ان پر سب کرتے تھے اور اس نھیں گالیاں دیتے تھے ،تو وہ سب ہی اہل وسنت والجماعت کہلانے لگ گئے اور اہل سنت میں ضم ہو گئے ۔آج خارجیوں اور ناصبیوں کا اہل سنت سے علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے ،ان کا پتہ صرف اس وقت لگتا ہے کہ جب وہ کوئی ایسی بات کرتا ہے جس سے خارجیت یا ناصبیت کی بو آتی ہو ،لیکن اہل سنت کے اعتقادی فرقے بھی کوئی علیحدہ وجود کی حیثیت سے نمایاں نہیں ہیں کہ یہ کہا جائے کہ یہ جبری فرقہ ہے ۔یہ قدری فرقہ ہے یا یہ اشعری فرقہ ہے یا یہ معتزلہ فرقہ ہے یا یہ مرجعیہ فرقہ ہے وغیرہ ۔یہ سب اعتقادی فرقے بھی اہل سنت والجماعت میں ضم ہیں اور سب ہی اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں ۔جب مذکورہ عقائد میں سے کوئی مذکورہ عقیدہ بیان کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ مرجعیہ فرقہ سے تعلق رکھتا ہے ،جیسا کہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مرجعیہ

فرقے سے تعلق رکھتے تھے ورنہ تو امام ابوحنیفہ فقہ حنفی کے امام اعظم ہیں جو اہل سنّت کا ایک بڑا فقہی فرقہ ہے اور سواد اعظم کہلاتا ہے۔

ابو زہرہ مصری نے اہل سنت کے جن اعتقادی فرقوں کا ذکر کیا ہے وہ مولانا شبلی کے بیان کے مطابق سب کے سب بنی امیہ کے دور میں پیدا ہونے ثابت ہوئے ہیں لیکن جب بنو عباس کی حکومت میں خصوصی طور پر فلسفہ کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائی گئیں اور ان کی تعلیم کا بڑی شدومد سے اہتمام کیا گیا تو ان سے بھی بہت سے اسلامی فرقے معرض وجود میں آئے اور یہ سب کے سب فرقے تقریباً فلسفہ یونان اور افلاطونی فلسفہ کے زیر اثر پیدا ہوئے تھے اور افلاطونی فلسفہ وحدت الوجود کا فلسفہ ہے۔

مسلمانوں میں فلسفہ کا ورود کب اور کیسے ہوا؟

تاریخ فلسفہ اسلام کا مصنف لکھتا ہے کہ:

''معاویہ کی فتح کے بعد جس کی بدولت دمشق ممالک اسلامیہ کا دارالسلطنت بن گیا، مدینہ کہ اہمیت محض ایک ذہنی حیثیت سے باقی رہ گئی، اسے اس پر اکتفا کرنی پڑی کہ ایک حد تک یہودیت اور عیسائیت کے زیر اثر فقہ اور حدیث کی تدوین کرنے، لیکن دمشق میں بنی امیہ 661ھ تا 750ھ دنیادی مہمات میں لشکر کشی کرتے رہے، ان کے زیر حکومت سلطنت اسلام، بحر اقیانوس سے ہند اور ترکستان کی سرحد تک اور بحر روم سے کوہ قاف اور قسطنطنیہ کی فصیلوں تک پھیل گئی............شام میں لوگ عیسائی مدارس میں تعلیم پاتے تھے لیکن ذہنی تعلیم کا مرکز کوفہ اور بصرہ تھے جہاں عرب، ایرانی، مسلم، عیسائی، یہودی اور مجوسی ایک دوسرے سے ملتے تھے'' (تاریخ فلسفہ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابس حسین)

بنی امیہ کے جانشین بنی عباس ہوئے (750ء تا 1258ء) بغداد میں منصور

(754ء تا 775ء) ہارون (786ء تا 809ء) اور مامون (813ء تا 823ء) وغیرہ کے دربار میں علماء اور شعراء کا مجمع رہا کرتا تھا جو زیادہ تر شمال مشرق کے صوبوں سے آئے تھے۔ متعدد عباسی خلفاء یا تو خالص حب علم سے، یا بعض اپنے دربار کی آرائش کے لیے دینوی علم کے قدر دان تھے اور چاہے انھوں نے علماء اور صناعوں کے کمال کو نہ پہنچایا ہو۔ لیکن ان کی دادودہش کا دروازہ اہل علم کے لیے ہمیشہ کھلا رہا۔ کم سے کم ہارون کے عہد سے بغداد میں ایک کتب خانہ اور ایک بیت الحکمت موجود تھا، منصور ہی کے زمانے سے یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی میں زیادہ تر شامی زبان کے واسطے سے شروع ہو گیا تھا لیکن مامون اور اس کے جانشینوں کے عہد میں کام بہت وسیع پیمانے پر کیا گیا اور ان کی کتابوں کی شرحیں اور تفسیریں لکھی گئیں۔ (تاریخ فلسفہ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ص 9)

اس کے بعد آگے چل کر دوسری جگہ لکھتے ہیں

"علم و حکمت کا اصل گھر ہندوستان سمجھا جاتا تھا، عرب کے مصنفوں کے یہاں کثرت سے یہ خیال ملتا ہے کہ فلسفہ اس ملک میں پیدا ہوا ہے۔ پہلے پامن تجارتی کاروان کی بدولت جو ہندوستان اور یورپ کے درمیان عربوں کے توسط سے ہوا کرتا تھا اس کے بعد اسلامی فتوحات کے ذریعہ سے عربوں کی واقفیت ہند کی حکمت کے متعلق بڑھتی گئی۔ منصور (754ء تا 775ء) اور ہارون (786ء تا 809ء) کے عہد میں اس حکمت کا بڑا حصہ کچھ تو پہلوی کے واسطے اور کچھ براہ راست سنسکرت سے ترجمہ ہوا"

(تاریخ فلسفہ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ص 12)

اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں

عرب لوگ جس حد تک شامیوں کے ممنوع ہیں اس کا اندازہ علاوہ اور باتوں کے اس سے ہوتا ہے کہ عرب علماء سریانی زبان کو سب سے قدیم یا اصلی (فطری) زبان سمجھتے

تھے یہ سچ ہے۔شامیوں نے اپنی تحقیق سے کتابیں نہیں لکھیں لیکن ان کے ترجمے عربی اور فارسی علوم کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئے جن لوگوں نے آٹھویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یونانی کتابوں کا ترجمہ قدیم سریانی ترجموں سے بجنسہٖ یا کچھ اصلاح اور تصرف کر کے کیا تھا، سب کے سب شامی تھے، کہا جاتا ہے کہ اموی شہزادہ خالد ابن یزید (سن وفات 704ء) کے حکم سے جس نے ایک عیسائی راہب سے الکیمیا سیکھی تھی، اس فن کی کتابوں کا ترجمہ یونان سے عربی زبان میں کیا گیا۔

(تاریخ فلسفہ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ص 18)

اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں

نویں صدی کے آخر میں یوحنا یا یحیٰی ابن بطریق نے افلاطون کی طمباوس (Tinaeos) کا ترجمہ کیا علاوہ اس کے ارسطو کی کتابیں، کائنات الجواور علم الطیر پر اس کی کتاب نفسیات کا خلاصہ اور ایک رسالہ المعالم کے نام سے ترجمہ ہوا۔عبدالمسیح ابن عبداللہ الحمصی کی طرف حسب ذیل کتابیں منسوب ہیں۔ارسطون کی سفسط کا ترجمہ۔ان شرحوں کے ترجمے جو ارسطو کی طبیعات اور اس کی مفروضہ الٰہیات پر یوحنا قلبانی نے لکھی تھیں۔فلوطین کی ''اینا ذ'' کا خلاصہ سہل عبارت میں۔قسطا ابن لوبکا البعلبکی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ارسطو کی طبیعات پر سکندر افرادوسی اور یوحنا قلبانی کی شرحوں کا اس کی ''کون و فساد'' پر سکندر کی شرح کا اور اخبار الفلاسفہ کا جو فلوطرفس (پلوتارک) کے نام سے مشہور ہے ترجمہ کیا تھا۔مترجمین میں سب سے زیادہ کام ابوزید حنین بن اسحٰق (809ء تا 873ء) اس کے بیٹے اسحاق ابن حنین سال وفات (910ء تا 912ء) اور اس کے بھتیجے ابن الحسن نے کیا۔ (تاریخ فلسفہ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ص 18-19)

اس کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے کہ:

ترجموں کی جدوجہد دسویں صدی میں بھی جاری رہی خاص امتیاز ان میں سے مندرجہ ذیل نے حاصل کیا۔ ابو الشر متے ابن یونس القنائی (سن وفات 974ء) ابو ذکریا یحییٰ ابن عدی التکلی (سن وفات 974ء) ابو الخیر الحسن ابن الخمار (سن وفات 942ء) شاگرد یحییٰ ابن عدی جس کے قلمی کارناموں میں علاوہ ترجموں، شرحوں وغیرہ کے ایک رسالہ کا ذکر ہے جو فلسفہ اور مسیحیت کی مطابقت پر تھا، حنین ابن اسحٰق کے زمانے میں مترجمین کی جدوجہد محض ارسطو کی طرف منسوب کی ہوئی کتابوں کے ترجے خلاصے، تسہیل عبارت اور شرحوں تک محدود رہ گئی۔

ان مترجمین کو بہت بڑے فلسفی نہیں سمجھنا چاہیے ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ یہ اپنے شوق سے کام کرتے ہوں زیادہ تر خلیفہ و وزیر یا کسی اور جلیل القدر شخص کے حکم سے انھیں تصنیف و تالیف کی توفیق ہوتی تھی

''تاریخ فلسفہ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین''

علاوہ ازیں ڈاکٹر قاسم غنی اپنی کتاب تاریخ فلسفہ میں لکھتے ہیں کہ

''مامون الرشید سے پہلے اہل اسلام میں فلسفہ کا وجود نہیں تھا مامون الرشید نے بادشاہ فرنگ سے فلسفہ کی کتابیں منگوائیں اور ان کا عربی زبان میں ترجمہ کرایا اور چونکہ ان کتابوں کا لکھنا اور پڑھنا خلیفہ کے تقرب کا سبب تھا لہذا لوگوں نے خلیفہ سے تقرب حاصل کرنے اور انعام کے لئے فلسفہ کے حصول کے لئے بہت جدوجہد کی خصوصا ماوراء النہر کے لوگوں نے فلسفہ کے حصول میں بہت کوشش کی خصوصا ان کے دو آدمیوں بخارابی اور ابو علی سینا نے فلسفہ کے فروغ میں انتہائی کوشش کی (تاریخ اسلام از ڈاکٹر قاسم غنی ص 63)

اور تاریخ تصوف میں ڈاکٹر قاسم غنی ابو ریحان بیرونی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وحدت وجود یونان کے قدیم فلاسفہ اور قدیم ہندوستان کے بدھ مت سے لیا گیا

ہے۔ (تاریخ تصوف ڈاکٹر قاسم غنی ص45)

اور ابو زہرہ مصری اپنی کتاب ''اسلامی مذاہب'' میں ''فلسفیانہ افکار و آراء'' کے باب میں فلسفہ کا ظہور و شیوع کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''مسلمان جب رومیوں، یونانیوں اور اہل ایران سے گھل مل گئے تو ان میں فلسفیانہ افکار نے رواج پانا شروع کر دیا۔ یہ اقوام فلسفہ کی بڑی قدر دان تھیں، فارس کی طرح عراق میں بھی فلسفیانہ مدراس پائے جاتے تھے۔ بعض عربوں نے ان مدارس میں فلسففہ کی تعلیم حاصل کی تھی مثلاً حارث بن کلاہ اور اس کا بیٹا انہی مدارس کے تربیت یافتہ تھے۔ جب ان ممالک میں اسلام پھیلا تو ان ممالک میں بڑے بڑے فلسفہ دان موجود تھے بعض مسلمانوں کو بھی فلسفہ کی تعلیم دیتے تھے، ملک شام کے لوگ فلسفہ میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، ابن خلقان کا بیان ہے کہ خالد بن یزید ابن معاویہ ان علوم میں تمام قریش کی نسبت زیادہ مہارت رکھتا تھا۔ (اسلام مذاہب ابوزہرہ مصری)

ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ص 174

غلام احمد پرویز صاحب اپنی کتاب تصوف کی حقیقت میں ''ہندوستان میں تصوف'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

''پہلا مسلمان دانشور جس نے مسلمانان ہند کو ہندو تصوف (ویدانت) سے روشنا کروایا ابو ریحان بیرونی تھا یہ نابغہ روزگار غزنوی عہد حکومت میں ہندوستان آیا اور اس نے پنجاب (ضلع جہلم) میں ہندو پنڈتوں سے سنسکرت زبان سیکھی اور ہندوؤں کی بیشتر اہم کتابوں کا عربی اور فارسی میں ترجمہ کیا اس طرح ہندی مسلمان پہلی بار اپنشدوں اور یوگ کی تعلیم سے آشنا ہوئے جس طرح عباسی خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں جب یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں تو مسلمان افلاطون، ارسطو اور فلاطینوس وغیرہ کے فلسفہ اور

تصوف سے آگاہ ہوئے تھے" (تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 87)

اور ناسخ التواریخ میں اس طرح لکھا ہے کہ

"مامون نے بادشاہ روم سے فلسفہ کی کتابیں منگوائیں اس نے ارکان حکومت سے مشورہ کیا تو انھوں نے اجازت دے دی اور کہا کہ یہ کتابیں جن لوگوں میں شائع ہو جائیں گے ان کے مذہب و شریعت کی بنیادوں کو متزلزل کردیں گی پس پانچ اونٹوں پر کتابیں بار کر کے مامون الرشید کے پاس بھجوا دی گئیں۔ بنی عباس نے ان کے ترجمے میں بڑی جدو جہد کی اور وہ ان کے ترجمہ کرنے والوں کو 500 دینار زرطلائی ماہانہ دیتا تھا۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی وہ جو چاہتے تھے دیا جاتا تھا۔ (ناسخ التواریخ جلد 1 ص 543)

اور مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب علم الکلام کے حصہ اول میں لکھتے ہیں کہ

"دولت عباسیہ میں جب یونان و فارس کے علمی ذخیرے عربی زبان میں آئے اور تمام قوموں کے مذہبی مباحثات و مناظرات میں عام آزادی ہوگئی تو اسلام کو ایک بڑے خطرے کا سامنا پیش آیا، پارسی، عیسائی، یہودی، زنادقہ ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور فتوحات اسلام کے آغاز میں ان کو صدمہ اسلام کی تلوار سے پہنچ چکا تھا، اس انتقال قلم سے لینا چاہا۔ (علم الکلام شبلی حصہ اول ص 15)

نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی

فلسفہ کا مسلمانوں پر اثر

سابقہ اوراق میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ بنی امیہ کے دور میں فتوحات کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ان کی سلطنت بحر اوقیانوس سے لے کر ہندو، ترکستان کی سرحد تک اور بحر ہند سے کوہ قاف تک اور قسطنطنیہ کی فصیلوں تک پھیل گئی تھی، ان مسلمانوں

کی اکثریت محض کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئی تھی اور ابھی وہ عقائد اسلامی میں پختہ نہیں ہوئے تھے کہ انھیں قدیمی مذاہب کے لوگوں سے جو اپنے عقائد میں پختہ تھے واسطہ پڑ گیا خصوصاً ہندوستان کے ہندو اور بدھ ایران کے پارسی اور زرتشی و مجوسی اور روم کے یہودی و عیسائی۔ یہ سب کے سب مذاہب کسی نہ کسی طرح حلول و اتحاد اور وحدت الوجود کے قائل تھے لہذا علامہ شبلی کے بیان کے مطابق ان کے ساتھ میلاپ سے۔

''ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے اعتقاد متزلزل ہو گئے''

(علم الکلام شبلی حصہ اول ص 15)

پس جہاں بنی امیہ کے دور میں اہل سنت کے اعتقادی فرقے جبریہ، قدریہ، معتزلہ، مرجیہ، اشعری اور ماتریدیہ وغیرہ ظہور میں آئے وہاں بعض مسلمانوں میں حلول و اتحال و وحدت الوجود کے جراثیم بھی پرورش پانے لگے کوفہ میں سے حضرت عمر نے سرحدی شہر کی حیثیت سے سلطنت اسلامیہ کی ایک چھاؤنی قرار دے دیا تھا دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے لوگ بھی کافی تعداد میں آباد تھے، علی الخصوص ایران کے پارسی، زرتشی اور مجوفی کافی تعداد میں آ کر آباد ہو گئے تھے، ان میں بہت سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسلمان تو کہلانے لگ گئے تھے مگر وہ دل سے اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے، اس لئے انہیں میں سے کئی لوگ آگے چل کر غالی اور دوسرے اسلامی فرقوں کے بانی ہوئے۔ رہی سہی کسر بنی عباس نے پوری کر دی اور بنی عباس نے خصوصیت کے ساتھ روم کے بادشاہ سے نہ صرف یونانی فلسفہ کی کتابیں منگوا کر انکا ترجمہ عربی زبان میں کرایا بلکہ ان کی تعلیم کا انتظام بھی کیا۔ ترجمہ کرنے والوں کو گراں قدر معاوضے دیئے جاتے تھے۔ پڑھانے والوں کو بھاری تنخواہیں دی جاتی تھیں اور پڑھنے والوں کو وظائف دیئے جاتے تھے اور فلسفہ کا علم حاصل کرنے والوں کی قدر کی جاتی تھی اور وہ خلیفہ کے مقرب بن جاتے تھے پس جہاں

ہندوؤں کے اوتار اور بدھ مت کے نروان کے عقیدہ سے مسلمانوں میں حلول واتحاد کا عقیدہ پروان چڑھا وہاں بنی عباس کی کوششوں سے وحدت الوجود کے نظریہ نے بھی مسلمانوں میں رواج پکڑا کیونکہ افلاطون یونانی کا فلسفہ صریحاً وحدت الوجود کا فلسفہ تھا۔

بنی عباس نے فلسفہ کی ترویج میں اتنا اہتمام کیوں کیا؟

جیسا کہ ہم تاریخ فلسفہ اسلام کے حوالے سے سابقہ اوراق میں لکھ آئے ہیں کہ

"ان مترجموں کو بہت بڑے فلسفی نہیں سمجھنا چاہیے، ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ یہ اپنے شوق سے کام کرتے ہوں زیادہ تر خلیفہ، وزیر، یا کسی اور جلیل القدر شخص کے حکم سے انھیں تصنیف و تالیف کی توفیق ہوتی تھی۔ (تاریخ فلسفہ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ص19)

لہذا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی عباس نے فلسفہ کی ترویج کا اتنی شدت سے اہتمام کیوں کیا؟ بالفاظ دیگر اسلامی ریاست کے سربراہ ہونے کے باوجود اسلامی عقیدہ کے خلاف افکار کی تبلیغ کا انتظام کیوں کیا؟

اس کا جواب معمولی سا غور کرنے پر آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے، یہ بات تاریخ کے کسی بھی طالب علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی عباس کی حکومت بنی امیہ کے زوال کے بعد قائم ہوئی تھی اور بنی امیہ کے خلاف بنی عباس نے یہ تحریک اس نعرے کے ساتھ شروع کی تھی کہ یہ آل محمدؐ کا حق ہے اور بہت سے لوگوں نے اسی وجہ سے ان کا ساتھ بھی دیا لیکن بنی امیہ کے زوال کے بعد عنان اقتدار انھوں نے خود سنبھال لی ہے

دوسری طرف چونکہ بنی امیہ اور بنی عباس کی جنگ کے دوران وقت کے جابر و ظالم حکمرانوں کی توجہ آئمہ اطہار کی طرف سے ہٹ گئی لہذا انھوں نے علوم دین کی نشر و اشاعت میں بہت کوشش کی۔ چنانچہ علوم دین کے پیاسے جوق در جوق آپ کے حلقہ درس

میں شریک ہونے لگے یہاں تک کہ علوم دینی حاصل کرنے والوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچ گئی۔

بنی عباس کے خلاف قیام کرنے والوں کا مقابلہ تو میدان جنگ میں ہوتا رہا لیکن علمی میدان میں بھی ضرورت اس بات کی تھی کہ لوگوں کا رخ علم کے سرچشموں سے موڑنے کے لئے کوئی تدبیر کی جائے، کیونکہ بنی عباس اس بات کو بھی اپنے لئے ایک خطرہ کی بات سمجھتے تھے لہذا بنی عباس کے حکمرانوں نے لوگوں کا رخ علوم کے سرچشموں سے موڑنے کے لئے یونان سے فلسفہ کی کتابیں منگوا کر انکا عربی زبان میں ترجمہ کرایا اوران کی تعلیم کا بندوبست کیا۔اورلوگوں کوشوق دلایا تاکہ وہ علوم دین کوان سرچشموں سے حاصل کرنے کی بجائے فلسفہ کی طرف مائل ہوں اورآئمہ اہل بیت کوجوعلوم دین کا اصل اورحقیقی سرچشمہ تھے خانہ نشین کردیں۔لہذا لوگ فلسفہ کے حصول کی طرف مائل ہوگئے اورسرگرمی کے ساتھ فلسفہ کے حصول میں لگ گئے اوراسطرح یونانی افکار مسلمانوں میں سرایت کرگئے اوربہت سے دانشوراپنے عقائد سے منحرف ہوکرحقائق سے دورہوگئے ۔چنانچہ حلول واتحادوصال وفنافی اللہ وبقاباللہ والےعقیدےتوہندوؤں کےاوتاروالےعقیدےسےاوربدھ مت کےنروان والےعقیدےسےمسلمانوں میں داخل ہوئےاورافلاطون یونانی کے فلسفہ سے،وحدت والوجودکاعقیدہ مسلمانوں نے اختیارکیا،اوربہت سے پارسی،زرتشی،مجوسی،یہودی اور عیسائی جواسلام کوخوشی خوشی قبول کرنے کوتیارنہیں تھےانھوں نےحلوواتحاداوروحدت الوجود کےعقیدےکےساتھ خودکومسلمانوں میں داخل کردیااورصوفی کےنام سےآشکارہوگئے۔

مسلمانوں میں تصوف کاورود

غلام احمد پرویزصاحب نےاپنی خودنوشت سوانح حیات میں یہ لکھاہے کہ ان

کے دادا (مولوی چودھری حکیم احمد بخش) حنفی مسلک کے ایک جید عالم اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ایک ممتاز بزرگ تھے اور انھوں نے غلام احمد پرویز صاحب کی (جو ایک فکری تحریک یعنی پرویز فرقے کے بانی ہیں) اپنے جانشین کی حیثیت سے تربیت کی تھی، لیکن چونکہ انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ حاصل تھی، لہٰذا انھوں نے دیکھا کہ تصوف تو سراسر قرآن اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے اس خاندانی مذہب یعنی تصوف سے بغاوت کردی۔ اور تصوف کے خلاف تحقیقی کتاب (تصوف کی حقیقت) کے نام سے تصنیف کی جس میں انھوں نے تصوف کے بارے میں بہت اچھی تحقیق پیش کی ہے لیکن انھوں نے صوفیوں کے جھوٹے دعووں کو جھٹلانے کے لئے اصل اور حق بات سے ہی انکار کردیا ہے۔ مثلاً صوفیوں کے من گھڑت اور جھوٹے کشف والہام کو جھٹلانے کے لئے یہ کہا کہ وحی صرف انبیاء کو ہوتی ہے انبیاء کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتی اور خاتم الانبیاء کو بھی جو وحی ہوئی وہ صرف قرآن میں ہے قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں ہوئی۔

لیکن جہاں انھوں نے یہ لکھا ہے کہ وحی صرف انبیاء کو ہوتی ہے انبیاء کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہوتی وہاں ضمناً حضرت موسیٰ کی ماں کی وحی کا ذکر بھی کیا۔ کیونکہ اس کا بیان قرآن میں آیا ہے لیکن یہ کہا کہ یہ کسی نبی کو ہوئی ہوگی۔ مگر اس نبی کا نام نہیں بتلایا ان کے اپنے الفاظ اس طرح ہیں

''یہ کسی نبی کی وساطت سے بھیجا گیا ہوگا'' (تصوف کی حقیقت ص19)

اور حضرت مریم کی طرف جو وحی خدا نے کی اس کا ذکر ہی نہیں کیا، پرویز صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ پیغمبر کو بھی قرآن کے سواء اور کسی قسم کی وحی نہیں ہوئی یعنی پیغمبر کو جو وحی ہوئی وہ بس قرآن میں ہے۔ قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی پیغمبر کو نہیں ہوئی، تو ہم نے اس کتاب میں لفظ اصطفےٰ اور لفظ اجتبےٰ کی تشریح میں یہ ثابت کیا ہے کہ خدا اپنے مصطفےٰ بندوں کو

تربیتی و تعلیمی اور بعض اہم واقعات سے آگاہی کی وحی بھی کرتا ہے اور ہادیان دین کو مجتبے بناتا ہے اور اپنے ان مجتبے بندوں کو بروقت اپنے زیر تربیت اور زیر نگرانی رکھتا ہے اور ان کو وقتاً فوقتاً امور ضروریہ سے آگاہی بخشتا رہتا ہے۔ چاہے وہ نبی ہو یا نبی نہ ہو۔ لیکن پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ چونکہ مسلمان قرآن کے علاوہ وحی کے قائل ہو گئے، چاہے وہ سنی ہوں یا شیعہ ہوں، لہذا اس غیر از قرآن وحی سے کشف والہام کا دروازہ کھلا اور صوفیوں نے کشف والہام کا دعویٰ کیا، حالانکہ جن حکومتوں کے دور میں صوفیوں نے کشف والہام کے جھوٹے دعوے کیے ان حکومتوں نے ان صوفیوں کی اسی بناء پر پشت پناہی کی تاکہ لوگ ان کے جھوٹے کشف والہام اور جھوٹی کرامات کو سن کر ان کے گرویدہ ہو جائیں اور پیغمبر کے حقیقی جانشینوں اور آئمہ طاہرین سے رخ موڑ لیں جن سے ایسے امور کا حقیقتاً صدور ہوتا تھا اور یہ باتیں ان کے منصوص من اللہ ہونے کی دلیل تھیں۔ لیکن بنی عباس کی حکومت نے لوگوں میں فلسفہ کی تعلیم کا بندوبست بھی اسی لئے کیا تھا تاکہ علوم دین کے اصل سرچشموں سے لوگوں کا رخ موڑا جا سکے اور صوفیوں کی پشت پناہی بھی اس لئے کی، تاکہ ان کے جھوٹے کشف والہام اور من گھڑت کرامات کے قصوں کے ذریعے لوگوں کا رخ آئمہ اہل بیت سے موڑ کر ان صوفیوں کی طرف کیا جا سکے، حالانکہ صوفیوں کے تمام اصل عقائد ہندوؤں کے اوتار کے عقیدہ سے اور بدھ مت کے نروان کے عقیدہ سے اور افلاطون یونانی کے وحدت الوجود کے فلسفہ سے ماخوذ ہیں لیکن اس قسم کی غلطیوں سے قطع نظر جس کی ہم نشاندہی کرتے رہینگے پرویز صاحب نے گھر کا بھیدی ہونے کے اعتبار سے صوفیت اور تصوف کے بارے میں اچھی تحقیق پیش کی ہے لہذا ہم ان کی تحقیق کے کچھ نمونے سے آگے پیش کرتے ہیں۔

لفظ صوفی کی تحقیق

پرویز صاحب "لفظ صوفی کی تحقیق" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"ہمارے صدر اول کے لٹریچر میں تصوف یا صوفی کا لفظ نہیں ملتا۔ خود لفظ صوفی کے متعلق بھی تک تحقیق نہیں ہو سکا کہ اس کا اصل اور ماخذ کیا ہے بعض لوگوں کہتے ہیں کہ اس کی نسبت اصحاب صفہ کی طرف کی جاتی ہے جو مسجد نبوی میں ایک چبوترے پر درویشوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے بعض لوگ لفظ صوفی کو صفاء سے منسوب کرتے ہیں، بعض اس کی اصل یونانی لفظ "صوفیا" قرار دیتے ہیں جس کے لغوی معنی عقل و دانش کے ہیں اور جو لفظ فلسفہ PHILOSOPHY کی ترکیب میں شامل ہے۔

اکثریت کا خیال اس طرف گیا ہے کہ صوفی لفظ "صوف" سے مشتق ہے جس کے معنی موٹی اون کے کمبل نماء کپڑے کے ہیں، اس لفظ کے اشتقاق کی کوئی صورت بھی ہو مسلمانوں کے ہاں بہر حال یہ بہت بعد میں آیا۔

مسلک تصوف کی تائید میں صوفیا کے ہاں کوئی حدیثیں بھی سند اول ہیں لیکن یہ حدیثیں قرآنی معیار کو تو چھوڑیئے خود محدثین کے معیار صحت پر بھی پوری نہیں اترتیں اور انہیں وضعی اور جعلی قرار دیا جاتا ہے۔ ان حضرات کے متعلق مشہور ہے کہ یہ وضع حدیث میں بڑے بیباک تھے مثلاً حدیث کی مستند کتاب صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے

"محمد بن یحیٰی بن سعید القطان کہتے ہیں کہ میرے باپ یحیٰی نے صالحین سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا (صوفیا کو اس زمانے میں اہل خیر یا الصالحین کے نام سے پکارا جاتا تھا) تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 72

بحوالہ مقدمہ صحیح مسلم مطبوعہ مصر ص 14,13

اس سے آگے چل کر پرویز صاحب لکھتے ہیں

سلاسل تصوف میں عام طور پر چار پیر اور چودہ خانوادے گنائے جاتے ہیں پہلا پیر حضرت

علیؓ، دوسرا پیر خواجہ حسن بصری، تیسرا پیر خواجہ حبیب عجمی اور چوتھا پیر عبدالواحد بن زید کرخی۔

چودہ خانوادے حسب ذیل شمار ہوتے ہیں

۱۔سلسلہ حبیبی (پیروان حبیب عجمی) ۲۔طیفوری (پیروان زید بسطامی)

۳۔کرخی (پیروان معروف کرخی) ۴۔جنیدی (پیروان جنید بغدادی)

۵۔سقطی (پیروان سری سقطی) ۶۔گازرونی (پیروان حنیف گازرونی)

۷۔فردوسی (پیروان نجم الدین کبریٰ) ۸۔طرطوسی (پیروان عبدالفرح طرطوسی)

۹۔سہروردی (پیروان ضیاءالدین سہروردی) ۱۰۔زیدی (پیروان عبدالواحد بن زید کوفی)

۱۱۔عیاضی (پیروان فضل بن عیاض) ۱۲۔ادھمی (پیروان ابراہیم ادھم بلخی)

۱۳۔ہیری (پیروان فضل امین الدین ہیری) ۱۴۔چشتی (پیروان ابو اسحٰق چشتی شامی)

ان کے علاوہ کچھ اور خانوادے بھی مشہور ہیں مثلاً قادریہ، شاذیہ، مولویہ، نقش بندیہ، حلاجیہ، قلندریہ، سہروردیہ، پیروان شیخ شہاب الدین سہروردی

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 75)

اس کے بعد غلام احمد پرویز صاحب نے ممتاز صوفیوں کی فہرست مع سن وفات اس طرح سے پیش کی ہے

۱۔	حضرت ابراہیم ادھم	وفات 162ھ
۲۔	حضرت رابعہ بصری	وفات 185ھ
۳۔	حضرت معروف کرخی	وفات 206ھ
۴۔	حضرت ذوالنون مصری	وفات 245ھ
۵۔	حضرت سری سقطی بغدادی	وفات 259ھ
۶۔	حضرت بایزید بسطامی	وفات 298ھ

۷۔	حضرت جنید بغدادی	وفات 298ھ
۸۔	سہیل بن عبداللہ تستری	وفات 283ھ
۹۔	حضرت ابوبکر شبلی	وفات 334ھ
۱۰۔	حضرت ابوالقاسم قشیری	وفات 374ھ
۱۱۔	حضرت ابواسحٰق بن شعبان	وفات 348ھ
۱۲۔	منصور حلاج	وفات 309ھ
۱۳۔	حضرت علی ہجوی المعرف بہ داتا گنج بخش لاہور	وفات 465ھ
۱۴۔	حضرت امام غزالی	وفات 505ھ
۱۵۔	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی	وفات 561ھ
۱۶۔	حضرت شیخ فریدالدین عطار	وفات 572ھ
۱۷۔	حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری	وفات 633ھ
۱۸۔	شیخ اکبر محی الدین عربی وفات	وفات 638ھ
۱۹۔	حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر	وفات 670ھ
۲۰۔	حضرت مولانا جلال الدین رومی	وفات 673ھ
۲۱۔	حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء	وفات 725ھ
۲۲۔	حضرت خواجہ باقی باللہ	وفات 1012ھ
۲۳۔	حضرت مجدد الف ثانی سرہندی	وفات 1022ھ
۲۴۔	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	وفات 1176

یہ حضرات مختلف مسالک سے تعلق رکھتے تھے لیکن حضرات صوفیائے کرام کی سب سے زیادہ مشہور یا کم ازکم ہمارے مشہور ہستیاں ہندوستان میں پائی جاتی ہیں ان میں

سے چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں

۱۔ حضرت سید سالار مسعود بھڑائچ وفات 424ھ

۲۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری وفات 633ھ

اوران کے بعد جملہ چشتیہ خواجگان

۳۔ حضرت جلال الدین تبریزی وفات 642ھ بنگال

۴۔ حضرت محمد گیسودراز بلگام سن وفات مشکوک ہے

۵۔ حضرت شاہ جلال یمنی وفات 786ھ (سلہٹ آسام)

۶۔ حضرت سید علی ہمدانی وفات 791ھ کشمیر

۷۔ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی وفات 666ھ

۸۔ حضرت علاؤالدین صابر کلیری وفات 690ھ

۹۔ حضرت سید جمال الدین جہانیاں جہاں گشت وفات 785ھ

۱۰۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی وفات 1012ھ

۱۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اوران کے مرید وخلیفہ

برصغیر ہندو پاک میں صوفیائے کرام کے چار خانوادے زیادہ مشہور ہیں (۱) چشتیہ (۲) قادریہ (۳) سہروردیہ (۴) نقشبندیہ

ترکوں میں بکتاشی فرقہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی اس کے بانی حاجی بکتاش ولی تھے جو 680ھ میں خراسان میں پیدا ہوئے اور 738ھ میں وفات پائی۔ ان کے عقائد عجیب وغریب تھے۔ کشمیر میں نوربخشی سلسلہ نے زیادہ شہرت حاصل کی اس کے بانی سید محمد عبداللہ تھے پیدائش 795ھ اور لقب نوربخش تھا۔ ان کے عقائد بھی عجیب وغریب تھے جن میں شیعیت کا رنگ نمایاں ہے۔ (تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 77-76)

صوفیاء کے عقائد

پرویز صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب میں ''عقائد'' کے عنونا کے تحت اس طرح سے لکھا ہے

''جس طرح ارباب شریعت کے مختلف فرقے ہیں اور ان میں باہمی اختلاف ہے اسی طرح صوفیا کے مختلف سلسلوں میں بھی باہمی اختلاف پایا جاتا ہے۔ فروعات کے اعتبار سے تو یہ اختلاف بکثرت ہیں لیکن اصولی نقطہ نظر سے انھیں تین شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یعنی نمبر (۱) حلول نمبر۔ (۲) وحدت الوجود۔ (۳) وحدت الشہور

ہم یہاں ان کے متعلق مختصر سے اشارات پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ تفصیل میں جانے کے لئے تو ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے۔

نمبر 1 حلول

ہندوؤں کے ہاں اوتار کا عقیدہ عام ہے اس کے معنی ہیں کہ غوو الشہور (خدا) مادی مخلوق کے پیکروں میں نمودار ہوتا رہتا ہے ان کے ہاں (پرہلاد بھگت کے واقعہ سے متعلق) چیونٹی سے لے کر رام اور کرشن تک اوتار مانے جاتے ہیں یہی عقیدہ مسلمانوں کے ہاں اہل تشیع کے غالی فرقوں میں در آیا۔ (تفصیل پانچویں باب میں گزر چکی ہے) چنانچہ سب سے پہلے یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ کی ذات میں اور ان کی اولاد میں حلول کر آیا تھا اس کے بعد نصیریہ۔ کیسانیہ قرامطہ اور باطنیہ فرقوں میں یہ عقیدہ اور بھی متشدد ہوتا چلا گیا۔ وہیں سے یہ عقیدہ صوفیاء کے عقائد میں داخل ہوگیا ان میں حسین ابن منصور حلاج اس کا پہلا علمبردار سمجھا جاتا ہے اس کا دعویٰ تھا کہ خدا کی ذات اس میں حلول کرگئی ہے اسی وجہ سے وہ انا الحق کا نعرہ بلند کرتا تھا۔ (تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 77)

منصور حلاج کے دو شعروں کا ترجمہ

پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اس کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں ان سے دو ایک کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''پاک ہے اس کی ذات جس نے اپنے ناسوت کو بدھوت کا روشن بھید بنا کر ظاہر کیا پھر وہ اپنی مخلوق میں کھانے پینے والوں کی شکل میں اشکار ہوا۔ یہاں تک اس کو اس مخلوق نے اس طرح دیکھا جس طرح ایک دیکھنے والا دوسرے کو دیکھتا ہے۔

یہ عقیدہ کس قدر ربالیداھت کفر تھا اس کا اعتراف اور اعلان خود منصور نے الفاظ میں کیا ہے کہ:

کفرت بدین الله والکفر واجب

لدی وعندالمسلمین قبیح

میں نے اللہ کے دین کا انکار کیا اور میرے نزدیک یہ انکار (کفر) واجب ہے، اگرچہ مسلمانوں کے نزدیک یہ بہت برا ہے۔

اس کے اسی کفر کی بناء پر عباسی خلیفہ المقتدر باللہ نے اسے ذی قعدہ 309ء ھ میں بغداد میں قتل کردیا اور اس کے لاش جلا کر دریا میں بہا دوی۔ لیکن اکابر صوفیا نے منصور کو حق پر قرار دیتے ہوئے مستوجب تحسین و تبریک قرار دیا ہے۔

شیخ اکبر ابن عربی اس کا نام بڑے احترام اور عظمت سے کام لیتے ہیں خواجہ نظام الدین اولیاء منصور کی بزرگی کے اس قدر قائل تر تھے کہ انھوں نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک دن اپنے مرشد سے دریافت کیا کہ سیدی احمد کیسے تھے انھوں نے فرمایا۔

وہ بزرگ شخص تھے، عربوں کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کو بزرگی سے یاد کرتے تھے تو اسے سیدی کہتے تھے۔ وہ شیخ منصور حسین حلاج کے زمانے میں تھے جب انھیں جلایا گیا اور ان کی راکھ دجلہ میں ڈالی گئی تو سیدی احمد نے ذراسی خاک اس سے تبرکاً اٹھا کر کھالی تھی۔ یہ ساری برکتیں اسی سبب سے انہیں حاصل ہوئی تھیں۔

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 78)

(بحوالہ فوائد الفوائد اردو ترجمہ بریاں ص 348)

یعنی ان حضرات کے نزدیک منصور حلاج کا مقام اس قدر بلند تھا کہ ان کی لاش کی راکھ کی ایک چٹکی کھانے انسان کو اس قدر بلند مدراج حاصل ہو جاتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش اپنی کتاب کشف المحجوب میں منصور کے متعلق لکھتے ہیں

''سرمستان بادۂ وحدت اور مشتاق جمال احدیت گذرے ہیں اور نہایت قوی الحال مشائخ میں سے تھے'' (تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 79)

(بحوالہ کشف المحجوب داتا گنج بخش ص 300)

''اسی طرح اور صوفیا نے بھی منصور کی عظمت اور بزرگی کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے''۔ (تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 79)

پرویز صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ اور صوفیاء نے بھی منصور کی عظمت کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے تو ہم نمونہ کے طور پر دو مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں

مولانا روم اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں

گفت فرعونے انا الحق گشت نیست

گفت منصورے انا الحق برست (مثنوی مولانا روم ص 473)

یعنی فرعون نے یہ کہا کہ میں خدا ہوں تو وہ پست ہو گیا منصور نے یہ کہا کہ میں خدا

ہوں تو وہ نجات پا گیا۔

خواجہ فرید الدین عطار اپنی کتاب اسرار نامہ میں لکھتے ہیں

چہ منصور اندر آئی در انا الحق

شناسا شد ہنوز خویش آنگاہ

بسویں بحر وحدت یا فت او راہ

اور اپنی کتاب جواھر الذات میں خود منصور کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے خود بھی خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے کہتے ہیں

من منصور در عین خدائی

زغیر خویشتن کردہ جدائی

ھمہ بودمن است و من نبودم

گرہ از کار ھا اینجا کشودم

چہ آدم من فرستادم بدنیا

حقیقت باز بردم سوی عقبیٰ

انا الحق گفت او من نگفتم

ولی او آشکارا من نہفتم

(جواہر الذات از فرید الدین عطار ص 303)

ترجمہ: یعنی میں عین خدا ہوں اور میں ہی منصور ہوں اور میں نے اپنے غیر سے جدائی اختیار کر لی ہے۔ ساری دنیا میری ہی خلق کی ہوئی ہے اور میں نے ہی سب کچھ ظاہر کیا ہے۔

اور یہاں پر میں نے گرہ کو کھول دیا ہے کیونکہ آدمؑ کو میں نے ہی دنیا میں بھیجا تھا پھر میں ہی اسے عقبیٰ کی طرف لے گیا۔

منصور نے تو انا الحق کہہ دیا تھا لیکن میں نے زبان سے نہیں کہا۔ لیکن اس نے تو کھلم کھلا کہہ دیا تھا مگر میں نے اس بات کو چھپایا ہے۔

نمبر 2 وحدت الوجود

پرویز صاحب مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں

حلول کا عقیدہ بدیہی طور پر کفر دکھائی دیتا تھا اس لئے وہ تو عام پر طور مستور رہا لیکن اسے شیخ اکبر محی الدین عربی نے ایک بڑی مغالط آفرین شکل میں پیش کر دیا۔ اسے وحدت الوجود کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ عام فہم الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے۔ یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے۔ ابن عربی تصوف کی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں کیونکہ انکا وضع کردہ یہ عقیدہ تصوف کی روح سمجھا جاتا ہے اور قطع نظر ان کے جو اسے اعلانیہ اختیار کرتے ہیں جو اس سے بظاہر اختلاف کرتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اسی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ یہ شیخ اکبر چھٹی صدی ہجری میں اندلس میں پیدا ہوئے 638ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ جہاں ان کے مزار پر ایک بڑا گنبد ہے۔ اس زمانہ میں ہسپانیہ میں متصوفین فلاسفرز کا ایک گروہ تھا جو وحدت الوجود کا قائل تھا۔ وہ اپنی کیفیات اور احوال کو تشبیہ اور استعارہ کے رنگ میں بیان کرتے اور اپنے عشق حقیقی کو عشق مجاز کے جاذب نگاہ لباس میں پیش کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عربی انہیں سے متاثر ہوئے انہی کا فلسفہ، انہی کا انداز بیاں، حتیٰ کہ انہی کا سا عشق مجازی بھی........ یہ عقائد اور نظریات عیسائیوں سے آئے ہوں یا یہودیوں سے مسلمانوں میں اسے منظم مذہب اور مسلک کی حیثیت سے ابن عربی ہی نے پیش کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ بڑے ذہین اور فطین تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب کسی ذہین اور

فطین کی گردن ٹیڑھی ہو جائے تو جس قدر نقصان وہ پہنچا سکتا ہے، دوسروں کے ہاں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ابن عربی کی ذہانت نے یہی کچھ اسلام کے ساتھ کیا قیامت بالا قیامت کہ وہ وحدت الوجود کے عقیدہ کی سند بھی قرآن کریم سے پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں لیکن وہ اسناد کس قسم کی ہیں اس کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ سورہ طہٰ میں زمین سے متعلق کہا گیا ہے " منها خلقناكم و فيها نعيدكم و منها نخرجكم تارة اخرى" 20/55

اس کا صاف اور سیدھا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے بارِ دیگر نکالیں گے۔ ابن عربی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"ہم سب احدیت سے نکلے ہیں۔ فنا ہو کر پھر احدیت میں جا چھپیں گے، پھر بقا ملے گی اور دوبارہ نمودار ہوں گے" تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 80,79 بحوالہ فصول الحکم ابن عربی

اس سے آگے پرویز صاحب لکھتے ہیں

"پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وحدت الوجود کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی۔ وجود صرف خدا کا ہے۔ اس لئے ہر شے خدا ہی ہے اسے "ہمہ اوست" بھی کہا جاتا ہے کہ ظاہر ہے کہ جب سب خدا ہی ہے تو پھر مختلف اشیاء، مختلف افراد حتیٰ کہ مختلف عقائد میں تفریق و تمیز کا تصور ہی غلط ہے۔ رام بھی وہی ہے رحیم بھی وہی۔ یہ تفریق کس طرح مٹ جاتی ہے اس کے لئے ابن عربی کا ایک قول پیش کر دینا کافی ہوگا وہ کہتے ہیں

"پس فرعون کو ایک طرح سے حق تھا کہ کہے (انا ربکم الاعلیٰ) کیونکہ فرعون حق سے جدا نہ تھا اگر اس کی صورت فرعون کی سی تھی ۔۔

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 80
بحوالہ فصول الحکم محی الدین ابن عربی)

پرویز صاحب سے آگے چل کر لکھتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں تصوف کو بالعموم اور نظریہ وحدت الوجود کو بالخصوص شامل کرنے میں ابن عربی کا نام سرفہرست آتا ہے لیکن جس شخصیت نے ان نظریات کو عین اسلام قرار دے کرامت کے خوان کے ذرات تک میں تحلیل کر دیا انہیں مولانا روم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور جلال الدین رومی یا مولانا روم کہہ کر پکارا جاتا ہے ۔ابن عربی نے نظریہ وحدت الوجود کا فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا۔ان کا انداز بیان اس قدر دقیق ،پیچیدہ ۔مجمل بلکہ مبہم ہے کہ ان کے پیش کردہ نقات کا اکثر و بیشتر مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اس بناء پر ان کا نظریہ مفکرین کے طبقہ تک محصور ہو کر رہ گیا ،لیکن مولانا روم نے اسے شعر کی زبان میں ایسے عام فہم ،دلکش اور افسانوی انداز سے پیش کیا کہ اس کا ایک ایک لفظ زبان زد خلائق ہو گیا ۔مدرسہ ہو یا خانقاہ ۔محراب و منبر ہو یا سٹیج ہر مقام پر مولانا روم کی مثنوی دلوں کو گرمانے اور سامعین کو وجد و کیف کے عالم میں لے جانے کے لئے جادو کا کام دیتی ہے اس مثنوی کو ،ہست قرآن درزبان پہلوی ،کہا جاتا ہے ان کی سحر آفرینی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو گا کہ انھوں نے ابن عربی کی ہمنوائی میں نظریہ وحدت الوجود کو پیش کیا اور نہایت شدومد سے پیش کیا ۔لیکن اقبال جیسا مفکر ابن عربی کا الحاد و زندقہ کا علمبردار قرار دیتا ہے ،لیکن رومی کو اپنا مرشد تسلیم کرتا ہے .....سو جب اقبال جیسا بلند پایہ صاحب فکر بھی رو امی کی شعر تفریق کا حریف نہ ہو سکا تو عوام یا (عام دانشور) بیچارے اس سیلاب کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں ۔

ابن عربی اور رومی میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے نظر آتا ہے کہ انھوں نے (رومی نے)نظریہ وحدت الوجود کا تصور ابن عربی سے ہی لیا تھا“

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 82,81)

اس سے آگر چل کر پرویز صاحب نمونہ کے طور پر مولانا روم کے چند اشعار جو

وحدت الوجود پر دلالت کرتے ہیں نقل کرتے ہیں ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

ہر لحظہ بشکل بت عیار برآمد دل برد و نہاں شد

ہر دم بلباس دگران بازبرآمد گہ پیر و جواں شد

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ خود رند سبو کش

خود بر سر آں کوزہ خریدار برآمد بشکست وراں شد

خود گشت سراحی و مے و ساغر و ساقی خود بزم نشیں شد

خود آں مے و سر مست ببازار او برآمد شور دل و جان شد

تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 84

بحوالہ مثنوی مولانا روم

ترجمہ: مولانا روم خداوند تعالیٰ کا بہت عیار یعنی فریب دینے والے معشوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

خدا جب بھی ایک فریب دینے والے معشوق کی صورت میں آیا ہمارا دل اڑا اور چھپ گیا وہ ہر دم لباس بدل بدل کر آتا رہتا ہے کبھی جوان بن کر آجاتا ہے اور کبھی بوڑھا بن کر آجاتا ہے وہ خود ہی کوزہ ہے اور خود ہی کوزہ بنانے والا ہے اور مٹی سے جس سے کوزہ بنایا گیا ہے وہ بھی وہی ہے اور خود ہی پیالے سے شراب پینے والا مست ہے اور خود ہی وہ اس کوزہ کا خریدار بن کر آتا ہے اور (پی پلا کر) پیالہ توڑ کر چلا جاتا ہے خود ہی وہ صراحی بن جاتا ہے، خود شراب، خود ہی پیالہ اور خود ہی ساقی پلانے والا اور خود ہی بزم نشین بن جاتا ہے اور شراب پی کر مست ہو جاتا ہے اور بازار میں نکل جاتا ہے اور دل و جان میں ایک بہت شور برپا کر دیتا ہے۔

مثنوی کے مذکورہ، اشعار نقل کرنے کے بعد پرویز صاحب لکھتے ہیں:

ابن عربی کے تذکرے کے سلسلہ میں ہم دیکھ چکے کہ وحدت الوجود کی رو سے کفر اور ایمان میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

ابن عربی اس وحدت کو فلسفیانہ رنگ میں بیان کرتے ہیں، لیکن رومی اسے اپنے ساحرانہ انداز کے مطابق تشبیہ و استعارات کی رنگینیوں کے پردوں میں وجہ فریب نگاہ بناتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انڈے کو دیکھو اس میں زردی اور سفیدی ممیز طور پر الگ الگ نظر آئے گی لیکن

بیضہ راچوں زیر پر خویش پرداز کرم

کفر و دین فانی شد و شد مرغ وحدت پر فشاں

یعنی جب اس ان انڈے کو اپنے کرم کی حرات سے سیا تو زردی اور سفیدی (کفر اور ایمان) کا امتیاز ختم ہو گیا اور مرغ وحدت پر فشاں نمودار ہو گیا۔

ابن عربی نے کہا تھا کہ وحدت الوجود کی رو سے موسیٰ اور فرعون میں کوئی فرق نہیں دونوں ایک ہیں۔

رومی کہتے ہیں

چونکہ بے رنگی اسیر رنگ شد

موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد

''یعنی چونکہ بے رنگی رنگ کی قید میں آ گئی لہذا موسیٰ ہی موسیٰ سے جنگ کرنے لگا''

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 84-85)

اس کے بعد ویدانتی تعبیر کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

ویدانتی تعبیر

وحدت الوجود کی ایک تعبیر تو یہ ہے کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہے، اس کی دوسری تعبیر ''ویدانتی'' ہے جس کی رو سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا روح کا ایک جزو انسانی پیکر میں پہنچ کر مادہ کی دلدل میں پھنس گیا ہے اور نہایت کرب واذیت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد و منتہیٰ یہ ہے کہ ترک علائق سے روح خداوندی کو اس دلدل سے آزادی دلائی جائے تا کہ یہ جزو اپنے کل سے جا ملے۔ رومی وحدت الوجود کی ابن عربی کی تعبیر کے ساتھ ویدانتی تعبیر کے بھی قائل ہیں، چنانچہ ان کی مثنوی کا آغاز ہی اس نظریہ سے ہوتا ہے۔ جہاں وہ تشبیہی انداز میں کہتے ہیں

''بشنو از نے چوں حکایت می کند

از جدائی ھا شکایت می کند

از نیستاں تا را ببریدہ اند

سینہ خواہم شرح شرح از فراق

تا بگویم شرح درد اشتیاق

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 85)

پھر اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

''یہ ہے وحدت الوجود کا وہ عقیدہ جس کی علماء سلف نے سختی سے مخالفت کی چنانچہ امام ابن تیمیہ نے ایک مستقل رسالہ ''فی ابطال وحدت الوجود'' لکھ کر اس نظریہ کے علمبرداروں کا کافر قرار دیا۔

امام ابن قیم اور محمد بن عبدالوہاب نے بھی انھیں کافر ٹھہرایا

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 86)

اس سے آگے چل کر پرویز صاحب پنجابی صوفی شعرا کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:

''ہم اہل پاکستان بھگت کبیر اور سورداس کے گیت تو ہندوستان میں پیچھے چھوڑ آئے، یہاں بلھے شاہ، شاہ حسین، خواجہ فرید وغیرہ کے کس کس قسم کے گیت گائے جاتے ہیں ،ان کی چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ سب سے پہلے وحدت الوجود کو لیجیے،

بلھے شاہ ہوئی کہندے نیں، (بلھے شاہ فرماتے ہیں)

ا۔ واہ سوہنیاں۔ تیری چال عجائب لٹکاں نال چلیندے ہو

آپے ظاہر آپے باطن آپ لک بہیندے ہو

آپے ملاں آپے قاضی آپے علم پڑھیندے ہو

ہن کس تھیں آپ چھپائیدا۔

(تصوف کی حقیقت،غلام احمد پرویز ص 90)

ترجمہ: پیارے محبوب تمہارے انداز بھی عجیب ہیں خود ہی ظاہر، خود ہی باطن، خود ہی سب سے چھپ چھپ کر بیٹھے ہو، خود ہی ملاں، خود ہی قاضی، خود ہی تعلیم دینے والے عالم، اس کے بعد کہو کہ تم اپنے آپ کو چھپاتے ہو تو کس سے چھپاتے ہو۔

نمبر:2 کِتے ملاں ہو بلیندے او

کِتے سنت فرض دسیندے او

کِتے متھے تلک لگائیدا او

ہن کس تھیں آپ چھپائیدا

(تصوف کی حقیقت،غلام احمد پرویز ص 91)

ترجمہ: کبھی تم ملاں بن کر اذانیں دیتے ہو، کہیں سنتوں اور فرض کے احکام سناتے ہو

کہیں ماتھے پر تلک لگا کر دھونی رماتے ہو، یہ تو بتاؤ کہ تم جو اس قدر نئے نئے روپ بدلتے ہوتو بالآخر اپنے آپ کو چھپاتے کس سے ہو۔

نمبر3: اربع عناصر محل بنائیوں، وچ وڑ بیٹھا آپے
آپے کڑیاں آپے منگر آپے بنیائیں ماپے
آپے مریں تے آپے جیویں آپے کریں سیاپے
بلھیا جو کچھ قدرت رب دی آپے آپ نجانے

(تصوف کی حقیقت، غلام احمد پرویز ص 91)

ترجمہ: اس نے خود ہی مادی کائنات کو پیدا کیا اور خود ہی اس کے اندر آ کر بیٹھ گیا، وہ خود ہی لڑکا ہوتا ہے، خود ہی لڑکی، اور خود ہی ماں باپ۔ وہ خود ہی زندہ ہوتا ہے خود ہی مرتا ہے اور اپنے آپ ہی سیاپے کرتا ہے۔ یہ وہ بھید ہیں جو کسی کی سمجھ میں اپنے آپ نہیں آسکتے۔

خواجہ غلام فرید

خواجہ غلام فرید فرماتے ہیں

ہک جا رب سنگھار وکھاوے
ہک جا عشق بن بن آوے
ہر مظہر وچ آپ سماوے
اپنا آپ کرے دیدار
کڈے شہانہ حکم چلاوے
کڈے گدا مسکین سدا آوے
او سدا بھید کوئی نہ پاوے

سب مست پھرن سرشار

(تصوف کی حقیقت، غلام احمد پرویز ص 90)

ترجمہ: کہیں وہ معشوق کی شکل میں آ کر اپنے حسن سے مسحور کرتا ہے، کہیں خود ہی عاشق بن جاتا ہے کائنات کے تمام مظاہر میں وہ خود ہی سمایا ہوا ہے۔ اور اسطرح وہ اپنا دیدار کرتا ہے۔ کبھی وہ شہنشاہ بن کر اپنا حکم نافذ کرتا ہے کبھی گدا اور مسکین کی شکل میں بھیک مانگتا نظر آتا ہے، اصل یہ ہے کہ اس کا بھید کوئی نہیں پا سکتا ہر ایک اپنے اپنے نشے میں سرشار ہے۔

نمبر 2: خواجہ فرید معراج کے سلسلے میں فرماتے ہیں

اوہو شہر مکے وچ رہند

آپے عرش بریں تے بہندا

آپے آپ نوں ویکھن چلیا

ویکھ وکھا کے گل مک گئی۔

(تصوف کی حقیقت، غلام احمد پرویز ص 98)

ترجمہ: وہی مکہ میں رہتا ہے، وہی عرش پر بیٹھا تھا، وہ خود اپنے آپ کو دیکھنے گیا، اپنے آپ کو دیکھ لیا تو قصہ ختم ہو گیا۔

وحدت الشہود

پرویز صاحب اپنی کتاب تصوف کی حقیقت میں لکھتے ہیں ہیں

ہم نے کہا تھا کہ تصوف کے بنیادی عقائد تین ہیں

حلول وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حلول اور وحدت الوجود کا ذکر آ چکا ہے اب وحدت الشہود کی طرف آیئے۔

ابن عربی کا عقیدہ وحدت الوجود کے مقابل شیخ علاؤالدین سمنانی ولادت 736 ھ نے وحدت الشہور کا عقیدہ وضع کیا۔ ہندوستان میں اس کی شہرت مجدد الف ثانی امام سرہندی کے ذریعہ عام ہوئی۔ اسے ہمہ اوست کی بجائے ہمہ از اوست کا نظریہ لکھا جاتا ہے

وحدت الوجود سے مراد یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو کچھ عالم محسوس میں ہے سب خدا ہی ہے، حتیٰ کہ انسان بھی خدا ہی ہے

اس کے برعکس وحدت الشہور کی رو سے کہا جاتا ہے کہ

۱۔ کائنات خود خدا تو نہیں، لیکن اس کا ظل یا سایہ ہے اس سے واضح ہے کہ یہ نظریہ کائنات اپنا الگ وجود نہیں رکھتی ۔وحدت الوجود اور وحدت الشہور دونوں میں مشترک ہے۔ وحدت الوجود کی رو سے کائنات خود خدا ہے اور وحدت الوجود کے مطابق خدا کا سایہ۔

۲۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس روح، روح خداوندی کی جزو تو نہیں لیکن انسان کشف و وجدان کے ذریعہ ایسی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی ذات، ذات خداوندی میں مدغم ہو جاتی ہے، اسے فنا فی اللہ باقی باللہ کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نظریہ وحدت الشہور کی تفاصیل اور بھی ہیں لیکن ہم نے یہاں صرف اس کا ملخص پیش کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔ انسانی ذات کے آخر الامر ذات خداوندی میں مدغم ہو جانے کے بعد نظریہ سے بہت دلچسپ امور سامنے آتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ صوفیا یا اولیاء اللہ کی وفات کو وفات نہیں کہا جاتا بلکہ وصال کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

(تصوف کی حقیقت، غلام احمد پرویز ص 99)

شاید پرویز صاحب نے جسے ذات خداوندی میں مدغم ہو جانا یا وصال کہا ہے اسے دوسرے نظریہ اتحاد کہتے ہیں یعنی خدا کا کسی چیز سے مل کر متحد اور ایک ہو جانا، یا ہندوستان اور مجدد الف ثانی کی اصطلاح میں یہ وحدت الشہور رہا اور دوسروں کے نزدیک

اسے اتحاد کہا جاتا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ بہر حال اس سے آگے پرویز صاحب نے علامہ طربشی کے ایک مقالہ کے اقتباس ہفتہ روزہ الدعوۃ کے حوالے سے نقل کئے ہیں ہیں ہم اس کا کچھ حصہ یہاں پر نقل کرتے ہیں جو اس طرح ہے

علامہ طریشی کا مقالہ

تصوف لفظی اعتبار سے ایک ایسا اجنبی لفظ ہے جس کا عربی لغت میں کوئی وجود نہیں جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کے معنی میں خود صوفیا کا شدید اختلاف ہے اور اب تک یہ طے نہیں ہوسکا کہ اس لفظ کا وہ کون سا مفہوم ہے جس کی رعایت سے اس کے حامل کو صوفی کہا جاتا ہے، پھر چونکہ یہ لفظ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ حدیث شریف میں بلکہ جماعت صحابہ میں سے کسی ایک صحابی نے اس کو استعمال نہیں کیا ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ خلاف اسلام ایک ایسی بدعت ہے جس کی اسلام میں کوئی بنیاد نہیں ۔ رہی اس کی معنوی حیثیت تو اس میں آپ کو وہ عجائبات دیکھنے کو ملیں گے جن کے بیان کرنے سے پہلے ہم اپنے پروردگار سے معافی مانگنے کے طلبگار رہیں۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ تقریباً تمام صوفیاء کسی نہ کسی طرح حلول کے قائل ہیں یعنی ان کی رائے میں خالق ہی ہر مخلوق میں خود سمایا ہوا ہے۔ اس کی ساری بحث وحدت مطلقہ پر آکر ٹھہرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم کے سوا کسی دوسی ذات یا چیز کا وجود نہیں، ان کی رائے میں خدا ایک امر کلی ہے جس کا خارج میں کوئی ذاتی وجود نہیں وہ صرف اپنے جزئیات میں پایا جاتا ہے یہی نظریہ انہیں وحدت الوجود تک لے گیا جس کے مطابق دنیا میں جتنے بھی مذہب ہیں خواہ وہ آسمانی ہوں یا انسان کے خود ساختہ وہ سب ان کے نزدیک ایک ہیں اور حق ہدایت ان میں مشترک ہے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں یعنی

گوسالہ پرستی اور خدا پرستی ایک ہی چیز ہے ،دونوں میں کوئی فرق نہیں ،گویا شرک عین توحید اور توحید عین شرک ہے ،اس کے ثبوت میں ہم چند ایک بڑے بڑے جلیل القدر، آئمہ تصوف کے اقوال و آراء آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تا کہ آپ خود فیصلہ کرسکیں کہ ہم نے کوئی غلط بات نہیں کہہ دی۔

سب سے پہلے ابن عربی کو لیجئے ۔جو تمام صوفیوں کی عقلوں پر چھائے ہوئے ہیں اور صوفیاء ان کو شیخ اکبر کے نام سے یاد کرتے ہیں،آپ ''واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا'' کی تفسیر فرماتے ہوئے حدیث مبارک ''من عادی لی ولیا'' کی توضیح یوں فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالی جب کسی بندہ کی ذات میں داخل ہوجاتا ہے تو ظاہر میں وہ بندہ، بندہ ہی رہتا ہے ۔لیکن باطن میں وہ خود خدا ہو جاتا ہے اور یہ دخول بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے انسان میں بصارت ،سماعت ،حرکت اور سکون داخل ہیں اس کی واضح مثال حضرت ابراہیم کی ذات اقدس ہے جس میں اللہ تعالی داخل ہوگیا تھا ، یا بالفاظ دیگر اللہ تعالی کی ذات میں حضرت ابراہیم خود داخل ہوگئے تھے ۔اس کو یوں بھی سمجھ لیجئے کہ پانی جب کپڑے میں داخل ہوکر اس کو گیلا کردے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کپڑے میں پانی داخل ہے اس طرح آپ یہ بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ مخلوقاف کی ہر صنف میں خالق کی ذات بھی داخل ہے اور یہ سماعت، بصارت اور اس کے تمام جذبات واحساسات سب درحقیقت خالق ہی کے نام ہیں اسی دلیل سے ابن عربی نے وحدت الوجود کا نظریہ قائم کیا۔

چنانچہ وہ اپنی مشہور تصنیف فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں 'پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو پیدا کیا اور خود عین اشیاء رہا ، اسی طرح اپنی دوسری تصنیف ''فصول الحکم'' میں تحریر فرماتے ہیں ''اے اشیاء کو پیدا کرنے والے اور خود ان میں شامل رہنے والے یقیناً تو اپنی مخلوق میں خود ملا ہوا ہے تو جو چیز پیدا کرتا ہے وہ تیری ذات میں لا انتہا ہے۔

(تصوف کی حقیقت، غلام احمد پرویز ص 102,101)

اس کے بعد بہت سے صوفیوں کے حالات لکھتے ہوئے ابو یزید بسطامی پر پہنچتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں۔

صوفیوں کے ایک اور بزرگ ابو یزید بسطامی گزرے ہیں جو سلطان العارفین کے لقب سے ملقب ہیں آپ نے وحدت الوجود کے دعوے کے ساتھ ساتھ تکالیف شرعیہ مثلاً نماز۔ روزہ، حج اور زکوۃ سے معافی کا اعلان فرما دیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

ایک بار میں حج کے ارادہ سے چلا۔ راستہ میں مجھے ایک قطب ملے انھوں نے فرمایا۔ بسطامی تو حج کو کیوں جا رہا ہے جا گھر واپس چلا جا تو نے دل کی آنکھوں سے اللہ کو کو میری ذات میں دیکھ لیا کیونکہ اللہ نے مجھے اپنا مسکن بنالیا ہے تو نے مجھے دیکھ لیا تو سمجھ لے کہ اللہ کو دیکھ لیا۔ دیکھ یہ نہ سمجھ لینا کہ میں اللہ کے سواء کوئی اور ذات ہوں، یہ سن کر ابو یزید حج کئے بغیر راستے سے اپنے گھر لوٹ گئے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں،

کہ ایک بار اللہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ بسطامی میرے بندے تجھے دیکھنا پسند کرتے ہیں میں نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ تو مجھے اپنی وحدانیت سے نواز دے۔ اپنی انانیت کا خلوت عطا فرمادے اور اپنی احدیت تک بلند فرمادے تا کہ لوگ مجھے دیکھیں تو کہہ دیں کہ ہم نے خدا کو دیکھ لیا ہے۔ اس وقت تو ہی تو ہو اور میں وہاں نہ ہوں۔

ابو یزید اپنی ہرزہ سرائی میں جب یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش کی تھی اور میں نے اللہ کو دیکھنے کی کبھی خواہش نہیں کی بلکہ خدا نے مجھے دیکھنے کی خود خواہش کی۔ (تصوف کی حقیقت، غلام احمد پرویز ص 103)

صوفیاء کے خانوادے اور سلسلہ چشتیہ کے چشم و چراغ غلام احمد پرویز نے تصوف کی حقیقت پر یہ ایک ضخیم تحقیقی کتاب لکھی ہے اور بقول گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اس

کتاب میں انھوں نے صوفیاء کے من گھڑت کرامات ومعجزات، اعتقادات ان کے اشعار، واقعات اور حکایات اور صوفیاء کی ایسی ایسی عجیب وغریب اور مضحکہ خیز باتیں لکھی ہیں جن کو نقل کرنا ہم مناسب نہیں سمجھتے مثلاً چڑے چڑی والی بات وغیرہ، اب ہم ان کے بیان کو یہیں پر ختم کرتے ہیں اور ایک دوسری کتاب جس کا نام "مضامین تصوف" ہے اور جس کو محمد ادریس صاحب نے تالیف کیا ہے اور جو مختلف دانشوروں کے مضامین کا مجموعہ ہے اس میں ایک مضمون ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی کا "ہندو اسلامی تہذیب اور تصوف" ہے ہم اس سے بھی "تصوف کے نظریات" کے عنوان کا ایک اقتباس یہاں پر پیش کرتے ہیں۔

تصوف کے نظریات

ڈاکٹر محمد سعود قاسمی صاحب لکھتے ہیں

تصوف کے بعض نظریات تو قرآن وسنت پر مبنی ہیں مثلاً صبر، شکر، توکل، زہد، استغناء وغیرہ۔ ان کی تفصیلات میں اختلاف تو ہوسکتا ہے مگر ان اصولوں سے نہیں۔ البتہ تصوف کے بعض نظریات اجنبی ہیں تصوف کے ان نظریات میں بہت سے چیزیں قابل بحث ہوسکتی ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ معروض اور نتائج کے اعتبار سے دوررس وحدت الوجود، اتحاد اور حلول اور رجال الغیب کے نظریات ہیں، جن کے اثرات آج بھی لوگوں کے دل ودماغ پر قائم ہیں۔ وحدت الوجود کا نظریہ تصوف میں زیادہ معروف ہے اور ہندوستا میں شیخ احمد عباتی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ تاج العارفین وغیرہ جیسے سینکڑوں بزرگوں نے اس کی وکالت اور اشاعت کی ہے۔ ہندوستان میں چشتیہ اور قادریہ سلسلے بھی وجودی تصوف کے حامی نظر آتے ہیں۔ فیروز شاہ خلجی کے زمانے میں احمد بہاری اور شیخ عز کاکوی جو فردوسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے نے وجودیت کے سلسلہ میں خدائی تک کا دعویٰ کیا اور

لوگ ان کے پیچھے ہو لئے چنانچہ علماء کو ان کے قتل کا فتویٰ دینا پڑا۔

سوال یہ ہے کہ تصوف میں اس نظریہ کی آمد کہاں سے ہوئی۔ بعض حضرات نے خود قرآن کی اس آیت "ھو اولا والآخر والظاھر والباطن" کو اس کا سرچشمہ قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اسے ہندو مت کے ویدانت سے ماخوذ بتایا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں اس نظریہ کی ابتداء تیسری صدی ہجری کے آخر یعنی حسین ابن منصور حلاج کے زمانے سے ہوئی اور اس کو تقویت اور کمال ساتویں صدی ہجری یعنی محی الدین ابن عربی 638ھ کے عہد میں ملا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں آنے کے بعد ہندو ویدانتوں کے تخیل سے مسلمان صوفیوں پر اثر پڑا ہے مگر اسلامی تصوف میں اس تخیل کا اثر بہت پہلے سے معلوم ہوتا ہے خصوصاً جب یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں میں محی الدین ابن عربی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس عقیدہ کی سب سے پرجوش حمایت کی ہے اور وہ اسپین کے باشندے تھے اور کبھی ہندو فلسفہ سے ان کو دوچار ہونے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہندو ویدانت سے نہیں بلکہ وہ افلاطونی فلسفہ سے متاثر ہوئے تھے تو افلاطونیت سے اس نظریہ کا متاثر ہونا بظاہر درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ یونانی فلسفہ کا اصول ہے کہ "لا یصدر عن الواحد الا الواحد" یعنی ایک چیز سے صرف ایک ہی چیز کا صدور ہو سکتا ہے۔ بہت سے چیزوں کا نہیں۔ اللہ جو کہ ذات واحد ہے اور مختلف مظاہر اور کائنات کا خالق بھی اللہ ہے۔ یہ اس اصول سے ٹکراتا ہے۔ اس لئے کہ ایک ذات سے بہت سی چیزوں کا صدور لازم آتا ہے، اس تضاد کو دور کرنے کے لئے وحدت الوجود کا سہارا لیا گیا، جس کی رو سے تمام موجودات ذات واحد کے وجود کے ظہور کی عملی شکل ہے۔ یا یہ کہ وجود حقیقی تو اللہ ہے باقی موجودات اس کا حصہ ہیں اس نظریہ کا منطقی نتیجہ ایک دوسرا نظریہ ہے جسے اتحاد اور حلول کہا جاتا ہے۔ یعنی جب ساری

مخلوق ایک ہی وجود کا حصہ ہے تو بالآخر اسے اس ذات میں لوٹ جانا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اتصال بالمبداء۔ فنا فی اللہ۔ محو و تجرید اور اتحاد اور حلول کے نظریات تمام صوفیاء کے یہاں کسی نہ کسی درجے میں موجود ہیں، ابن خلدون کی نظر میں حلول کا نظریہ صوفیا نے شیعہ حضرات سے لیا ہے اور اسماعیلی حلول اور الوہیت آئمہ کے قائل تھے اس لئے ابن عربی، ابن سبعین اور ان دونوں کے شاگرد ابن العفیف، ابن الفارض اور النجم اسرائیلی بھی اس کے متبع ہو گئے۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اسماعیلیوں نے بھی زرتشی عقیدہ سے متاثر ہو کر اسے اپنایا ہو اور وہ صوفیاء تک منتقل ہوئے ہوں۔ اتصال بالمبداء۔ فنا فی اللہ محو و تجرید اور اتحاد و حلول کے اس روحانی ارتقاء کا تذکرہ سب سے پہلے تفصیل کے ساتھ سنائی نے ''سیر العباد الی المعاد '' میں کیا ہے۔ اس کے بعد عطار نے ''منطق الطیر'' میں کیا ہے انھوں نے بتایا ہے کہ روح چڑیا کی صورت میں سات وادی سے گزرتی ہے اور اس جگہ پہنچتی ہے جہاں اپنے مطلوب کمال کو حاصل کر لیتی ہے۔

دین زرتشت میں یہی سیر و سلوک اور طے مدارج کا بیان روحانی معراج میں ہے جو کہ ''ارادی ویراف نامہ'' مشہور داستان میں باقی ہے یہی اصول بدھ مت کی تعلیمات میں ''نروان'' کے نام سے موسوم ہے جس کا نتیجہ فنا ہے بدھ مت اور ویدانت وغیرہ کے اثرات کی بناء پر حلول کا عقیدہ غلو و تقصیر یعنی یہ کہ انسان خدا کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے اور خدا انسان کے درجہ تک اتر سکتا ہے۔

(کتاب مضامین تصوف۔ مولانا محمد ادریس ص 88-89)

پروفیسر سلیم چشتی سلسلہ چشتیہ کے صوفی ہیں انھوں نے تصوف پر ''اسلامی تصوف'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے صوفیت کی بھرپور طریقہ سے وکالت کی ہے اور تصوف کا دفاع کرتے ہوئے تصوف کو عین اسلام بتلایا ہے لہذا کچھ ان کی بھی سنئے وہ اپنی کتاب ''اسلامی تصوف'' میں لکھتے ہیں،

''اسلامی تصوف قرآن حدیث سنت نبوی سے ماخذ ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔

(۱) توحید خالص (۲) تبلیغ دین (۳) اتباع شریعت (۴) خدمت خلق (۵) جہاد

لیکن اس میں شک نہیں کہ چوتھی صدری ہجری کے بعد مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف رہ پا گیا اور یہ تصوف چونکہ عجمی یا غیر اسلامی تھا اس لئے اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی تصوف کی ضد تھے یعنی (۱) شرک، حلول واتحاد وانسان پرستی، تجسم وتناسخ ارواح (۲) رہبانیت (۳) تخریب دین (۴) ریاحت مطلقہ (۵) نفاق ومداہنیت''

(اسلامی تصوف از پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 13)

یعنی پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ صوفیاء کا تصوف تو اصل اور خالص ٹھیٹ اسلامی تھا لیکن چوتھی صدی ہجری میں مذکورہ مشرکانہ افکار ونظریات کے غیر اسلامی افکار نے صوفیوں میں راہ پائی۔ لیکن چوتھی صدی ہجری میں صوفیوں میں مشرکانہ افکار ونظریات کے راہ پا جانے کے باوجود وہ عجیب وغریب طریقہ سے ان کا دفاع کرتے ہیں۔ چنانچہ شروع سے آخر تک ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ''اسماعیلی شیعوں، باطنی شیعوں اور قرامطہ نے صوفیوں کے بھیس میں آ کر ان صوفیوں کو خراب کیا جو خاص اسلامی تصوف کے حامل تھے ایک دو فقرے ان کے ملاحظہ ہوں لکھتے ہیں:

''قرامطہ براہ راست مسلمانوں کو شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے اس لئے

انھوں نے صوفیوں کا روپ دھارا اور اپنے ظاہری تقدس، وضع قطع، گفتگو اور طرز عمل سے مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور یہ مشرکانہ تعلیم با آسانی ان کی محبوب شخصیت کے نام کے پردے میں ان کے دماغوں میں جاگزیں کر دی اور داد طلب امر یہ ہے کہ یہ کام ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ عوام دھوکہ کھا گئے اور مرور ایام سے یہ روایات مسلمان صوفیوں کے صوفیانہ لٹریچر کا جزو لاینفک بن گئیں اور اب ان روایات کو صوفیانہ لٹریچر سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا'' (اسلامی تصوف از پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان قرامطہ نے نہ صرف مشرکانہ تعلیم کو ان کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا بلکہ:

''قرامطہ نے فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، مثنوی مولانا روم، احیاالعلوم اور دوسری مشہور کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں اور اشعار داخل کر دیے، بلکہ بہت سی کتابیں خود لکھ کر بعض بزرگوں کے نام سے منسوب کر دیں مثلاً ایک دیوان حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا، بہت سے رباعیات مختلف صوفیوں سے منسوب کر دیں مثلاً یہ مشہور رباعی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سے منسوب کر دی

''شاہ است حسین بادشاہ است حسین | دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد نداد دست در دست یزید | حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

(اسلامی تصوف از پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 43)

شاید کوئی قاری اس بات پر تعجب کرے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی مذکورہ رباعی سے امام حسین علیہ السلام کی شان میں تو اس کے کہنے سے کوئی اضافہ نہیں بلکہ اس رباعی کی وجہ سے خواجہ معین الدین چشتی کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا ہے، لہذا اس رباعی کی ان کی طرف نسبت سے انکار کا کیا سبب ہے؟

تو اس سے آگے چل کر معلوم ہو جائے گا کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی یزید کا حد سے زیادہ طرفدار ہے لہذا اسے گوارا نہ ہوا کہ خواجہ اجمیری کی طرف اس قسم کی رباعی کی نسبت کو صحیح جانے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

خواجہ اجمیری اور مرشد رومی اور ان کے ہم خیالوں نے تو اس قدر جسارت کی کہ اپنے مذعومات باطلہ احادیث نبوی کے لباس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیئے، منجملہ ان کے یہ حدیث ہے جو ترمذی میں بھی موجود ہے

" انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمۃ و علی بابہا "

شیخ الاسلام آیۃ من آیات اللہ مجاہد اعظم حضرت سیدی وشیخی ومولوی سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز مکتوب نمبر 75 میں ص 179 وص 180 پر تحریر فرماتے ہیں، یہ روایت نہ تو صحیحین میں نہ روایت کا ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں'' الخ

(اسلامی تصوف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 44)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جتنے مشرکانہ عقائد صوفیں میں رائج ہیں وہ بھی اسماعیلی شیعوں، باطنی شیعوں اور قرامطہ نے فریب کاری سے ان صوفیوں میں رائج کیے ہیں اور جتنی احادیث پیغمبر کی طرف سے حضرت علیؑ کی شان میں بیان شدہ ہے، جنہیں وہ انکے مذعومات باطلہ کہتے ہیں وہ بھی اسماعیلی شیعوں، باطنی شیعوں اور قرامطہ نے ان کی کتابوں میں لکھ دی ہیں حتیٰ کہ مذکورہ حدیث نبی

انا مدینۃ العلم و علی بابہا اور انا دار الحکمۃ و علی بابہا

بھی اسماعیلی شیعوں یا باطنی شیعوں یا قرامطہ کی من گھڑت جعلی اور وضعی ہے اور ان کے مذعومات باطلہ پر مشتمل ہے اور ان صوفیوں کی کتابوں میں انھوں نے دھوکے سے

داخل کردی ہیں اگر چہ یہ ترمذی شریف بھی لکھی ہوئی تھی لیکن حسین احمد مدنی کہتے ہیں کہ چونکہ یہ حدیث صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں لکھی ہوئی نہیں ہے لہذا غلط ہے''

یوسف سلیم چشتی نے حضرت علیؑ سے اپنے بغض وعناد اور حسد کے اظہار میں حد کر دی کیونکہ ایک محاورہ ہے کہ

''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید''

یعنی مشک وہ ہوتا ہے جو خود اپنی خوشبو سے کہتا ہے کہ میں مشک ہوں نہ کہ عطار یہ کہے کہ یہ مشک ہے۔

حضرت علیؑ بانگے پکارے کہتے تھے ''سلونی قبل ان تفقدونی''

''پوچھ لو جو پوچھنا ہو مجھ سے قبل اس کے میں تم میں نہ رہوں''

حضرت علیؑ مشکل علمی مسائل کو حل کرنے کی وجہ سے ایسا مشکل کشا مشہور ہوئے کہ یہ لفظ ان کے نام کا لاحقہ بن گیا حضرت عمرؓ اکثر کہا کرتے تھے کہ ''لولا علی لھلک عمر'' لہذا از روئے درایت وعقل اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ یہ صحاح ستہ یں صحیح ترمذی شریف میں بھی لکھی ہوئی ہے اور پروفیسر سلیم چشتی نے اپنی کتاب میں صحیح ترمذی میں کسی کی مداخلت کا دعویٰ بھی نہیں کیا ہے اور انھوں نے خود یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ترمذی میں لکھی ہوئی ہے۔

جہاں تک اس حدیث کے صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہ ہونے کی بات ہے تو اہل سنت کے مشہور عالم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ'' میں لکھتے ہیں کہ:

احادیث صحیح منحصر نیست در صحیح بخاری و مسلم و ایشاں استیعاب نہ کردہ اند تمام صحابہ را بلکہ

بعض صحابہ کہ نزد ایشاں بود بر شرط ایشاں نیذ ریناور اندچہ جائے مطلق صحاح ، بخاری گفت نیا وردہ من دیں کتاب مگر آنچہ صحیح است و نمیگونم کہ آنچہ تیار وردہ ام ددوے ضعیف است۔ ولا بد دریں ترک واتیاں وجہ تخصیص و ترجیح خواھد بود، خوہ الجدت صحت یا از حیث مقاصد دیگر۔ و حاکم ابو عبداللہ نیشا پوری کنا بے تصنیف کردہ است کہ نام او مستدرك لبادہ است یعنی آنچہ در بخاری و مسلم از احادیث صحاح فرو گذاشت شدہ است آں را تلافی و استدراك شدہ و دریں کتاب آوردہ بعض بر شرط شیخین یکے از ایشاں و بعض بر غیر شرط و گفتہ است کہ ایشاں بخاری و مسلم حکم نہ کردہ اند کہ صحیح نیست احادیث غیر آنچہ ایشاں تخریج کردہ اند دریں دو کتاب، کتاب معتبر کہ مشہور اند در اسلام عبارت از صحیح بخاری و مسلم و جامع ترمذی و سنن ابی دائود و نسائی و ابن ماجہ و نزد بعض موطا است بدل ابن ماجہ“

(اشعۃ اللمعات عبدالحق محدث دہلوی جلد اول ص 8
مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

ترجمہ: جناب رسول خدا کی تمام صحیح احادیث صرف بخاری ومسلم میں ہی منحصر نہیں ہیں اوران دونوں نے تمام صحیح احادیث کو جمع نہیں کیا بلکہ بہت سے احادیث جوان دونوں کی شرائط صحت احادیث کے مطابق خودان کے نزدیک صحیح ہیں وہ بھی جمع نہیں کیں چہ جائیکہ

مطلقاً عام صحیح احادیث تو کیا جمع ہوتیں ۔خود بخاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں سب صحیح احادیث ہی جمع کیں اور بہت سے احادیث کہ صحیح تھیں ان کو چھوڑ دیا ہے اور مسلم کہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے اس کتاب میں جمع کی ہیں سب صحیح احادیث ہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں نے چھوڑ دی ہیں ضعیف احادیث ہیں ہم کہتے ہیں کہ اس ترک واختیار میں ضرور کچھ وجہ خصوصیت تھی خواہ صحت کی وجہ سے اور خواہ کسی اور مصلحت اور مقصد کی وجہ سے۔ اور ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام مستدرک رکھا ہے یعنی جو صحیح احادیث بخاری و مسلم نے چھوڑ دی ہیں ان کی دریافت کر کے اس میں جمع کیا ہے۔ان میں بعض ایسی ہیں جو ان شرائط کے موجب صحیح ہیں جو شیخین نے صحت احادیث کی جانچ کے لئے مقرر کی ہیں بعض ایسی ہیں جو ان دونوں میں سے ایک کی شرائط کے بموجب صحیح ہیں بعض ایسی ہیں جو دیگر محدثین شرائط صحت کی جانچ پر صحیح اترتی ہیں اور حاکم کہتے ہیں کہ خود بخاری و مسلم نے یہ نہیں کہا ہے کہ جو روایات و احادیث انھوں نے استخراج نہیں کی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں ۔اسلام میں چھ کتب احادیث مشہور ہیں وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ ہیں بعض لوگوں سنن ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو رکھتے ہیں۔

مذکورہ حدیث کو بہت سے بزرگ اصحاب پیغمبر نے روایات کیا ہے یہ حدیث مکمل طور پر اسطرح ہے

" قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم انا مدينة العلم علي بابها فمن اراد العلم فليات الباب ''

ترجمہ: فرمایا جناب رسول خداؐ نے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے پس جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اس دروازے پر آئے۔

وہ بزرگ اصحاب جن سے یہ حدیث مروی ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں

(۱) حضرت علی ابن ابی طالب (۲) امام حسن علیہ السلام (۳) امام حسین علیہ السلام (۴) عبداللہ ابن عباس (۵) جابر ابن عبداللہ انصاری (۶) عبداللہ ابن مسعود (۷) حذیفہ الیمان (۸) عبداللہ ابن عمر (۹) انس ابن مالک (۱۰) عمر بن عاص اور وہ تابعین جن سے یہ حدیث مروی ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں

۱۔ امام زین العابدین علی ابن الحسینؑ (۲) جناب امام محمد باقرؑ (۳) اصبغ بن نباتۃ الحنظلی (۴) جریر حی (۵) حارث ابن عبداللہ الھمدانی (۶) سعد ابن طریف الحنظلی (۷) سعید ابن جبیر الاسعدی (۸) سلمہ ابن کمیل الحضرمی (۹) سلیمان ابن میران الاسعدی (۱۰) عاصم ابن حمزہ اسلولی (۱۱) عبداللہ ابن عثمان ابن خیثم القاری (۱۲) عبدالرحمٰن بن عثمان (۱۳) عبداللہ بن عیلیۃ المراری (۱۴) مجاہد ابن جبیر ابوالحجاج اور تمام صحابہ رسول کو اس کا علم تھا۔ علامہ جلال الدین زرندی نے کتاب دار السمطین میں اس حدیث کو لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ:

"فضیلۃ اخریٰ اعترف بھا الاصحاب و انبھو و سلکو طریق الوفات و انتھبو"

"یعنی یہ وہ فضیلت ہے جسکے سب اصحات رسول معترف تھے اس پر سب متفق تھے۔

اور شہاب الدین احمد نے توضیح الدلائل میں حدیث مدینۃ العلم کو حضرت ابن عباس نے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

" رواۃ الزرندی وقال ھذا فضیلۃ المتعرف بھا الاصحاب و ابتھجو و سلکوا طریق الوفاق واستھجوا"

یعنی اس حدیث کو زرندی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ وہ فضیلت تھی جس کے

سب اصحاب پیغمبر معترف تھے اور سب اس پر متفق تھے۔

مذکورہ حدیث کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص369 پر نقل کیا ہے اور حاکم نے اپنی کتاب المستدرک میں علی الصحیحین میں اس حدیث کو صحیح حدیث کے طور پر نقل کیا ہے۔

جبکہ اس حدیث کو 150 کے قریب مخرجین حدیث نے بیان کیا ہے اور اس کی تمام اسناد کو علامہ حامد حسین لکھنوی نے طبقات الانوار میں اور انہیں سے نقل کرنے والے دوسرے مصنفین سے بیان کیا ہے جس کا دل چاہے وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔

پروفیسر سلیم چشتی کا حضرت علیؑ سے بغض وعناد اور فتح خیبر کا بیان

حضرت علیؑ کا ایک لقب فاتح خیبر ہے یعنی حضرت علیؑ قلعہ خیبر کو فتح کیا آپ نے ہی مرحب کو قتل کیا اور قلعہ خیبر کا دروازہ اکھاڑا لیکن پروفیسر یوسف سلیم چشتی کو حضرت علی سے اس قدر عناد ہے کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، لہٰذا وہ عجیب انداز سے اس حقیقت کو جھٹلاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مرحب کو محمد ابن سلمہ نے قتل کیا لہٰذا فاتح خیبر محمد ابن سلمہ ہے۔

طرز استدلال اس کا یہ ہے کہ ابو اسحٰق ایک شیعہ مورخ ہے اس نے سیرۃ النبی کے نام سے جو کتاب لکھی ہے وہ سیرۃ ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ اس سیرۃ ابن ہشام سے اس نے فتح خیبر سے متعلق چار متضاد روایتیں نقل کی ہیں۔

پہلی روایت عبداللہ ابن سہل سے ہے جس میں محمد بن سلمہ کے ہاتھوں مرحب کا قتل بیان کیا گیا ہے۔

دوسری روایت ہشام ابن عروہ سے جس میں زبیر ابن عوام کے ہاتھوں یاسر کا قتل ہونا بیان کیا ہے

تیسری روایت بریدہ بن سفیان بن فروۃ سے ہے۔ جس میں تفصیل کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا ناکام لوٹنا اور آنحضرت کا وہ حدیث درایت بیان کرنا اور حضرت علیؑ کو علم دے کر فتح کی دعا کرنا اور یہ کہ حضرت علیؑ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انھیں فتح عطا نہیں کر دی۔

چوتھی روایت عبداللہ بن حسن سے بیان ہوئی ہے جس میں قلعہ کے دروازہ کا اکھاڑنا وغیرہ بھی مرقوم ہے۔

یہ چاروں روایات نقل کرنے کے بعد یہ معاند علی یعنی پروفیسر یوسف سلیم چشتی یہ کہتا ہے کہ یہ اقتباسات ابن اسحٰق یعنی ایک شیعی مصنف کی کتاب میں پیش کیے گئے ہیں۔

ایک مورخ کی حیثیت سے ابن اسحٰق نے بلاتعصب جس راوی سے جس طرح کی روایت ملی اسے اپنی تاریخ میں درج کر دیا، یعنی وہ روایت بھی جس میں محمد بن سلمہ کو مرحب کا قاتل کہا گیا ہے اور وہ روایتیں بھی جن میں حضرت علی کو مرحب کا قاتل اور خیبر کا فاتح کہا گیا ہے۔

اب یہ معاند علی پروفیسر یوسف سلیم چشتی صحیح بخاری کو بھی بھول گیا اور صحیح مسلم کو بھی بھول گیا اور اپنی دوسری سیرت کی کتابوں کو بھی بھول گیا اور وہ یہ کہتا ہے کہ مرحب سے حضرت علیؑ کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحٰق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا بلکہ مرحب سے علیؑ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سے غلط روایات سبائیوں کو تدمیس سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئی ہیں یہ افسانہ بھی ان کتابوں میں جگہ پا گیا ہے۔ فی الجملہ سیرت کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے

کہ مرحب کو محمد ابن سلمہ نے قتل کیا تھا لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؑ کے مابین فرضی خیال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کے لیے البدایہ و النہایہ مولفہ امام ابن کثیر دمشقی متوفی 771 سے ضروری اقتباس درج ذیل ہیں ۔

(اسلامی تصوف از یوسف سلیم چشتی ص 82)

ان مذکورہ اقتباسات میں اسی طرح سے محمد بن سلمہ کی روایت کو صحیح مانا اور حضرت علی کے بارے میں احادیث درج کرنے کے باوجود افسانہ قرار دے دیا۔ ان حضرات سے کوئی بعید نہیں کہ یہ حضرات آنکھیں بند کر کے یہ کہنے لگیں کہ علی نام کا کوئی شخص ہوا ہی نہیں ۔ لہذا سارا قصہ آسانی سے صاف ہو جائے ، حضرت علی سے اپنے عناد کا مظاہرہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گیا ۔

لیکن اہل سنت والجماعت احادیث کے بارے میں صحیح بخاری کو سب پر فوقیت دیتے ہیں اور ہم اس سے پہلے "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" کو ثابت کرنے کے لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی" کی کتاب اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے ثابت کر آئے ہیں کہ بخاری نے یہ کہا ہے کہ میں نے اس کتاب میں صحیح احادیث جمع کی ہیں ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو احادیث میں نے نہیں لکھیں وہ صحیح نہیں ہیں اسی بخاری شریف میں جنگ خیبر کے احوال میں یہ لکھا ہے کہ: جب معروف اصحاب پیغمبر ناکام واپس آتے رہے تو آنحضرت نے فرمایا:

لا عطين الراية غداً رجلاً يفتح الله عليٰ بديه يحب الله رسوله و يحبه الله و رسوله (متفق علیہ بخاری مترجم پ 14 ص 19)

یعنی ضرور ضرور میں کل یہ علم اس مرد کو دونگا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالی فتح کریگا وہ خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں ۔

صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث خصائص نسائی ، روضۃ الصفاء، کنزالاعمال اور سیرہ النبی سلی میں بھی روایت ہوئی ہے اور دوسری روایات میں رجلا کے بعد کراراً غیر فراراً بھی آیا ہے، اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا

ہیچ را معنی کرار چیست

ایں خطابے از خطابات علی است

یعنی کیا تجھے پتہ ہے کہ کرار کے کیا معنی ہیں پھر دوسرے مصرے میں کہتے ہیں کہ یہ علی کے خطابات میں سے ایک خطاب ہے، یعنی حضرت علی کے سوایہ خطاب اور کسی کے لئے زیبا ہی نہیں ۔اور جب فتح خیبر کے بعد حضرت علیؑ واپس تشریف لائے تو رسول اللہؐ نے آپ کا استقبال کیا چھاتی سے لگایا اور سر اور آنکھوں کو چوما اور فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ سے راضی ہوا، ملاحظہ ہو تاریخ حبیب السیر جلد اول ص 56،مدارج النبوۃ، روضۃ الاحباب جلد اول ص 385 طبری فارسی جلد چہارم ص 420 معارج النبوۃ رکن چہارم ص 203 روضۃ الصفا جلد دوم ص 133 صحیح مسلم ترجمہ ص 1939 ،تاریخ الاسلام جلد دوم ص 121 ۔

یعنی یہ حدیث رایت صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں موجود ہے اور مذکورہ تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ پیغمبر نے وہ علم حضرت علیؑ کو عطا کیا اور آپ نے مرحب کو قتل کر کے فتح حاصل کی اور اسی لئے آپ کا لقب فاتح خیبر مشہور رہا ۔حدیث رایت اہل سنت کی حدیث کی جن کتابوں میں درج ہے ان کے حوالے درج کئے جاتے ہیں جو حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد 56 باب 43,121,102 ۔

کتاب 62 فضائل اصحاب النبی باب 9

کتاب المغازی باب 38

۲۔ صحیح مسلم، کتاب 32 الجہاد، حدیث 132
کتاب 44 فضائل صحابہ حدیث 32 تا 35

۳۔ سنن ترمذی کتاب 46 المناقب باب 20

۴۔ مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص 99۔133
الجزء الثانی ص 26۔384
الجزء الثالث ص 16
الجزء الرابع ص 53
الجزء الرابع ص 323-353-355

۵۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الثانی ص 473، ص 56

۶۔ مستدرک علی الصحیحین حاکم الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ص 109 ص 133

۷۔ مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی جلد دوم ص 323,322

۸۔ خصائص نسائی ص 10-11

۹۔ کنزالعمال متقی الجزء السادس ص 394 حدیث 6025

۱۰۔ مشکواۃ المصابیح ص 563

۱۱۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد چہارم ص 368

۱۲۔ سنن ابن ماجہ الجزء الاول ص 56-58

۱۳۔ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد 7 ص 632

۱۴۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد 7 ص 58,60

ان کے علاوہ حدیث و تاریخ کی دوسری بہت سے معتبر و مستند کتابوں میں یہ حدیث درج ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے کون پوچھے کہ کیا اسماعیلی شیعہ ، باطنی شیعہ اور قرامطہ انکی اتنی معتبر اور مستند کتابوں میں بھی اس حدیث کو لکھنے میں کامیاب ہو گئے ۔ان کے لئے ابوالحسن مدائنی کی کتاب الاحداث کی یہ بات سرمہ بصیرت کا کام دے سکتی ہے کہ معاویہ کے حکم سے جو احادیث گھڑی گئیں ،جن کا ذکر ہم نے اس کتاب میں ''معاویہ کے بر سراقتدار آنے کے بعد احادیث کا سیلاب'' کے عنوان کے تحت کیا ہے،ان میں سے ایک قسم ان احادیث کی ہے جو حضرت علیؑ کے فضائل کی حدیثوں کے مقابلہ میں گھڑی گئیں ۔لہذا انہیں پرکھنے کا ایک ہی معیار ہے کہ اگر کوئی حدیث یا روایت حضرت علیؑ کی فضیلت میں بیان کی گئی ہو اور اسی قسم کی حدیث کسی اور کے لئے بھی بیان کی گئی ہو تو وہ معاویہ کے کارخانہ حدیث سازی کی ساختہ وپرداختہ ہے ۔اسی طرح تاریخ میں جو بات حضرت علیؑ کے لئے ثابت ہو ایسی ہی کسی اور کے لئے بیان کی گئی ہو تو وہ بھی اسی مذکورہ کوشش کا حصہ ہے۔ یوسف سلیم چشتی صاحب نہ صرف صوفیاء کی کتابوں میں تدسیس کا جھوٹا الزام لگانے سے نہیں چوکے چنانچہ اس کا ایک نمونہ اگلے عنوان میں ملاحظہ فرمائیں ۔

یوسف سلیم چشتی کی طرف سے یزید کی طرفداری

اہل سنت میں سے بہت سے دانشور اور علماء یزید کے افعال کی مذمت کرتے ہیں اور اسے لعنت کا مستحق اور سزاوار جانتے ہیں لہذا انھوں نے اسی بناء پر اپنی کتابوں میں خود اسے لعنت کا مستحق لکھا ہے ،لیکن یوسف سلیم چشتی اہل سنت کی کتب عقائد میں تدسیس کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان دشمنان اسلام نے صرف تصوف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مذموعات اس طرح شامل کردیئے کہ

مرور ایام سے وہ اوہام باطلہ اہل سنت کے عقائد بن گئے، چنانچہ شرح عقائد نفسی مصنفہ سعد الدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔

علامہ تفتازانی کا شرح کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

''بہر کیف یزید ابن معاویہ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے، کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں............

(اس کے بعد اختلاف علماء کا ذکر کرنے کے بعد علامہ تفتازانی کی اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ:

''حقیقت یہ ہے یزید کا قتل حسین پر رضامندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبی کے خاندان کی توہین ایسی باتیں ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔اس لئے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لئے اس پر اور اس کے اعوان وانصار پر سب پر خدا کی لعنت ہو''

(اسلامی تصوف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 76-77)

شرح عقائد نسفی کی مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد یوسف سلیم چشتی صاحب فرماتے ہیں کہ

''میری رائے میں یہ فقرہ جو'حقیت یہ ہے' سے شروع ہوکر لعنت پر ختم ہوجاتا ہے،علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے۔بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کردیا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں کیونکہ تاریخ طور پر ثابت نہیں ہوتیں، میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ

ابن الاثیر سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں"

لیکن انھوں نے ابن اثیر کے بیان کا پہلا حصہ چھوڑتے ہوئے وہاں سے نقل کیا جہاں سے اس نے ندامت کا اظہار کر کے اپنی طرف سے حسن سلوک کرنے کا اظہار کرنے کو بیان کیا ہے اور اس کو دلیل بنا کر یوسف سلیم چشتی صاحب کہتے ہیں:

اب قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ ان تصریحات سے لعن و تکفیر میں سے کوئی بھی وجہ ثابت نہیں ہوتی۔ (اسلامی تصوف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 78)

یوسف سلیم چشتی نے اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے انتہائی بے ایمانی کے ساتھ یزید کی محبت میں ابن اثیر کے بیان میں تحریف کی ہے کیونکہ ابن اثیر کا بیان جہاں سے شروع ہوتا ہے، وہاں سے نہیں لکھا، بلکہ اس کے آغاز کی عبارت کو بد دیانتی سے چھوڑ دیا ہے، کیونکہ ابن اثیر کا بیان یہاں سے شروع ہوتا ہے" **لما وصل راس الحسین الی یزید حسنت حال ابن زیاد عنده و زاده و وسله و سره ما فعل ثم لم یلبث الا کسیراً حتی بلغه بعض الناس و لعنهم و سعم فندم علی قتل الحسین مکان یقول و ماعلی لواحتملت اذی و انزلت الحسین معی فی داری "**

یعنی جب امام حسینؑ کا سر مبارک یزید کے پاس پہنچا تو اس کی نظر میں ابن زیاد کی وقعت اور بڑھ گئی اور جو کچھ اس نے کیا تھا اس نے یزید کو مسرور اور شادکام کیا چنانہ اس نے اس کو انعام واکرام سے بھی نوازا، لیکن ابھی بہت ہی تھوڑا وقت گذرا تھا کہ یزید کو یہ اطلاعیں ملنے لگیں کہ لوگ اس کو برا کہنے لگے ہیں اور انھوں نے اس کو لعن طعن اور سب وشتم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے اس نے شہادت امام حسینؑ پر اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد جو کچھ یزید نے کہا یوسف سلیم چشتی نے اسے تو نقل کیا لیکن مذخورہ

ابتدائی عبارکو اپنے غلط اور باطل مطلب کو ثابت کرنے کے لئے ترک کردیا اور لوگوں کے سب وشتم اور لعن وطعن کے بعد نادم ہوکر جو کچھ اس نے کہا تھا وہ نقل کر کے خوب بغلیں بجائیں اور یہ کہا کہ علامہ تفتازانی کی کتاب میں سبائیوں نے یزید پر لعن کی عبارت داخل کردی ہے، یعنی یہ علامہ تفتازانی نے بیان نہیں کیا۔ کیونکہ ابن اثیر نے جو کچھ لکھا ہے ان سے وہ 'وجوہات' ہی ثابت نہیں جن کی بناء پر لعن کی جاتی ہے اور خود اس بات کو بیانہیں کیا جس سے وہ وجوہات ثابت تھیں۔

حقیقتاً یوسف سلیم چشتی کے سارے ہی استدلات ایسے ہی جھوٹ کا پلندہ، تہمت کے انبار اور بہتان طرازی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ حالانکہ جو کچھ ابن اثیر نے لکھا ہے وہ کچھ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں کہ

" فلما قتل الحسین و ابن ابیه بعث ابن زیاد برؤسھم الی یزید فسر بقتلھم اولا ثم ندم لما مقته السملون علی ذالک وابغضه الناس وحق لھم ان یبغضه'' تاریخ الخلفا ص 208

یعنی جب امام حسینؑ اور ان کے بھائی اور دیگر اعزہ وانصار شہید ہوگئے تو ابن زیاد نے ان کے سر یزید کے پاس بھیج دیئے تو وہ پہلے تو ان کے قتل سے بہت خوش ہوا۔ پھر جب لوگوں نے اس کے فعل شنیع کی وجہ سے برا بھلا کہنا شروع کیا اور ان کو اس حق بھی تھا کہ اسے برا سمجھیں، تب اس نے ندامت کا اظہار کیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ علامہ تفتازانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ خود انہیں کا بیان ہے کسی سبائی نے ان کی کتاب میں داخل نہیں کیا۔ البتہ سلیم چشتی کے بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر وہ خود اس وقت موجود ہوتا تو آل رسول سے بغض وعناد اور اپنی دشمنی کی وجہ سے یزید کی طرفداری کرتے ہوئے شمر ابن ذی الجوشن یا عمر سعد کا کردار وہ خود ادا کرتا۔

بہر حال اسی طرح یوسف سلیم چشتی صوفیاء کی بدعات ان کی کفریات اور باطل نظریات کو دوسروں کے گلے میں ڈال کر انکی صفائی پیش کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ باتیں شیعہ اسماعیلیہ نے یا شیعہ باطنیہ یا قرامطہ نے ان کی کتابوں میں داخل کر دی ہیں ورنہ صوفیوں کے عقائد یہ نہیں تھے۔ چنانچہ نادعلی کے بارے میں ان کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

پروفیسر سلیم چشتی کے نزدیک نادعلی کس نے وضع کی اور بیکتاشی فرقے کا حال

پروفیسر سلیم چشتی اپنی کتاب اسلامی تصوف میں صوفیوں کے بیکتاشی فرقے کے حال میں لکھتے ہیں کہ:

''صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر برج (BIRGE) نے اپنی کتاب" درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ بخوف طوالت صرف چند اکتباسات پر اکتفاء کرتا ہوں۔

''اس سلسلہ کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو 680ء/1281ھ میں خراسان (اسماعیلی دعاۃ کے مرکز) سے اناطولیا میں آیا تھا اس نے 1333ھ/738ء میں وفات پائی'' (اسلامی تصوف یوسف سلیم چشتی ص 33)

اس کے بعد حضرت علیؓ کی شان میں غلو سے پر اقوال نقل کرتے ہوئے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''حضرت علی کے بارے میں اس سلسلہ کے صوفیوں کے جو عقائد ہیں اس کا اندازہ خطبہ سے ہو سکا ہے جو اس سلسلہ میں بہت معتبر کتاب ہے۔

(اسلامی تصوف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 34)

یہاں پر ایک بات کی یاددہانی کرانا ضروری ہے کہ شیعہ امامیہ اثناعشریہ کے بزرگ علماء کے نزدیک خطبہ بیان اور خطبہ طتنجیہ غالیوں اور مفوضہ کے وضع کردہ اور گھڑے ہوئے ہیں۔غالیوں کی طرف اس کی نسبت اس لئے دی گئی ہے کہ کیونکہ غالی حضرت علیؑ کو خدا مانتے ہیں لہذا ان خطبوں کا انداز بیان ایسا ہے جیسا کوہ خدا بول رہا ہے اور مفوضہ کی طرف ان خطبوں کی نسبت اس لیے دی گئی ہے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے ان کو خلق کر کے خوداور کوئی کام نہیں کیا بلکہ جو کچھ کیا وہ انھوں نے کیا لہذا ان خطبوں میں یہی بیان کیا گیا ہے، کہ یہ کام ہم نے کئے ہیں، لہذا یہ مفوضہ کے گھڑے ہوئے ہیں لیکن خطبہ بیان صوفیوں کے بیکتاشی فرقے میں زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے اور صوفیوں کا حضرت علی کو خدا سمجھنا کوئی بعید بات نہیں جب وہ خود کو خدا سمجھتے ہیں اور صوفیت کا خرقہ حضرت علی سے ہی کھینچ کر لاتے ہیں تو ان کے ضروری تھا کہ اس فرقے کی لاج رکھتے ہوئے پہلے علیؑ کو خدا بنائیں اور ان کی طرف جھوٹ گھڑ کر ایسے خطبوں کو منسوب کریں جن میں وہ خود کو خدا ظاہر کر رہے ہوں

بہر حال شیعہ امامیہ اثناعشریہ ان مذکورہ خطبوں کو حضرت علیؑ کے خطبے تسلیم نہیں کرتے اسی وجہ سے یوسف سلیم چشتی صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں

”اگرچہ صوفیوں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے مگر اسماعیلیہ فرقے نے اس اختلاف کو بہت کم کردیا ہے، چنانچہ اسماعیلیہ پیروں نے صوفیہ کے طریقے اختیار کرلئے“ (اسلامی تصوف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 35)

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف قرامطہ (اسماعیلیوں کا ایک فرقہ) نے صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو غیر اسلامی تصوف سے مانوس کردیا، دوسری طرف مسلمان صوفیوں کی تصانیف میں نہایت چابکدستی کے ساتھ اپنے عقائد داخل کردیے، عربی میں اس کو تدسیس کہتے ہیں۔

(اسلامی تصوف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 76-77)

ہم اس سلسلہ میں یوسف سلیم چشتی کے اس بیان کو سابق میں رد کر آئے ہیں کہ ملا تفتازانی کی کتاب شرح عقائد سیفی میں یزید پر لعن کا بیان کسی سبائی نے داخل کیا ہے اور یہ بیان ملا تفتازانی کا نہیں ہے اور یوسف سلیم چشتی نے یزید کی طرفداری میں جھوٹ بولا ہے اسی طرح صوفیوں کی کتابوں میں کسی کو اپنی طرف سے کچھ داخل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ وہ خود پہلے سے ہی اس میدان میں سب سے آگے تھے جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا۔

اس کے بعد اسماعیلیوں کی اس تدسیس کا بیان اسطرح سے کرتے ہیں۔

''اس فرقے نے بہت سے روایات وضع کر کے مسلمانوں میں شائع کردی۔ اس فرقے کے صوفیوں نے اپنی مجلسوں میں ان وضعی روایات کو مسلسل بیان کیا اور سامعین نے ان مقدس حضرات پر اعتماد کر کے انہیں قبول کرلیا۔ مثلاً بکتاشی سلسلے میں یہ روایت بہت مقبول ہے کہ جنگ احد میں آنحضرت صلعم زخمی ہوگئے اور جسم سے خون بہنے لگا تو جبرئیل نے آکر آپ سے کہا کہ نادعلیاً والی دعا پڑھو یعنی علیؑ کو پکارو۔ جب آپ نے یہ دعا پڑھی تو علی فوراً آپ کی مدد کے لئے آگئے اور کفار کو قتل کر کے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچالیا۔ دیکھو درویشوں کا بکتاشی سلسلہ مصنفہ ڈاکٹر برج ص 138 مطبوعہ ہارفرو یو ایس اے 1973ء۔

ارباب علم جانتے ہیں کہ آنحضرت نے جنگ احد میں اس قسم کی کوئی دعا نہیں پڑھی۔ یہ دعا تاریخ یا سیرت یا مغازی کی کسی مستند کتاب میں مرقوم نہیں ہے علاوہ ازیں جب جنگ احد میں حضرت علیؑ از اول تا آخر حضور انور کے ساتھ رہے تو انہیں پکارنے کی ضرورت کیسے پیش آسکتی تھی۔

یہی روایت اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئی کیونکہ عقیدت میں غلو انسان کو تحقیق اور درایت دونوں سے بیگانہ کر دیتا ہے چنانہ سید مظفر علی شاہ صاحب چشتی اپنی تالیف موسومہ ''جواہر غیبی'' مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو 1887ء صفحہ 641 پر لکھتے ہیں

''در غزوہ تبوک چون لشکر اسلام شکستہ شد، حضرت سید عالم صلعم درمیان کشتگان نیہاں شد ند، جبرئیل ایں کلمات آورد:

" نا د علیاً مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب . کل ھم و غم سینجلی . بنوتک یا محمد و بولایتک کا یا علی یا علی یا علی

اللہ مصنف مرحوم کی علمی اور تاریخی لغزشوں کو معاف فرمائے ۔انھوں نے اس روایت کو زیب کتاب بناتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ غزوہ تبوک میں تو سرے سے قتال ہوا ہی نہیں اور اسی لئے مورخین اسے غزوہ نہیں کہتے ۔دراصل یہ وہی روایت ہے جو بیکتاشی سلسلہ کے صوفیوں میں سند اول ہے اور انہی کی کتابوں سے سید صاحب نے اپنی کتاب نقل کر لی ہے، خدا معلوم جنگ احد کی بجائے اپنی کتاب میں نقل کر لی ہے خدا معلوم جنگ احد کی بجائے انھوں نے غزوہ کہاں سے نقل کرلیا اور کیسے لکھ دیا ۔معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سیرۃ النبی یا تاریخ اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا تھا۔

(اسلامی تصوف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص 38-39)

یوسف سلیم چشتی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ صوفیوں میں یہ بات اسماعیلیہ کے فرقے قرامطہ نے صوفیوں کے لباس میں داخل ہو کر یہ بات پھیلائی ۔لیکن انھوں نے خود ہی اپنی کتاب میں یہ تسلیم کیا ہے کہ صوفیوں کے چار سلسلوں میں سے تین سلسلے حضرت علیؓ پر جا کر ختم ہوتے ہیں اور صرف ایک سلسلہ حضرت ابو بکر پر جا کر ختم ہوتا ہے ۔اگر چہ بعض صوفی اپنا

خرقہ آدم صفی اللہ سے آنحضرت تک اور آنحضرت سے حضرت علی تک اور حضرت علیؑ سے اپنے تک کھینچ کر لاتے ہیں اور جو حضرت علی کے زمانے سے بہت عرصہ بعد ہوئے تو وہ خواب میں حضرت علی سے خرقہ حاصل کرنا بیان کرتے ہیں ۔لہذا اسماعیلی شیعوں کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ ایسی بات گھڑ کے صفیوں میں رائج کرتے جبکہ صوفی حضرات جھوٹ گھڑنے میں سب سے زیادہ مشتاق ہیں ۔لہذا احتمانا دعلی صوفیوں ہی کی گھڑی ہوئی ہے ان کی کتابوں میں کسی نے داخل نہیں کی البتہ دوسروں نے ان کی کتابوں سے لی ہے اور اب تو ایک نا دعلی نہیں کئی نا دعلیاں رائج ہیں اور چونکہ یہ صوفیوں کی وضع کردہ اور گھڑی ہوئی ہے لہذا اس کے کوئی پاؤں نہیں ہیں چنانچہ کوئی کہتا ہے جنگ احد میں آنحضرت نے یہ کہا، کوئی کہتا ہے کہ جنگ تبوک میں ایسا کہا اور کوئی کہتا ہے جنگ خیبر میں ایسا کہا۔ جہاں تک جنگ تبوک کا تعلق ہے تو یوسف سلیم چشتی نے یہ درست کہا ہے کہ تبوک میں تو جنگ ہوئی ہی نہیں لیکن جنگ احد اور جنگ خیبر تو اسلام کی مشہور جنگیں ہیں لہذا بعض جنگ احد کے لئے اور بعض جنگ خیبر کے بارے میں بیان کرتے ہیں، شاید یہ خیبر والی روایت یوسف سلیم چشتی نے کسی سے سنی یا پڑھی نہیں ہے، خیبر کے بارے میں تو بعض لوگ بڑی طبع آزمائیاں کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جس وقت آنحضرت نے خیبر کے لیے روانگی اختیار کی اس وقت حضرت علیؑ کی آنکھیں دکھنے آئی ہوئی تھیں لہذا آنحضرتؐ حضرت علیؑ کو مدینے ہی چھوڑ گئے جب خیبر میں اصحاب ناکام لوٹ کر آتے رہے تو اس وقت آنحضرتؐ نے نا دعلی پڑھی اور حضرت علیؑ آنکھیں دکھنے کے باوجود فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر تقریباً 80 میل کا فاصلہ طے کر کے خیبر پہنچ گئے اور آنحضرت نے حضرت علیؑ کی آنکھوں کو لعاب دہن لگایا اور وہ اچھی ہو گئیں ۔ ہمارے ایک شاعر نے خیبر میں آنحضرت کے حضرت علیؑ کو پکارنے کو نظم کر کے خوب داد حاصل کی چنانچہ ان کا شعر اس طرح ہے۔

ہم نے کہا تو موردِ الزام ہو گئے
خیبر میں خود نبی نے کہا یا علیؑ مدد

اور اس شعر کا جواب شعر میں اسطرح دیا جا سکتا ہے کہ

تہمت ہے یہ نبی پہ سراسرا ے بے خبر
خیبر میں کب نبی نے کہا یا علیؑ مدد

میں حیران ہوں ان لوگوں کی یہ بات جان کر جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت جنگ خیبر کے لئے جاتے وقت حضرت علیؑ کو مدینہ ہی چھوڑ گئے حالانکہ یہ مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ وہ لشکر جو خیبر کے لیے مدینہ سے روانہ ہوا اس کے علمدار لشکر حضرت علی ابن ابی طالبؑ تھے۔ دوسرے کوئی جبرئیل جو جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق میں اصحاب کے حوصلے سے دیکھ چکا تھا اور ان کے فرار ہونے کے نظارے کر چکا تھا ایسے جرار کو مدینے چھوڑ کر نہیں جا سکتا ہے، جب کہ حکم خدا سے 14 ہزار یہودیوں کے مقابلہ میں ان چودہ سو اصحاب کو ساتھ لے جانے کا حکم تھا جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کی تھی اور بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت علیؑ کی اس وقت آنکھیں دکھنے آئی ہوئی تھیں تو آنحضرت نے وہ تھوک جو خیبر میں دوسروں کی پے در پے ناکامیوں کے بعد نادعلی پڑھ کر حضرت علیؑ کے آنے پر لگایا وہ ابھی چلتے وقت لگایا جا سکتا تھا۔ یہ بات نہیں ہے سوائے اس کے کہ حضرت علیؑ جو اس لشکر کے علمدار کی حیثیت سے روانہ ہوئے تھے ان کی جگہ کسی علمدار کی گنجائش نکالی جائے اور ہمارے شعراء ایک غلط بات پر لٹو ہو گئے اور حضرت علیؑ کے علمدار لشکر ہو کر نہ جانے کی گنجائش کو واضح طور پر تسلیم کر لیا اور اسی طرح مخالفین علیؑ کا محمد بن سلمہ کو مرحب کا قاتل اور خیبر کا فاتح قرار دیتا ہے یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں جنگ خیبر کے حالات پر کچھ روشنی ڈالیں تا کہ قرآن وحدیث سے جو

بات ثابت ہے وہ منظر عام پر آجائے۔

جنگ خیبر قرآن وحدیث وتاریخ کی روشنی میں

یہودی اسلام کے ازلی دشمن تھے اور مسلمانوں کے ساتھ میثاق مدینہ اور دفاعی معاہدہ کرنے کے باوجود قریش کا ساتھ دیتے رہے اور جنگ خندق میں کھل کر سامنے آگئے لہذا خدا نے یہودیوں کی قوت کو ختم کرنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ کفار قریش کو یہودیوں کی مدد کرنے سے دور رکھا جائے چنانچہ خدا نے اس مقصد کے لئے جانتے بوجھتے یہ حکم دیا کہ وہ عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے جائیں، جب پیغمبر نے عمرہ کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا تو اکثر لوگ اس خیال سے کہ کفار قریش جو مدینہ پر چڑھ چڑھ کر آرہے ہیں اور اب تک مدینہ میں تین جنگیں لڑ چکے جب انہیں مکہ میں اپنے گھر پر موجود پائیں گے تو ان کا محاصرہ کر کے انھیں ختم کر ڈالیں گے وران میں سے کوئی زندہ بچ کر واپس نہ آئے گا۔ لہذا پیغمبر کے ساتھ صرف چودہ سو یا بعض روایات کے مطابق سولہ سو مسلمان عمرہ کے لیے پیغمبرؐ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب حدیبیہ تک پہنچے تھے کہ کفار مکہ مسلمانوں کے عمرہ کرنے میں مانع ہوئے جیسا کہ قرآن کہتا" **هم الذين كفروا و صدكم عن المسجد الحرام و الهدى معكوفاً ان يبلغ محله،وولا رجال مومنون و نساء مومنت لم تعلموهم ان تطئوهم فتصيبكم معرة بغير علم،ليدخل الله في رحمت من يشاء ، تو تزيلوا لعذبنا الذين كفروا منهم عذابا اليما"۔** الفتح۔25

ترجمہ: وہ ایسے لوگ جو کافر ہوگئے ہیں (انھوں نے) تمہیں مسجد الحرام (کی زیارت) سے روکا ہے، تمہاری قربانیوں کے قربان گاہ تک پہنچنے سے مانع ہوئے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ صاحب ایمان مرد اور عورتیں (جو وہاں رہتے ہیں) تمہاری بے خبری میں پاؤں

تلے روندے جائیں گے اور اس طرح سے ایک عار اور عیب لاشعوری طور پر تمہیں لگ جائے گا (تو اللہ ہرگز اس جنگ سے مانع نہ ہوتا) مگر جنگ سے روکنے) کا مقصد یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور اگر مومنین اور کفار مکہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تو ہم کافروں پر دردناک عذاب نازل کرتے"

اس آیت سے ثابت ہے کہ خدا نے یہ جنگ خود روکی اور وجہ اس کی یہ تھی کہ جنگ کی صورت میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا اور مکہ میں رہنے والے مسلمان بے خبری میں مارے جاتے اس سے ثابت ہوا کہ صلح کا حکم خود خدا نے پیغمبرؐ کو دیا تھا لہذا جن لوگوں نے صلح حدیبیہ کے دن پیغمبرؐ کی مخالفت کی اسے بشری حیثیت کے کام میں مداخلت قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ پیغمبر کے کار رسالت میں مخالفت تھی اگر بشری حیثیت سے بھی پیغمبر جو حکم دے اس کی مخالفت جائز نہیں ہے اور چونکہ مسلمانوں نے کفار سے جنگ کرنے اور فرار نہ کرنے کے معاہدہ کے طور پر پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جس سے کفار کے دلوں پر رعب بیٹھ گیا اور وہ صلح پر آمادہ ہو گئے لہذا خدا نے مسلمانوں کی پیغمبرؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے خوش ہو کر فتح خیبر کی خوشخبری اور کثیر مال غنیمت حاصل کرنے کی خوشخبری سنائی اور ارشاد فرمایا

لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبایعنوک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثا بھم فتحاً قریباً و مغانم کثیرہ یا خذونھا ، و کان اللہ عزیز حکیماً، وعد کم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہ و کف ایدی الناس عنکم و لتکون آیۃ للمومنین و یھدیکم صراطاً مستقیماً

(الفتح 18 تا 20)

اللہ ان مومنین سے جنہوں نے درخت کے نیچے تیری بیعت کی تھی راضی اور خوش ہوا اور اللہ اس کو جو ان کے دلوں میں تھا جانتا تھا لہذا اس نے ان کے دل پر سکون واطمینان

نازل کیا اور اجر و پاداش کے عنوان سے ایک نزدیکی فتح (خیبر کی) نصیب فرمائی اور بہت سے غنائم جسے وہی حاصل کرینگے اور اللہ عزیز و حکیم ہے، اللہ نے بہت سے غنائم کا تم سے وعدہ فرمایا ہے جو تم حاصل کرو گے لیکن ان میں سے یہ ایک تمہارے لئے جلدی فراہم کر دی ہے اور لوگوں (دشمنوں) کے دست ظلم کو تم سے روک دیا ہے تا کہ یہ مومنین کے لیے ایک نشانی ہو اور تمہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرے۔

ان آیات میں خدا نے صلح حدیبیہ کے دن بیعت کرنے والوں سے خوش ہوکر ایک نزدیکی فتح خیبر اور بہت سا مال غنیمت حاصل کرنے کی خوشخبری سنائی اور یہ کہا کہ

" و مغانم کثیرة یاخذونها "

اور بہت سال مال غنیمت جسے صرف وہی حاصل کریں گے یعنی خیبر کا مال غنیمت صرف پیغمبرؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ان 1400 اصحاب کے لئے ہی ہے اور کوئی اس میں حصہ دار نہ ہوگا اور اس صلح کو یہ کہا کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے دست ظلم کو تم سے روک دیا کیونکہ اس صلح کی شرائط میں سے پہلی شرط یہ تھی کہ آئندہ فریقین ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنے سے باز رہیں گے اس طرح انھیں یہودیوں کی مدد کرنے سے بھی روک دیا اور مدینہ کی طرف واپسی کے وقت راستے میں ہی پہلے تو اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر کیا اور یہ کہا کہ

" وا نا فتحنا لک فتحاً مبیناً "

ہم نے صلح حدیبیہ کے ذریعہ تمہیں فتح مبین عطاء کی اور پھر یہ بتلایا کہ مدینہ جا کر وہ لوگ جو تمہارے ساتھ نہیں آئے تھے ساتھ نہ آنے کے سلسلے میں جھوٹے عذرات پیش کریں گے چنانچہ حکایتاً کہتا ہے کہ

" سیقول لک المخلفون من الاعراب شغلتنا اموالنا و اھلونا نا

ستغفرلنا . یقولون بالسنتھم ما لیس فی قلوبھم (الفتح۔11)

عنقریب وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے اور تمہارے ساتھ عمرہ بجالانے کے لئے ساتھ نہیں آئے تھے عذر تراشی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارے اموال اور گھر والوں کی حفاظت نے ہمیں اپنی طرف مشغول رکھا اور ہم سفر حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نہ جا سکے۔ پس آپ ہمارے لئے طلب مغفرت کیجئے یہ اپنی زبان سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دل میں نہیں تھی"۔

اس کے بعد خدا وہ بات بتلاتا ہے جو ان کے دل میں تھی اور وہ یہ تھی

بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمومنون الی اھلیھم ابداً وزین ذالک فی قلوبکم و ظننتم ظن السوء و کنتم قوماً بورا" (الفتح۔12)

بلکہ تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ پیغمبر اور مومنین ہرگز اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہ غلط خیال تمہارے دلوں میں زینت پا گیا تم نے بدگمانی سے کام لیا اور آخر کار تم ہلاک ہوئے۔

اس کے بعد راستے ہی میں خبر دیتا ہے کہ جب تم خیبر کی طرف روانہ ہوگے تو وہ بھی مال غنیمت کے لالچ میں تمہارے ساتھ چلنا چاہیں گے لیکن انھیں ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہے چنانچہ اس مضمون کو اس طرح سے بیان کرتا ہے۔

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم، یریدون ان یبدلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذالک قال اللہ من قبل فسیقولون بل تحسدوننا، بل کانوا لا یفقھون الا قلیلاً (الفتح15)

جب تم آئندہ چل کر مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے روانہ ہوگے تو پیچھے رہ جانے والے کہیں گے ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دیں تا کہ اس جہاد میں شرکت کریں وہ یہ

چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں ۔ کہہ دو تمہیں ہرگز ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے ۔ اللہ نے پہلے ہی کہہ دیا ہے لیکن عنقریب وہ یہ کہیں گے کہ تم ہمارے بارے میں حسد کر رہے ہو، لیکن وہ اس بات کو سمجھتے ہیں نہیں مگر بہت کم ۔

کتنی واضح آیات ہیں یہ ۔ جو یہ کہتی ہیں کہ خیبر کی فتح میں جو مال غنیمت حاصل ہوگی وہ صرف پیغمبر کے ہاتھ پر یوم صلح حدیبیہ کرنے والوں کے لئے ہے

دوسرے ساتھ چلنا چاہیں گے مگر ان کے لئے چلنے کی خدا کی طرف سے اجازت نہیں ہے ۔ خدا کہتا ہے کہ یہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں یہ اللہ کے وعدہ کو غلط ٹھہرانا چاہتے ہیں جبکہ میں پہلے سے یہ کہہ چکا ہوں کہ یہ مال غنیمت صرف ان بیعت رضوان کرنے والوں کے لئے ہے ۔

یہودی تعداد میں چودہ ہزار ہیں چھ ہزار بنی غطفان علیحدہ ہیں مگر خدا کہہ رہا ہے کہ صرف یہی چودہ سو جائیں گے وہ مال غنیمت صرف انہی کو ملے گا ۔ دوسرا کوئی جانا بھی چاہتے تو اسے خدا کی طرف سے جانے کی اجازت نہیں ہے ۔ چودہ ہزار کے ساتھ چودہ سو کا مقابلہ اور چودہ سو بھی وہ جنہیں خدا اور اس کا رسول بدر میں، احد میں اور خندق میں آزما چکا ہے ہے ان حالات میں اسی کو پیچھے چھوڑ جائیں جو بدر کا فاتح تھا، جو احد کا فاتح تھا جو خندق کا فاتح تھا ۔ کیا کوئی سپہ سالار ایسی غلطی کر سکتا ہے ۔ یہ بات ان لوگوں نے تو اسی لئے گھڑی تا کہ علیؑ کے سوا دوسرے کو علمبرداری لشکر سپرد کر سکیں اور ان لوگوں نے اس لئے مان لیا تا کہ صوفیوں کے نادعلی پڑھنے سے علی کو مدینے سے گھوڑے پر سوار کرا کر خود جبرئیل پہنچا سکیں اور کہہ سکیں کہ

ہم نے کہا تو موردِ الزام ہو گئے
خیبر میں خود نبی نے کہا یا علیؑ مدد

یہ بات یاد رکھی اہے کہ تاریخوں میں صرف حضرت علی کے آشوب چشم یعنی آنکھیں دکھنے کا ہی بیان نہیں ہے بلکہ خود آنحضرت کو بھی دردشقیقہ ہوگیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ محاصرہ 40 دن تک جاری رہا اور آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ حسب دستور میدان میں موجود رہتے تھے لہذا 38 تا 39 دن، راتوں کو محاصرہ کی نگرانی کی وجہ سے آنحضرت کو درد شقیقہ ہوگیا اور حضرت علی کی آنکھیں دکھنے آگئیں اور دونوں اپنے اپنے خیمے میں آرام کرنے کے لئے چلے گئے ایسے میں کچھ اصحاب نے قلعہ قموص پر حملہ کرنے کی ٹھان لی چنانچہ طبری نے اس کا حال اسطرح لکھا ہے

" لهن من لهن من الناس فلقوا اهل خيبر فانكشف عمر واصحابه فرجعوا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم . يجتبه اصحابه و يجنبهم "

تاریخ طبری 22 ص 300

"یعنی حضرت عمر کچھ لوگوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور خیبریوں سے مڈبھیڑ ہوتے ہی حضرت عمر اور ان کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور رسول اللہؐ کے پاس واپس چلے آئے اس موقع پر فوج والے کہتے تھے کہ عمر نے بزدلی دکھائی اور عمر کہتے تھے کہ فوج بزدل نکلی"

پیغمبر اکرمؐ کے دردسر میں کچھ کمی ہوئی تو خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس شکست و ہزیمت سے فوج میں بددلی پھیلی ہوئی دیکھی تو فتح کی نوید دیتے ہوئے وہ حدیث شریف بیان فرمائی جو ہم سابقہ صفحات میں "پروفیسر سلیم چشتی کا حضرت علیؑ سے بغض وعناد اور فتح خیبر کا بیان" کے عنوان کے تحت صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، ابن ماجہ سمیت حدیث کی تقریباً چودہ معتبر کتابوں کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں جو اسطرح ہے کہ

لاعطين الرايه غدا رجلا يفتح الله على يده يحب الله رسوله و يحبه الله و

رسولہ۔ متفق علیہ بخاری مترجم ب 14 ص 99-100

یعنی ضرور ضرور کل میں یہ علم اس مرد کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالی فتح کریگا اور وہ خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔

حدیث کی کتابوں کے علاوہ معتبر تاریخوں کے حوالے بھی مذکورہ عنوان کے تحت ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

یہ اعلان ایسا تھا کہ ہر ایک کے دل میں علم کے ملنے کی آرزو پیدا ہوگئی چنانچہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ " رجا کل واحد منهم ان یکون صاحب ذالک"

تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 149

قریش میں سے ہر ایک یہ امید رکھتا تھا کہ یہ علم اسی کو ملے گا

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ

"فغدوا علی رسول الله کلهم یرجون ای یعطاها " صحیح بخاری جلد ص 515

وہ صبح ہی صبح رسول اللہ کے پاس جمع ہوگئے اور ہر ایک یہ امید لگائے ہوئے تھا کہ علم اسی کو ملے گا۔

اور ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے

فما احببت الامارة قبل یومئذفتطاولت لها واستغشرقت رجاء یدفعها الی

طبقات ابن سعد جلد 2 ص 48

سیرت المومنین ص 264

حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ مجھے اس دن سے پہلے کبھی سرداری کی خواہش نہیں ہوئی مگر اس دن میں اونچا ہو کر اور گردن لمبی کر کے امید کر رہا تھا کہ علم مجھے دیں گے۔

لیکن پیغمبر اکرمؐ نے مجمع پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ علیؑ کہاں ہیں ہر طرح سے شور اٹھا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں فرمایا کہ انہیں بلاؤ چنانچہ سلمہ ابن اکوع گئے اور انہیں لے کر آئے آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن لگایا اور ان کے لئے فتح و نصرت کی دعا کی اور حضرت علیؑ قلعہ خیبر فتح کر کے واپس لوٹ آئے۔ حوالے سابقہ عنوان میں درج ہیں۔ لیکن یوسف سلیم چشتی یہ کہتے ہیں کہ مرحب کو محمد ابن سلمہ انصاری نے قتل کیا اور یہ روایت جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت ہے جو خیبر میں موجود نہ تھے۔ محمد ابن سلمہ میں کوئی اور خوبی ہو یا نہ ہو لیکن ایک بات ان کی خصوصیت میں شمار ہونے کے لائق ہے کہ انھوں نے چوتھے نمبر بھی حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ پیغمبر فتح خیبر کے بارے میں کہہ رہے ہیں یفتح اللہ علی یدیہ (صحیح بخاری) کہ خدا علیؑ کے ہاتھوں پر خیبر کو فتح کرے گا۔ کیا محمد ابن سلمہ کو فاتح خیبر کہنے سے رسول کی تکذیب لازم نہیں آتی ؟ کہ پیغمبر جس کے ہاتھ پر فتح کی نوید دیں وہ تو فاتح نہ ہو اور اس کے بجائے دوسرا فاتح ہو جائے مگر ان معاند میں علیؑ کے لئے پیغمبرؐ کی تکذیب ہو تو ہوتی رہے کسی طرح علیؑ کی فضیلت ثابت نہ ہو جائے۔

بہر حال نصف النہار پر چمکتے ہوئے سورج کی موجودگی میں دن کو رات کہنے سے دن رات نہیں بن سکتا اور قرآن و حدیث و تاریخ کی مستند روایات کے ہوتے ہوئے حضرت علیؑ کی بجائے محمد بن سلمہ کو مرحب کا قاتل اور خیبر کا فاتح نہیں بنایا جا سکتا اور چونکہ حضرت علیؑ خیبر کی طرف جانے والے لشکر کے علمدار کی حیثیت سے گئے تھے لہذا خیبر میں نادعلی پڑھ کر بلانے کا افسانہ غلط ہے اور یہ نادعلی صوفیوں کی ہی گھڑی ہوئی ہے۔

اب رہ گئی جنگ احمد میں نادعلی پڑھ کر بلانے کی بات تو یوسف سلیم چشتی کا یہ کہنا تو درست ہے کہ حضرت علیؑ میدان احد میں موجود تھے لہذا انھیں بلانے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ جنگ احد میں پہلے مرحلہ پر کامیابی حضرت علیؑ کی جانثاری کے نتیجہ میں ہی ہوئی تھی

جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے۔

"کان الذی قتل اصحاب اللواء علی" (تاریخ کامل جلد2 ص 103)

"جس نے علمداران لشکر کو قتل کیا وہ علیؑ تھے۔

اور پہلے مرحلہ میں لشکر کفار کی پسپائی علمداران لشکر کے مارے جانے کی وجہ سے ہی ہوئی تھی۔ لہذا حضرت علی کے میدان احد میں موجود نہ ہونے کی بات تو غلط ہے البتہ پہلے مرحلہ میں کامیابی کے بعد، جب کفار پسپا ہو گئے اور مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور درے میں کھڑے ہوئے تیر اندازوں نے درے کو خالی چھوڑ دیا جیسا کہ طبری نے لکھا ہے کہ

"حبلوا یقولون الغنیمة الغنیمة فقال عبدالله مهلا اما علتم ما عهد الیکم رسول الله صلی الله علیه وسلم فابوا فانطلقو" (تاریخ طبری 22 صفحہ 193)

یعنی وہ لوگ غنیمت غنیمت پکارنے لگے عبداللہ نے کہا ٹھہرو کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں ہے مگر انھوں نے ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور مال غنمیت لوٹنے کے لیے چل دیئے ادھر میدان میں مال غنیمت لوٹنے والے دشمن کی طرف سے غافل ہو گئے اور دوسری طرف درہ بھی خالی ہو گیا تو خالد ابن ولید نے درے کو خالی دیکھ کر دو سو آدمیوں کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا درہ میں عبداللہ کے ساتھ جو کچھ آدمی باقی رہ گئے تھے وہ دو سو آدمیوں کا کیا مقابلہ کرتے آخر کار شہید ہو گئے۔ خالد کے اس کامیاب حملہ کو دیکھ کر بھاگنے والے کفار بھی پلٹ آئے مسلمان حملہ سے بے خبر مال غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے کہ ایک طرف سے پسپا ہونے والی فوج اور دوسری طرح سے خالد کے دستے نے گھیراؤ ڈال لیا۔ جنگ کا نقشہ بدل گیا جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی کچھ مسلمان شہید ہو گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑ پر چڑھ کر پناہ

لی۔قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے

" اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم"

"جب تم پہاڑ پر چڑھے جارہے تھے اور رسول تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا مگر تم کسی کو مڑ کو بھی نہ دیکھتے تھے"

محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے جو اس طرح سے ہے کہ

"تفرقنا عن رسول اللہ یوم احد فصعدت الجبل"

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ہم احد کے دن رسول اللہ سے الگ ہو گئے اور میں پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا۔

طبری نے کفار کے حملہ کے بعد لشکر اسلام کی افراتفری کا حال اسطرح لکھا ہے

" تفرق عنہ اصحابہ و دخل بعضھم المدینۃ و انطلق فوق الجبل الی الصخرۃ فقاموا علیھا و جعل رسول اللہ یدعوا لناس الی عباد اللہ الی عباد اللہ" تاریخ طبری جلد 2 ص 201

آنحضرت کے اصحاب آپ کو چھوڑ الگ ہو گئے ان میں سے کچھ مدینہ پہنچ گئے کچھ پہاڑ کے اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئے اور وہیں پر ڈیرے ڈال دیئے۔پیغمبر خدا انھیں پکارتے تھے اے بندگان خدا میرے پاس آؤ۔اے اللہ کے بندو میرے پاس آؤ۔

طبری کی یہ روایت قرآن کریم کے بالکل مطابق ہے۔

علامہ طبری نے چٹان پر بیٹھنے والوں میں حضرت عمر اور طلحہ ابن عبید اللہ کا خصوصیت سے نام لیا ہے اور ان کی باہمی گفتگو بھی درج کی ہے جس سے ان خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے جن میں وہ غلطاں و پیچاں تھے وہ لکھتے ہیں

" قال بعض اصحاب الصخرة لیت لنا رسولاً الی عبداللہ ابن ابی فیاخذ لنا امنة ۔ من ابی سفیان یا قوم ان محمد اُقد قتل فارجعوا الیٰ قومکم قبل ان یاتوکم فیقتلوکم" تاریخ طبری ج2 ص 201

سیرت المومنین مفتی جعفر حسین 215

یعنی چٹان پر بیٹھنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کاش کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ ابن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابوسفیان سے امان کی درخواست کرتا۔ اے لوگوں محمد تو قتل ہوگئے اب اپنی قوم قریش کی طرف واپس چلو قبل اس کے کہ وہ آئیں اور تمہیں قتل کردیں۔

اور قرآن نے انہیں لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے

" افا ن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم و من ینقلب علی عقیبیه فن یضر اللہ شیئاً سیجزی اللہ الشاکرین "

"یعنی اگر پیغمبر (اپنی موت) مر جائیں یا قتل کردیے جائیں تو کیا تم الٹے پیروں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور یہ جو الٹے پاؤں پلٹے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور خدا جلد ہی شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔

اور خداوند تعالیٰ احد کی حزیمت کے بعد کی ایک حالت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے

" ثم انزل علیکم من بعد الغم امنه نعاساً یغشیٰ و طائفة قد اهمتهم انفسهم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاهلیة" (آل عمران 154)

"پھر (احد کی حزیمت کے) غم واندوہ کے بعد امن وآرام کا تم پر سایہ نازل کیا، اور یہ ایک اونگھ کی صورت میں تھا (واقعہ احد والی رات میں) تم میں سے ایک گروہ کو عارض

ہوئی تھی ۔لیکن ایک دوسرے گروہ کو اپنی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی اور انھیں نیند نہیں آئی تھی ۔
وہ لوگ خدا کے بارے میں (بھی) زمانہ جاہلیت کے سے برے گمان کر رہے تھے ۔

اس خونیں معرکے میں دو عورتوں کا کردار نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ایک ام عمارہ جن کا شوہر اور بیٹا دونوں اس جنگ میں شہید ہو گئے ۔اس خاتون نے جب یہ دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام تیروں کی زد میں ہیں تو آنحضرتؐ کے آگے کھڑی ہو گئی اور تیروں کو اپنے سینے پر روک کر پیغمبرؐ کا بچاؤ کرتی رہیں اور دوسری خاتون ام ایمن ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو جنگ سے پیٹھ پھرا کر بھاگتے ہوئے دیکھا تو ان کی غیر ایمانی جوش میں آئی اور تون کا کوئی بس نہ چلا مٹی اٹھا کر ان کے چہروں پر پھینکتی جاتی تھیں اور یہ کہتی جاتی تھیں

" ھاک المغزل فاعزل بہ و ھلم السیف " سیرت حلبیہ ج2 ص 252

سیرت امیر المومنین مفتی جعفر ص 216

یعنی لے یہ تکلا لیتا جا اور گھر میں بیٹھ کر سوت کاتا کر اور اپنی تلوار مجھے دیتا جا ۔

اس میں شک نہیں کہ یہ جیتی ہوئی جنگ مسلمانوں کی بے تدبیتی کی وجہ سے ایک دفعہ شکست میں بدل گئی اور 70 آدمی اس جنگ میں شہید ہوئے جن میں 67 کے قریب انصار تھے اور تین آنحضرتؐ کے قریبی رشتہ دار تھے جن میں آنحضرتؐ کے چچا حضرت امیر حمزہ اور حضرت مصعب ابن عمیر جن کی شکل کچھ آنحضرت سے ملتی تھی ان کو ہی قتل کرنے کے بعد دشمن نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ "قد قتل محمد" یعنی محمد قتل ہو گئے جنگ احد میں کچھ ایسے جاں نثار اور وفادار بھی تھے جنہوں نے میدان نہیں چھوڑا حضرت ابو دجانہ انصاری تیروں کو اپنے اوپر جھیلتے رہے اور جب تک زندہ رہے اپنے جسم پر تیر کھاتے رہے اور آنحضرتؐ کے قدموں پڑ کر جان دی ۔حضرت مصعب ابن عمر آنحضرت کا دفاع کرتے ہوئے ہی شہید ہوئے ۔
اس جنگ میں جو لوگ ثابت قدم رہے ان کی وجہ سے ہی احد میں جنگ نے مکمل شکست کی

صورت اختیار نہیں کی ابن سعد لکھتے ہیں

"وکان علی لمن ثبت مع رسول الله یوم احد حین انھزم الناس بالیه علی الموت" (طبقات ابن سعد جلد 3 ص 23)

احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؑ رسول اللہؐ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور انھوں نے موت پر پیغمبر کی بیعت کی تھی

اس جنگ میں بہت سے اصحاب پیغمبر زخمی بھی ہوئے حضرت علیؑ اس غزوہ میں جس پامردی و ثبات قدمی سے لڑے وہ اسلامی جہاد کا ایک عظیم نمونہ اور تاریخ کا ایک مثالی کارنامہ ہے آپ اس وقت جب کہ دشمن کی یورش سے گھبرا کر لشکر کے قدم ڈگمگا گئے تھے تن تنہا دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور اپنے زور بازو سے ان کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روک کر اسلام اور بانی اسلام کا تحفظ کرتے رہے اور جب تک معرکہ کارزار گرم رہا ایک لمحہ کے لئے نہ ہاتھ قبضہ شمشیر سے الگ ہوا اور نہ پائے عزو ثبات کو جنبش ہوئی حالانکہ پے در پے حملوں سے نڈھال اور تیروں اور تلواروں کے وار سے گھائل ہو چکے تھے علامہ سیوطی نے لکھا ہے

"اصابت علیاً یوم احد ست عشر ضربة" تاریخ الخلفاء ص 114

سیرۃ المومنین مفتی جعفر ص 217

"احد کے دن حضرت علیؑ کو تلوار کی سولہ ضربیں لگیں پس جتنے اصحاب ثابت قدم رہے وہ شہید ہوئے یا زخمی ہوئے ان سب نے پیغمبر صلعم کا حق خدمت و نصرت ادا کیا جو ہر مسلمان پر واجب تھا۔ اور پیغمبرؐ کے چار دانتوں کے شہید ہونے کا واقع اس وقت پیش آیا جب حضرت علیؑ میدان جنگ میں معروف پیکار تھے کہ مشرکین نے پیغمبرؐ پر ہجوم کیا ایسے میں انصار کے چند آدمی آگے بڑھ کر درمیان میں حائل ہو گئے انصار کو دیکھ کر کفار پیچھے ہٹ اور

مفتون ہیں''

یہی چیز تھی وہ جس نے آئمہ اہل بیت کے مقابلہ میں آئمہ فقہ کو اٹھایا۔

یعنی منصور عباسی لوگوں کو امام جعفر صادقؑ پر مفتون ہونے کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ سمجھتا تھا اور یہ امام ابو حنیفہ وہ ہیں جن کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب تحفہ اثناء عشریہ میں یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کہا کرتے تھے کہ " **لولا السنتان لھلک النعمان** "یعنی اگر دو سال میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں نہ گذارے ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا"

اور یہ امام ابو حنیفہ ہیں جن کے بارے میں مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں یہ لکھا ہے کہ:

''امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل وکمال میں ان کو حضرت صادقؑ سے کیا نسبت، حدیث، فقہ، بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں اور گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے'' سیرۃ النعمان شبلی ص 39

اس بات کے باوجود کے امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے اور خود ان کے کہنے کے مطابق انھوں نے دو سال تک امام جعفر صادق علیہ السلام کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا تھا اور وہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام کو دنیا میں سب سے زیادہ افقہ سمجھتے تھے اور اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں تھا کہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں اور ان کے مقابلہ میں دنیا کو کوئی شخص فضل وکمال میں بڑھ کر نہیں تھا لیکن پھر بھی: ''فقہ حنفی کو ملک کا قانون بنا دیا گیا'' (خلافت وملوکیت ص 280)

احکام شریعت کے حصول کا سر چشمہ

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام صلعم کے زمانے وہ تمام امور جن پر

تھوڑے فاصلہ پر تیر برسانے لگے ابو دجانہ انصاری تیروں کی بوچھاڑ میں پیغمبرؐ کے سینہ سپر بن گئے اور آنحضرت پر جھک کر اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے اور پیغمبر کے قریب ہی مصعب ابن عمیر بھی دشمن کے حملوں کو روک رہے تھے بہر حال ان ثابت قدم رہنے والوں نے پورا پورا حق خدمت ونصرت ادا کیا لہٰذا حضرت علی سمیت مذکورہ 70 شہداء کی نصرت وخدمت پیغمبرؐ سے انکار نہیں کیا جاسکتا جو ان پر واجب تھی۔

لیکن صوفیوں کی کتابوں میں نادعلی خود صوفیوں کی گھڑی ہوئی ہے وہ کسی اسماعیلی شیعہ نے ان کی کتابوں میں داخل نہیں کی صوفی حضرات خود اپنی خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور چونکہ خرقۂ تصوف حضرت علیؑ سے کھینچ کرلاتے ہیں لہٰذا اپنی خدائی کے لئے انھیں خدا بناتے ہیں اوران سے مدد مانگنے کو ثابت کرنے کے لئے انھوں نے نادعلی وضع کی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کہ ہم ہی نہیں بلکہ پیغمبر بھی ان سے مدد کے طلبگار تھے اورانھوں نے ہی اسے رواج دینے کے لئے اس کے خواص وضع کئے اور ضعیف الاعتقاد انسان جو ہر فریب کاری کی باتوں میں آجتے ہیں اور ہر وہ کام جس کے کرنے میں کسی نفع کی امید دلائی گئی ہو اسے نقصان سے بچنے کا کیمیائی نسخہ کہا گیا ہو کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں لہٰذا ایسی خواص سنیوں اور شیعوں کے ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے اس قبول کرنے کا سبب بنے ہیں پس صوفی، مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا سبب بنے ہیں مسلمان خواہ شیعہ ہوں یا سنی صوفیوں کو گمراہ نہیں کرسکتے تھے لہٰذا شیعہ اسماعیلیہ نے بھی ان کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ شیعوں اور سنیوں نے بہت سی گمراہ کن باتیں صوفیوں سے اخذ کی ہیں۔

شیعہ صوفیوں کو گمراہ نہیں کرسکتے تھے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صوفیاء کو تو خالص اسلام کا پیروکار بتلاتے ہیں اوران کی

کتابوں میں جو کفر اور شرک بھرا ہوا ہے اس کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ حلول و اتحاد جیسی کفر و شرک کی باتیں شیعہ اسماعیلیہ، یا شیعہ باطنیہ، اور قرامطہ نے ان کی کتابوں میں داخل کردی ہیں اسے وہ تدسیس کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کا کوئی سا بھی فرقہ صوفیوں کی کتابوں میں تدسیس نہیں کرسکتا تھا۔

چونکہ شیعوں کے بھی کئی فرقے ہیں لہذا میں ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ بیان کروں گا

سب سے پہلے اعتقادی شیعہ فرقہ اثناعشری فرقہ کی بات کرتا ہوں ان کے اصول دین پانچ ہیں اول توحید، دوسرے عدل، تیسرے نبوت، چوتھے امامت، اور پانچویں قیامت۔

اور توحید کی ان کے یہاں چار اقسام ہیں

نمبر 1: توحید ذات نمبر 2 توحید صفات نمبر 3: توحید افعال نمبر 3 توحید عبادت

پھر توحید صفات کی دو قسمیں ہیں

نمبر 1 صفات ثبوتیہ نمبر 2 صفات سلبیہ

اور صفات سلبیہ کے معنی یہ ہیں کہ ان صفات سے اللہ کی ذات پاک اور منزہ ہے یعنی یہ صفات اللہ میں نہیں ہے اور صفات سلبیہ حسب ذیل ہیں

نمبر 1: اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں نہ عباد میں

نمبر 2: وہ مرکب نہیں ہے یعنی اجزاء سے مل کر نہیں بنتا

نمبر 3: وہ مجسم نہیں یعنی جسم نہیں رکھتا

نمبر 4: حلول و اتحاد یعنی وہ کسی جسم میں نہیں سماتا

نمبر 5: وہ محل حوادث نہیں لہذا وحدت الوجود باطل ہے

نمبر 6: وہ بے نیاز ہے محتاج نہیں ہے

نمبر 7: رویت بصریہ نہیں ہے یعنی وہ دنیا اور آخرت کسی بھی جگہ ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جن کا عقیدہ یہ ہو کہ وہ ان عقائد کو صوفیوں کی کتابوں میں داخل کر دیگا۔ البتہ اگر شیعوں کی کتابوں میں کوئی ایسی بات موجود ہوت وہ کسی نہ کسی طرح صوفیوں کی طرف سے آئی ہے کیونکہ ان کے یہی عقائد ہیں مذکورہ اعتقادہ شیعہ اثنا عشری فرقے کے علاوے بعد میں جتنے بھی سیاسی شیعہ فرقے پیدا ہوئے ان میں حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کر شیعیان علی کہلانے والے اور مختار کا ساتھ دے کر کیسانیہ شیعہ کہلانے والے اور حضرت زید کا ساتھ دے کر زیدیہ شیعہ کہلانے والے تو یہ سب سیاسی شیعہ تھے اور ان میں ایسے عقائد ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے رہے اسماعیلیہ شیعہ یا باطنیہ شیعہ یا قرامطہ شیعہ وہ بہت بعد میں ہوئے اور صوفیوں کا ان سے پہلے آغاز ہو چکا تھا کیونکہ صوفی امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے فرزند اسماعیل کی طرف منسوب ہوئے لہذا اتنی آسانی کے ساتھ صوفیوں کو ان غلط عقائد سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بنی عباس کے دور حکومت میں تین نئے کام

ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ بنی عباس نے اپنی تحریک اس نعرے کے ساتھ شروع کی تھی کہ خلافت آئمہ اہل بیت کا حق ہے لیکن جب ان کی تحریک کامیاب ہوگئی تو پہلے خلیفہ عباسی ابو العباس سفاح نے اقتدار خود سنبھال لیا۔

دوسری طرف بنی امیہ اور بنی عباس کے درمیان جنگ کی وجہ سے آئمہ اہل بیتؑ کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی لہذا امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس دوران جہد بلیغ کی اور علوم دین کی نشر و اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اسی طرح آپ کے پاس

ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ رجوع کرنے لگے۔ آئمہ اہل بیت کی طرف لوگوں کے مائل ہونے کو دیکھ کر بنی عباس کے حکمران گھبرا گئے لہذا انھوں نے آئمہ اہل بیت کی طرف سے رخ موڑنے کے لئے تین نئے کام کئے

بنی عباس کا پہلا کام فلسفہ کی ترویج

بنی عباس کے بادشاہوں نے آئمہ اہل بیت سے لوگوں کو رخ موڑنے کے لئے پہلا کام یہ کیا کہ علم ودانش کے طلبگاروں کے لئے یونان سے فلسفہ کی کتابیں منگوائیں ان کے عربی زبان میں ترجمے کرائے۔ بھاری تنخواہوں پر فلسفہ پڑھانے لے لئے معلم مقرر کئے اور پڑھنے والوں شوق پیدا کرنے کے لئے وظیفے مقرر کئے تا کہ لوگ امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف جانے کی بجائے فلسفہ پڑھیں اور قرآن وحدیث پڑھنے کی بجائے افلاطون کے فلسفہ وحدت الوجود کا درس لیں۔

بنی عباس کا دوسرا کام صوفیاء کو آئمہ اہل بیتؑ کے مقابلہ میں کھڑا کرنا

بنی عباس کے حکمرانوں نے آئمہ اہل بیتؑ سے لوگوں کا رخ موڑ کے لئے دوسرا کام یہ کیا کہ زاہد نما صوفیوں کو آئمہ اہل بیت کے مقابلہ میں کھڑا کیا۔ کیونکہ لوگ آئمہ اہل بیت سے اس وجہ سے بھی متاثر ہوتے تھے کہ ایک تو ان کے پاس ان کے جد بزرگوار کے تعلیم کردہ آئندہ کے واقعات کا علم تھا لہذا جب وہ اس قسم کی خبر دیتے تھے تو لوگ اس سے متاثر ہوتے تھے دوسرے یہ حضرت عصمت کبریٰ پر فائز تھے جیسا کہ سابق میں بیان ہو چکا ہے اور زہد وتقویٰ میں کامل تھے لہذا لوگ اس وجہ سے بھی عزت کرتے تھے اور ان کے

گرویدہ تھے ۔تیسرے ان سے بعض اوقات بعض مواقع پر معجزات و کرامات کا ظہور بھی ہوتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس سے بھی متاثر ہوتے تھے لہذا بنی عباس نے صوفیا کا ایک ایسا گروہ تیار کیا جو جھوٹے کشف والہام کا دعویٰ کر کے پیش گوئیاں کرتے اور صوف کا جھوٹا موٹا لباس پہن کر ریاض غیر مشروع کر کے اپنے زہد وصبر و توکل کا ڈھنڈورا پیٹتے اور بعض جھوٹی قسم کی کرامات گھڑ گھڑ کر لوگوں میں مشہور کرتے ۔چنانچہ غلام احمد پرویز نے اپنی کتاب تصوف کی حقیقت میں بہت سے صوفیوں کی من گھڑت قسم کی کرامات کا بیان کیا ہے اور ان کی ان من گھڑت کرامات کا خوب مزاق اڑایا ہے جس کا دل چاہے وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے اس کتاب میں اب اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ان من گھڑت اور مضحکہ خیز کرامات کو نقل کیا جائے ۔بہر حال اولین صوفیا میں فضل بن عیاض ۔سفیان سوری اور ابراہیم ادھم وغیرہ حضرات امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے ہیں اور یہ حضرات صرف ترک دنیا، زہد وصبر و توکل غیر مشروع عبادتیں اور ریاضتیں من گھڑت کرامات اور جھوٹے کشف و الہام تک محدود رہے ۔

بنی عباس کا تیسرا کام آئمہ اہل بیت کے مقابلہ میں آئمہ فقہ کھڑے کرنا

بنی عباس کے حکمرانوں کا آئمہ اہل بیت سے لوگوں کا رخ موڑنے کے لئے تیسرا کام یہ ہے کہ انھوں نے آئمہ اہل بیت کے مقابلہ میں آئمہ فقہ کو کھڑا کیا بنی امیہ کے دور میں آئمہ اہل بیت سے لوگوں کا رخ موڑنے کے طریقے دوسرے تھے لہذا انھیں آئمہ اہل بیت کے مقابلہ میں دوسرے امام کھڑے کرنے کی ضرورت نہیں پڑی لیکن بنی عباس کے حکمران ان طریقوں کو اختیار نہیں کر سکتے تھے ۔پس انھوں نے یہ کام آئمہ اہل بیتؑ کے مقابلہ میں

دوسرے امام کھڑے کر کے کیا چنانچہ آئمہ اربعہ بنی عباس کے ابتدائی دور ہی کی پیداوار ہیں۔

مولانا مودودی اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں طبری جلد 2 ص 238 اور البدایہ والنہایہ جلد 1 صفحہ 97 کے حوالے سے امام ابوحنیفہ کی معاش کا ذکر اور کاروبار تجارت میں ان کے تجربے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''مالی وتجارتی معاملات کے متعلق اس وسیع تجربے نے ان کے اندر قانون کے بہت سے شعبوں میں وہ بصیرت پیدا کردی۔ جو صرف علمی حیثیت سے قانون جاننے والوں کو نصیب ہوئی۔ فقہ اسلامی کی تدوین میں اس تجربے سے ان کو بڑی مدد ملی۔ ان کے علاوہ دینوی معاملات میں ان کی فراست ومہارت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ جب (145ھ 762ء) میں المنصور نے بغداد کی تعمیر کا آغاز کیا تو ابوحنیفہ ہی کو اس کی نگرانی پر مقرر کیا اور چار سال تک وہ اس کے نگران اعلیٰ رہے۔ خلافت وملوکیت ص 227 بحوالہ طبری والبدایہ والنہایہ

منصور کی طرف سے امام ابوحنیفہ کے امام جعفر صادقؑ کو خجل کرنے کی کوشش

آغا سلطان مرزا اپنی کتاب ''نورالمشرقین'' میں ''جامع مسانید ابی حنیفہ'' سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''جامع ابی حنیفہ تالیف ابی المویدمحمد بن محمود الخوارزمی میں مندرجہ ذیل روایت پائی جاتی ہے، جو حسن بن زیاد سے مروری ہے وہ کہتا ہے

''میں نے ابوحنیفہ سے سنا جب ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ آفقہ تم نے کس کو پایا انھوں نے جواب دیا کہ امام جعفر ابن محمد الباقرؑ کو، اور پھر یہ

قصہ بیان کیا کہ جب امام جعفر بطلب منصور کوفہ میں تشریف لائے تو حیرہ میں قیام فرمایا۔ منصور نے مجھ سے کہا: اے ابو حنیفہ دیکھتے ہو تم یہ لوگ کس طرح اس شخص پر مفتون ہیں ہم چند مشکل اور دقیق مسائل تیار کرو تاکہ دربار میں تم ان کو تخجل کر سکو۔ میں نے مختلف مسائل تیار کیے۔ منصور کا آدمی جب مجھے بلانے آیا تو میں دربار میں گیا وہاں امام جعفر منصور کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ کو دیکھ کر میرے اوپر رعب چھا گیا۔ ایسا رعب کبھی منصور کا بھی مجھ پر غالب نہ ہوا تھا۔ منصور نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور امام سے کہا یہ ابو حنیفہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں جانتا ہوں پھر مجھ سے کہا کہ اے ابو حنیفہ جعفر سے سوال کرو۔ میں ایک ایک مسئلہ پوچھتا تھا اور وہ جناب ہر ایک کا جواب دیتے تھے کہ اس میں یہ قول تمہارا ہے۔ یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ہم یہ کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کل چالیس مسئلوں کے جوابات ارشاد فرمائے۔ (نور المشرقین من حیات الصادقین ص 578)

(بحوالہ جامع مسانید ابی حنیفہ تالیف ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی)

امام ابو حنیفہ اپنے اس بیان میں تسلیم کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ دنیا میں سے زیادہ افقہ تھے۔ امام ابو حنیفہ تسلیم کرتے ہیں کہ منصور نے انھیں بھرے دربار میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو تخجل کرنے کے لئے مامور کیا تھا۔ اور امام جعفر صادقؑ کو امام ابو حنیفہ کے ذریعہ اس لئے تخجل کرنا چاہتا تھا تاکہ بھرے دربار میں امام ابو حنیفہ کی برتری ثابت کر سکے اور لوگوں کو امام ابو حنیفہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینے میں آسانی ہو اور امام ابو حنیفہ کو وہ امام جعفر صادقؑ کے مقابلہ میں اس لئے لا رہا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ لوگ امام جعفر صادقؑ کے گرویدہ ہیں اور مفتون ہیں جو اس کے اس قول سے ثابت ہے جسے امام ابو حنیفہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"منصور نے مجھ سے کہا اے ابو حنیفہ دیکھتے ہو تم یہ لوگ کس طرح اس شخص پر

عمل کرنا واجب تھا احکام شریعت کہلاتے تھے اور ان کا واحد سر چشمہ پیغمبر اکرم صلعم کی ذات گرامی ہی تھی اور احکامات شریعت صرف پیغمبر ہی بتلا سکتے تھے اور عمل کر کے دکھا سکتے تھے اور جس طرح یہ تمام احکامات خدا نے وحی کے ذریعہ پڑھائے تھے اسی طرح ان کی تشریح و توضیح و تفسیر اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ بھی خدا نے سکھلایا تھا لہذا جس کسی کو کچھ پوچھنا ہوتا تھا وہ پیغمبر سے پوچھ کر اس کا علم حاصل کر لیتا تھا جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ

''آنحضرتؐ کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں رکھا گیا جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں حفظ نہ تھیں (الفاروق شبلی ص 513)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970ء

پیغمبر کے بعد احکام شریعت کی حفاظت کرنے والوں کی تربیت کا بیان

پیغمبر اکرم صلعم کے زمانے میں تو مسلمان جب ضرورت پڑتی خود آنحضرت سے حکم شرع یا مسئلہ دریافت کر لیتے تھے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا خدا نے پیغمبر کے بعد کے لئے کوئی ایسا انتظام نہ کیا تھا کہ جب کسی کو ضرورت پڑے تو حکم شرع یا مسئلہ اس سے دریافت کرے۔ اس کا جواب ہرگز نفی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا نے قرآن میں واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس نے دین اور قرآن کو بے وارث نہیں چھوڑا اور اس نے پیغمبرؐ کے بعد کے لئے اپنے بندوں میں سے جن کو اس نے مصطفٰے بنایا تھا انہیں وارث قرآن بنایا ہے اور ھو اجتبا کم کے ذریعہ ہر آن ان کو اپنے زیر نظر، زیر نگرانی اور زیر تربیت رکھا ہے اور اسی طرح جس طرح انبیاء و رسل کو مصطفٰے اور مجتبےٰ بنایا تھا اسی طرح ان کو مصطفٰے اور مجتبےٰ بنایا ہے اور اس

کا بیان بھی سابق میں گذر چکا ہے۔

پس خدا نے ہدایت خلق کے لئے جس طرح تربیتِ وحی کے ذریعہ مصطفےٰ و مجتبےٰ بنا کر پیغمبر اکرم کی تربیت کی تھی اسی طرح خدا نے پیغمبر کے ذریعے علیؑ کو مصطفےٰ اور مجتبےٰ بنا کر پیغمبر کے ذریعے تربیت کی اور حضرت علیؑ کی اولاد کے مصطفےٰ اور مجتبےٰ بندوں کی ہر سابقہ ہادی کے ذریعے تربیت کی اور جتنے علوم خدا کی طرف سے پیغمبر کو ودیعت کر دیئے تھے تا کہ پیغمبر کے بعد ہدایت کا نظام قائم رہے اور احکام شریعت بتلانے والا اور سمجھانے والا پیغمبر کے بعد موجود رہے اسی لئے حضرت علیؑ دعوے کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی" پوچھ لو پوچھ لو جو کچھ پوچھنا ہو اس سے پہلے کہ میں تم میں نہ رہوں۔ یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور مسلمانوں کے سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ ایک طرف وہ ہے جو یہ کہہ رہا ہے کہ پوچھ لو پوچھ لو جو تم نے پوچھنا ہو قبل اس کے کہ میں تم میں نہ رہوں اور دوسری طرح وہ ہے جو کہ اصحاب پیغمبر کو جمع کر کے پوچھ رہا ہے کہ تمہیں اس مسئلہ میں پیغمبر کی کوئی حدیث معلوم ہو تو بتاؤ اور بار ہا حضرت علیؑ کے مسئلہ حل کرنے پر **لولا علی لهلک عمر** کہا اور خود امیر المومنین نے اپنی اس عملی تربیت کو ایک موقع پر اس طرح بیان فرمایا:

" هذا ما رزقنی رسول الله زقاً زقاً "

"میرے سینہ میں وہ علم ہے جو رسول اللہ نے مجھے اس طرح بھرایا ہے جس طرح پرندہ اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے"

حضرت کی یہ بیان کردہ تشبیہ اپنے اندر یہ معنویت اور لطافت لئے ہوئے ہیں کہ جس طرح پرندہ اپنے پوٹے میں جمع کی ہوئی غذ جوں کی توں اپنے بچے کے منہ میں منتقل کرتا ہے اسی طرح پیغمبرؐ نے وہ تمام علوم وہ شریعت کے ہوں یا حکمت کے قرآن کے ہوں یا سنت کے، اخلاق کے ہوں یا سیاست کے ظاہر کے ہوں یا باطن کے حاضر کے ہوں یا غیب کے

جوں کے توں ان کے منہ میں منتقل کر دیئے اور ان میں کوئی تغیر و تبدل اور ردو بدل نہیں ہوا۔

(سیرۃ امیر المومنین مفتی جعفر حسین ص 141)

اس تربیت کے علمی کی تکمیل کے بعد اعلم امتی کی سند دی اور "انا مدینة العلم و علی بابها" "میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں کا تمغہ جبین امامت پر آویزاں کیا اور اس طرح اپنے علم تک پہنچنے کا ذریعہ بتایا یعنی جس طرح شہر میں داخل ہونے کا ذریعہ دروازہ ہوتا ہے اسی طرح میرے علم تک رسائی کا ذریعہ علیؑ ہیں۔ علیؑ وہ ہیں جن کا شجرہ علم۔ علم نبوت سے بلا واسطہ ملتا ہے اور علم نبوت کا شجرہ علم خدا سے براہ راست ملتا ہے جو اس در سے بے خبر ہوگا وہ خدا اور رسول کی تعلیمات سے بے خبر رہے گا۔

(سیرۃ امیر المومنین مفتی جعفر حسین ص 142)

اور اس بات کو پیغمبرؐ نے غدیر خم کے دن واضح الفاظ میں بیان کر دیا تھا کہ

" معاشر الناس مامن علم الا و قد احصاه الله فی و کلم علمته فقد احصیته فی علم امام المتقین . مامن علم الا و قدعلمته علیاً و هوا مام المبین (خطبہ غدیر بر از احتجاج طبری)

"اے لوگوں کوئی علم ایسا نہیں ہے جسے خدا نے میری ذات میں محصور فرمایا ہو اور میں نے وہ علم امام المتقین کو نہ دے دیا ہو۔ کوئی علم ایسا نہی ہے جسے میں نے علی کو تعلیم نہ کیا ہو اور امام مبین (واضح طور پر علوم کو بیان کرنے والا) یہی ہے۔

حضرت علیؑ کے بعد احکام شریعت کے محافظ

جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے دین و شریعت کی حفاظت کے لئے حضرت علیؑ کی تربیت فرمائی تھی اور وہ تمام علوم جو خدا نے پیغمبر کو عطا فرمائے تھے وہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو تعلیم کر دیئے تھے اسی طرح حضرت علی نے اپنے بعد کے

لئے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی تربیت فرمائی اور جتنے علوم شریعت اور دوسرے علوم پیغمبر اکرم صلی اللہ علی و آلہ نے حضرت علیؑ کو عطا کیے تھے وہ آپؑ نے بعینہ سارے کے سارے حضرات حسنین علیہما السلام کو ودیعت فرما دیئے اور یہ سلسلہ اسی طرح امام زین العابدین علیہ السلام، امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے چلتے چلتے صاحب العصر والزمان امام ھادی مھدی آخر الزمان تک پہنچا اور امام زمانہ نے غیبت کبریٰ اختیار نہیں کی جب تک احکام شریعت کے معلوم کرنے کا ایک مستقل لائحہ عمل نہیں دے دیا لہذا دینی امور اور احکام شریعت سے آگاہی کا یہ ایک سلسلہ ہے جس طرح پیغمبرؐ کے زمانے کے لوگوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تھا وہ پیغمبر سے پوچھ لیتا تھا اسی طرح پیغمبرؐ کے بعد آنے والے لوگ اپنے زمانے کے احکام سے احکام شریعت اسی طرح دریافت کرتے تھے جس طرح پیغمبر کے زمانے کے لوگ پیغمبرؐ سے احکام شریعت دریافت کرتے تھے اور اسی لئے پیغمبر صلعم نے فرمایا تھا کہ:

''جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا''

مسند امام احمد حنبل جلد 4 ص 96

اپنے زمانے کے امام کو پہچاننے کا مطلب کیا ہے

اپنے زمانے کے امام کو پہچانے کی ضرورت کیوں ہے؟ اور اپنے زمانے کے امام کی معرفت یا پہچاننے کا مطلب کیا ہے؟ پیغمبر اکرم صلعم کی اس حدیث سے ایک بات تو واضح ہے کہ ہر زمانہ میں امام کا وجود ضروری ہے کیونکہ اگر ہر زمانہ میں کوئی امام نہ ہوگا تو یہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے تکلیف مالا یطاق ہوگی کہ اس زمانہ میں امام تو کوئی ہے نہیں لیکن اس زمانے کے لوگوں پر فرض کر دیا جائے کہ وہ اپنے زمانے کے امام کو پہچانیں پس یہ بات

ہر زمانے کے لئے امام کے وجود کو لازم قرار دیتی ہے اور اپنے زمانہ کے امام کو پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک وقت میں کئی مدعیان امامت ہوں تو ان اماموں میں سے کون ہے وہ جسے خدا و رسولؐ اور سابقہ امام نے اس مقصد کے لئے مصطفےٰ و مجتبےٰ بنا کر کارِ ہدایت انجام دینے کے لئے تربیت کیا ہے؟ کون ہے وہ جس کے پاس وہ سارا علم ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہے؟ اگر کوئی شخص ایسے امام کو نہ پہچان سکے گا تو ان علوم سے بے بہرہ رہے گا جن کی وجہ سے وہ احکام خداوندی کو صحیح صحیح بجا لا سکے معرفت امام کو مطلب وہ نہیں ہے جسے مفوضہ و شیخیہ معرفت کہتے ہیں یعنی آئمہ کو خالق رازق و محی و ممیت اور مدبر کائنات اور سارے جہان کا نظام چلانے والا مانے ورنہ وہ مقصر شمار ہوگا کیونکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اہل مکہ کو اللہ اور روز آخرت پر ایمان کی شرط کے ساتھ رزق ثمر دینے کی دعا کی تو خدا نے فرمایا کہ اے ابراہیم اس قلیل دنیاوی زندگی کا فائدہ تو میں کافروں کو بھی پہنچاؤں گا لیکن اس کے کفر کی سزا اسے آخرت میں دوں گا (البقرہ 127)

"قران یہ بھی کہتا ہے کہ اگر یہ بات لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب نہ بنتی تو ہم کافروں کے گھروں کی چھتیں، سیڑھیاں، دروازے اور تخت چاندی کے کر دیتے لیکن یہ دنیاوی متاع ہے اور آخرت تو متقین کے لئے ہی ہے (الزخرف 33 تا 35)

اس سے ثابت ہوا کہ توحید کا منکر یا نبوت کا یا روز آخرت کا اسے کفر کی سزا اس دنیا میں نہیں ملے گی اور خلق و رزق حیات و موت اور متاع دنیا سے جو کچھ اس کے مقدر میں ہے وہ اسے مل کر رہے گا لیکن صحیح ہدایت اسے صرف اس وقت حاصل ہوگی جب وہ خدا کے مقررہ کردہ ہادیان دین کی اطاعت و پیروی کرے گا اور وہ خدا کے مقررہ کردہ ہادیان دین کی اطاعت و پیروی نہیں کر سکتا جب تک وہ یہ نہ پہچانے کہ خدا کا مقرر کردہ ہادی دین کون ہے یعنی ایک وقت میں امامت کا دعویٰ کرنے والے اماموں میں سے کون ہے وہ امام جس

کے پاس خدا کے احکام اور پیغمبر کی سنت کا صحیح صحیح علم ہے ۔تا کہ ان پر عمل کرنے سے جزا اور نجات کا مستحق بن سکے یہ ہے اصل ہادی اور امام کو پہنچانے کی ضرورت ،البتہ جن باتوں سے اما کو پہچانا جائے ان کا جاننا ضروری ہے یعنی یہ کہ اس کے پاس خدا کے احکام اور پیغمبر کی سنت اور شریعت کا صحیح صحیح اور کما حقہ علم ہے یا نہیں ۔اور اگر یہ معلوم ہوا کہ اسے خود کو احکام شریعت کا چکھ علم نہیں ہے بلکہ وہ دوسروں سے پوچھتا ہے اور اگر دوسروں سے بھی نہ معلوم ہو تو قیاس سے کام لیتا ہے تو وہ احکام شریعت بتانے کے سلسلے میں کیا رہنمائی کریگا

ع　　او خویشتن گم است کرا رہبری کند

فقہی مسالک اور ان کی معلومات کا سرچشمہ

ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلعم کے بعد جب حضرت ابو بکر بر سر اقتدار آئے تو انھوں نے احادیث پیغمبر بیان کرنے سے تمام اصحاب کو منع کر دیا انھوں نے خود وہ 500 احادیث جس نسخہ میں جمع کی تھیں اسے بھی جلا دیا پھر جب حضرت عمر بر سر اقتدار آئے تو انھوں نے بھی احادیث پیغمبر کو بیان کرنے سے منع کرنے میں انتہائی شدت اختیار کی اور اصحاب پیغمبر اکرم صلعم کو احادیث بیان کرنے سے سختی سے منع کیا جن اصحاب نے انفرادی طور پر احادیث جمع کر لی تھیں انہیں قسمیں دے دے کر حاصل کیا اور انہیں جلوا دیا ابن مسعود ،ابو درداء اور ابو مسعود انصاری کو احادیث پیغمبرؐ بیان کرنے سے باز نہ آنے پر قید میں ڈال دیا اور یہ بزرگ اصحاب پیغمبرؐ بیان کرنے کے جرم میں قید میں رہے ۔

(مقام حدیث ص 10 الفاروق شبلی ص 53 تذکرہ الحفاظ)

چونکہ احکام شریعت کے معلوم کرنے کا اصل سرچشمہ احادیث پیغمبر تھیں جن پر سختی کے ساتھ پابندی عائد کر دی گئی تھی اور جن اصحاب پیغمبر نے احادیث جمع کی تھیں وہ سب کی

سب جلوادی گئی تھیں لہذا جہاں اصول وعقائد سے متعلق احادیث کا خاتمہ ہوگیا وہاں اعمال واحکام شریعت سے متعلق احادیث بھی تلف اور ضایع ہوگئیں۔لیکن جب فتوحات کے نتیجہ میں دوسرے ملکوں کے لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے تو نئے نئے مسائل سامنے آئے اورانہیں حل کرنے کے لئے احادیث کے تفحص اور تفتیش کی ضرورت پڑی چنانچہ مولانا شبلی اپنی کتاب الفاروق میں ''احادیث کا تفحص'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کے تفحص اور تلاش پر توجہ کی۔ آنخضرت کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنخضرت سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں حفظ نہ تھیں ،حضرت ابوبکر کے زمانہ میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں۔اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی۔اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا حضرت عمر کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کردیئے تھے۔اس لحاظ سے انھوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تا کہ یہ مسائل آنخضرت کے اقوال کے مطابق طے کیے جائیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمر مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اوراس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے مجمع اصحاب اسے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔ الفاروق شبلی ص 513

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

عقیدت میں آنکھیں بند کر کے ہاں میں ہاں ملانا تو علیحدہ بات ہے لیکن جس شخص میں ذرا سا بھی انصاف کا مادہ ہے اور وہ اپنی عقل سے کام لے تو وہ یہ فیصلہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ احادیث پیغمبر کے جلوانے کا حکم دینے کے بارے میں غلط طور پر یہ بات بنائی گئی تھی کہ قرآن کے مقابلے میں دوسری کتاب؟

قابل غور بات یہ ہے کہ برسر اقتدار آنے کے بعد احادیث پیغمبر کا جلوانا بھی تعریف میں شمار کیا گیا اور اب جو ضرورت پڑی تو اصحاب سے پوچھ پوچھ کو معلوم کرنا بھی تعریف کے طور پر بیان اور سب سے بڑی حیرت کی بات تو یہ ہے وہ خود تکبیر جنازہ، غسل جنابت اور جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ جانتے ہوتے تو اصحاب کو جمع کر کے اس سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

قیاس کی ایجاد اور فقہ عمر

مذکورہ بیان سے ثابت ہے کہ حضرت عمر احکام شریعت سے آگاہ نہ تھے لہذا درپیش مسائل میں اصحاب پیغمبر سے احادیث کا پتہ لگانے اور اگر پیغمبر کی کوئی حدیث نہ ملتی تو اپنے قیاس سے کام چلاتے بلکہ بعض موارد میں پیغمبر کے احکامات کو بھی بشری تقاضے سے قرار دے کر بدل دیتے تھے۔ چنانچہ اکثر سیرت نگاروں نے حضرت عمر کی دین میں ایجادات کا بیان کیا ہے ان میں علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں صفحہ 611 سے صفحہ 614 تک 45 نئی ایجادات کا ذکر کیا ہے۔ ہم ان میں چند کا ذکر یہاں بیان کرتے ہیں۔

نمبر 1: حضرت عمر کی دین میں ایجادات میں سے ایک قیاس ہے علامہ شبلی نے اولیات عمر میں اکتیسویں نمبر پر تحریر کیا ہے۔ (الفاروق شبلی ص 613)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

حالانکہ حضرت عمر کا یہ فقرہ کہ ''ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے'' (حسبنا للہ کتاب اللہ) تاریخ کے ایک ادنیٰ سے طالب علم کو معلوم ہے ۔لیکن چونکہ قیاس کرنا حضرت عمر کی ایجاد ہے لہذا ان کے طرفداروں نے حضرت عمر کے شریعت میں قیاس کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم اور احادیث پیغمبر کو بھی ناکافی قرار دے دیا ۔ چنانچہ علامہ شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں:

''فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں ۔اس لئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے ۔اس ضرورت سے آئمہ اربعہ (یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل) سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمر ہیں۔ (الفاروق شبلی ص 541)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

قابل غور بات یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمر نے احادیث کا تمام ذخیرہ جلوا دیا تو یہ بات بنائی گئی کہ انھوں نے حدیث پیغمبرؐ اس لیے جلوائی کہ قرآن میں مقابلہ میں دوسری کتاب؟ لیکن بعد میں قرآن کے مقابلہ میں احادیث پیغمبر کو تلاش کر کے لکھنے کے علاوہ اپنا قیاس بھی شامل کر کے دوسری کتاب بنا دی گئی ۔اور دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جس وقت پیغمبر یہ تحریر لکھ کر دینا چاہتے تھے کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے تو اس وقت تو حضرت عمر نے یہ کہا کہ ہمیں قرآن کافی ہے، حسبنا کتاب اللہ ۔اور جب احکام شریعت سے لاعلمی نے مجبور کیا تو قرآن کو ناکافی قرار دے کر قیاس کرنے پر مجبور ہو گئے

قیاس کے اصول کی ایجاد کے علاوہ حضرت عمر نے دین میں جو نئی ایجادات کیں

ان میں سے چند یہ ہیں

نمبر 2: فرائض میں عدل کا مسئلہ ایجاد کیا

نمبر 3: فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔

نمبر 4: نماز تراویح جماعت سے قائم کی

نمبر 5: تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا

نمبر 6: شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے

نمبر 7: تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی

نمبر 8: بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوۃ مقرر کی

نمبر 9: وقف کا طریقہ ایجاد کیا

نمبر 10: نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرایا وغیرہ۔

(الفاروق شبلی ص 513)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

بہر حال شبلی لکھتے ہیں کہ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کا دخل نہیں دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقل پر مبنی ہیں یہی دوسرا خیال اسرار الدین کی بنیاد ہے.........

حضرت عمر اس دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ (الفاروق شبلی ص 504)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''حضرت عمر نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ یہ مصالح عقلی کے موافق ہیں اس سے بداہتاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اسرار الدین کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔ (الفاروق شبلی ص 506)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

یہ بھی ذہن میں رہے کہ مولانا شبلی نعمانی نے بھی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی پیغمبر کے احکام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اول وہ احکام جو آپ نے پیغمبر کی حیثیت سے یا نبی ہونے کی حیثیت سے دیئے۔ اور وہ احکام جو آنحضرت نے ایک بشر کی حیثیت سے دیئے وہ ان کے نزدیک تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ (الفاروق شبلی ص 503)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

قابل غور بات یہ ہے کہ وہ احکام جو پیغمبر نے ان کے نزدیک بشر ہونے کی حیثیت سے دیئے تھے وہ تو دو سال بعد ہی چلنے کے قابل نہ رہے لیکن وہ احکام جو اپنے قیاس سے حضرت عمر نے صادر کئے وہ قیامت تک جاری رہنے کے قابل کیسے ہو گئے؟ جبکہ وہ نبی یا رسول بھی نہ تھے اور ان کے بشر ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہے۔

چنانچہ اس بارے میں شبلی نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''حضرت عمر نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادت یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتناء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔ (الفاروق شبلی ص 516)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

آنحضرت رسول کی حیثیت اور بشری حیثیت سے حکم کی پہچان

یہ بات بھی انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ اس بات کی کیا پہچان ہے کہ آنحضرت نے کون سا حکم بحیثیت رسول کے دیا ہے اور کون سا حکم بحیثیت بشر کے دیا ہے۔ شبلی صاحب اور حضرت عمر کے تمام عقیدت مندوں اور طرفداروں کی تحریروں سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر پیغمبر کی اکثر باتوں اور اکثر کاموں سے اختلاف کیا کرتے تھے پس ان کے نزدیک حضرت عمر نے آنحضرت کی زندگی میں جن باتوں اور جن کاموں سے اختلاف کیا وہ آنحضرت نے بحیثیت رسول کے نہیں کیے تھے۔ لہذا بعد میں بھی پیغمبرؐ کے جن ارشادات کی حضرت عمر نے مخالفت کی وہ بھی ان حضرات کے نزدیک آنحضرت نے رسول کی حیثیت سے نہیں کہے تھے، بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے کہے تھے گویا آنحضرتؐ کے رسول ہونے کی حیثیت سے حکم اور بشر ہونے کی حیثیت سے حکم کی اصل پہچان یہ ہے کہ جس بات یا جس کام میں حضرت عمر نے آنحضرت کی مخالفت کی وہ رسول کی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ بشر کی حیثیت کیا تھا جیسا کہ شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول خدا صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی، مثلاً صحیح بخاری میں ہے جب آنحضرت نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھی تو حضرت عمر نے کہا

"آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھاتے ہیں" (الفاروق شبلی ص 537,536)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

اس کے بعد لکھتے ہیں

"قیدیان بدر کے معاملہ میں ان کی رائے بالکل آنحضرت کی رائے سے الگ تھی صلح حدیبیہ میں انھوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے ان تمام مثالوں سے تم خوداندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو در کنا ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔

اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں ہیں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔ (الفاروق شبلی ص 537)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

ہم اس کتاب میں بھی اور اپنی دوسری کتابوں میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے قدیوں کے بارے میں سورۃ محمد میں واضح الفاظ میں حکم نازل کیا تھا لہذا پیغمبر نے قیدیان بدر کے بارے میں جو فیصلہ کیا وہ وحی الٰہی حکم خدا اور قرآن کے فرمان کے مطابق کیا لہذا قیدیان بدر کے بارے میں آنحضرت کا فیصلہ رسول کی حیثیت سے تھا اور صلح حدیبیہ کے بارے میں خدا نے سورۃ الفتح میں اس صلح کو اپنی طرف نسبت دی ہے اور اسے پوشیدہ مومنین کے بچائے، کفار کے ہاتھ روکنے علاوہ فتح مبین قرار دیا ہے اور اس صلح کے نتیجہ میں خیبر کی فتح کی راستہ میں ہی خوشخبری دی ہے جس کا بیان اس کتاب میں سابق میں گذر چکا ہے لہذا حتماً و یقیناً صلح حدیبیہ بھی آنحضرت نے بحیثیت رسول کے ہی کی تھی۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر نے آنحضرت کے جس حکم اور جس بات اور جس کام کی مخالف کی تھی وہ آنحضرت نے

بحثیت رسول ہی سرانجام دیا تھا اور آنحضرت کی وفات کے بعد بھی حضرت عمر نے پیغمبرؐ کے جن احکامات میں مخالفت کی وہ بھی بحثیت رسول ہی دیئے تھے لیکن شبلی مذکورہ امور میں اختلاف سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ

''اس تفریق و امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ چونکہ جن چیزوں میں آنحضرت کے ارشادت منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے قوانین وضع کئے جائیں چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمر نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے قاعدے وضع کئے جو کہ آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

(الفاروق شبلی ص 538)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

یہاں پر پھر وہی بات قابل غور ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے جو احکام دیئے یا جو ارشادات فرمائے اور جو قوانین نافذ کئے وہ تو دو سال بھی زمانے اور حالات موجودہ کے کام نہ آسکے اور حضرت عمر نے ایسے قوانین اور قاعدے وضع کئے جو قیامت تک رہنے کے قابل ہو گئے اور وہ آج تک فقہ حنفی میں موجود ہیں۔ کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی بشریت اتنی گری ہوئی تھی کہ ان کا حکم دو سال بھی زمانہ اور حالات سے مطابقت نہ کر سکا اور حضرت عمر کی بشریت اتنی بلند تھی کہ ان کا بشری حکم قیامت تک کے حالات اور زمانہ سے مطابقت رکھنے والا بن گیا۔

شبلی نے ایک اور مقام پر جو حضرت عمر کے مسائل فقہ کی تعداد کے عنوان کے تحت لکھا ہے

''فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی

ہزار تک پہنچتی ہے، ان میں تقریباً ہزار مسئلے ایسے جو جو فقہ کے متقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں آئمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے.......

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کی مدد سے فقہ فاروقی پر مستقل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔ (الفاروق شبلی ص 535)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

شاہ ولی اللہ نے فقہ فاروقی پر جو رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کیا ہے وہ اردو میں بھی 'فقہ عمر' کے نام سے شائع ہو گیا ہے جو ہمارے پیش نظر ہے اس میں حضرت عمر کے قیاس اور ضرورت وقت کے مطابق بیان کردہ 856 مسائل فقہ درج ہیں اس کا عربی سے اردو ترجمہ ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے کیا ہے اور علم و عرفان پبلشیرز لاہور نے اسے شائع کیا ہے اور یہ ضخیم کتاب 461 صفحات پر مشتمل ہے اس کے صفحہ نمبر 25 پر "حضرت عمر اجتہادات میں مصیب ہیں" کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے "حضرت عمر کی اجتہادات میں اصابت (مصیب ہونا) اس حد تک کمال ہے کہ آئمہ اربعہ کی پوری فقہ آپ ہی کے متون اجتہاد کی شرح ہے۔ امیر المومنین فاروق اعظم اس مقام میں مجتہد مطلق کے درجہ پر فائز ہیں" پھر اسے اگلے عنوان "حضرت عمر مجتہد علی الطلاق ہیں" کے تحت اس طرح لکھا ہے:

آئمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) رحھم اللہ تعالیٰ ایسے مجتہد منتسب ہیں جو درجہ اجتہادات میں مجتہد مطلق ہونے کی بجائے حضرت عمر کے فیضان سے بہرہ مند ہیں۔

فقہ عمر رضی اللہ عنہ مرتبہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ترجمہ ابو یحییٰ امام خان ص 25

فقہ عمر کے اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ آئمہ اربعہ نے فقہ میں حضرت عمر کے قیاسی احکام کی پیروی کی ہے اور اسی بات کو شبلی صاحب نے الفاروق میں اسطرح لکھا ہے

''فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمر کی ذات بابرکات ہے''
(الفاروق شبلی ص 526)
دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

بنی عباس کے دور میں مذکورہ فقہی مسالک کی ترویج

جیسا کہ ہم سابق میں بیان کرآئے ہیں کہ بنی عباس نے بنی امیہ کے خلاف جو تحریک چلائی تھی وہ اہل بیت پیغمبر کا حق دلانے کے نعرے کے ساتھ چلائی تھی لیکن جب وہ اپنی تحریک میں کامیاب ہوگئے تو خود انھوں نے اپنی حکومت کا اعلان کردیا لہذا وہ ہمیشہ آئمہ اہل بیت کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ سمجھتے رہے۔ چنانچہ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس احکام شریعت اور علوم دین کے حصول کے لئے شائقین کا ہجوم رہتا ہے جو آپ کو آپ کے آبائے طاہرین کے واسطے سے ودیعت ہوئے تھے یہ حضرات قیاس یا اجتہاد سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے آبائے طاہرین سے ملے ہوئے علم کو اس طرح سے بیان کرتے تھے کہ مجھ سے بیان کیا میرے پدر بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام نے ان سے بیان کیا امام زین العابدین نے ان سے بیان کیا امام حسینؑ نے ان سے بیان کیا ان کے پدر بزرگوار علی ابن ابی طالب نے ان سے بیان کیا پیغمبر اکرم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان سے بیان کیا جبرئیل نے ان سے بیان کیا خداوند تعالٰی نے۔ یہ احکام شریعت اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ خدا سے ان تک پہنچے تھے اور وہی ان احکام شریعت

کے امین تھے لہذا جب کسی کو احکام شریعت میں سے کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تھا تو وہ اسی طرح ان سے پوچھ لیتا تھا جس طرح پیغمبر اکرم صلعم کے زمانہ میں لوگ آنحضرتؐ سے پوچ لیا کرتے تھے۔ مگر بنی عباس نے آئمہ اہل بیت سے لوگوں کو رخ موڑنے کے لئے جہاں فلسفہ کو رواج دیا، صوفیا کی سرپرستی کی وہاں آئمہ فقہ کو آئمہ اہل بیت کے مقابلہ میں لے آئے ان کے پاس ملک چلانے کے لئے کوئی مدون قانون بھی نہ تھا لہذا انھوں نے فقہ حنفی کو ملک کا قانون بنا دیا جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں ''قانون اسلامی کی تدوین'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

''امام ابو حنیفہ کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے انھیں اسلامی تاریخ میں لازوال عظمت عطاء کی یہ تھا کہ انھوں نے اس عظیم خلا کو اپنے بل بوتے پر بھر دیا جو خلافت راشدہ کے بعد شوریٰ کا سدباب ہو جانے سے اسلام کے قانونی نظام میں واقع ہو چکا تھا۔

(خلافت وملوکیت ص 237)

اور ''امام ابو یوسف اور ان کا کام'' کے عنوان کے تحت اس طرح لکھا ہے کہ

''آخر کار اس مدرسہ فکر سے ایک ایسی طاقتور شخصیت اٹھی جس نے اپنی اعلیٰ قابلیت اور اپنے زبردست اثر و رسوخ سے سلطنت عباسیہ کے قانونی انتشار کو ختم کیا حنفی فقہ کو ملک کا قانون بنا دیا گیا۔ اور سلطنت کو ایک آئین پر قائم کر دیا یہ شخصیت امام ابو حنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسف کی تھی''

خلافت وملوکیت ص 279،280

بہر حال بنی عباس کے دور میں چاروں فقہی مسالک پیدا ہوئے اور بقول شبلی'' فقہ کے تمام سلسلوں کا مرجع حضرت عمر ہیں (نہ کہ پیغمبر) (الفاروق شبلی ص 526)

دوسرا مدنی ایڈیشن 1970

بدھ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سلطنت کا بادشاہ تھا اس نے مقام ربوبیت پر فائز ہونے کے لئے سلطنت کو ترک کر دیا۔

پس بلخ کے صوفیوں میں یہی مہاتما بدھ کا واقع سرایت کیے ہوئے تھا لہذا انھوں نے اسی چیز کو ابراہیم ادھم کے لئے تراش لیا۔ (تاریخ تصوف ڈاکٹر قاسم غنی ص 158)

غلام احمد پرویز صاحب اپنی کتاب تصوف کی حقیقت میں "حضرت ابراہم بن ادھم" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں آپ کا شمار سرتاج صوفیائے کرام کے زمرے میں ہوتا ہے ان کے متعلق ذیل کا واقعہ حضرت علی ہجوری (داتا گنج بخش) نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں درج کیا ہے

"آپ خضر علیہ السلام سے بیعت تھے اور شروع میں بلخ کے امیر تھے ایک دن شکار کو گئے اور ایک ہرن کے پیچھے لگ کر لشکر سے بچھڑ گئے۔اللہ تعالی نے ہرن کو قوت گویائی عطا فرمائی۔اس نے بزبان فصیح آپ کو مخاطب کیا اور کہا "الھذا خلقت ا بھذا امرت "یعنی کیا تم اسی لئے پیدا کیے گئے ہو یا کیا اس کام کا تمہیں حکم دیا گیا ہے یہ سنتے ہی دل میں خیال آیا اور توبہ فرما کر سب سے ہاتھ اٹھالیا۔اور زہد و ورع کے پابند ہو گئے آپ ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ جب میں جنگل میں گیا تو ایک ضعیف العمر بزرگ صورت ملا وہ مجھ سے کہنے لگا اے ابراہیم تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سی جگہ ہے۔تم بغیر زادو راحلہ کے جا رہے ہو، میں سمجھ گیا کہ یہ ضعیف العمر بزرگ نہیں بلکہ شیطان ہے میری جیب میں چار درھم نقرئی پڑے ہوئے تھے جو میں نے کوفہ میں زنبیل، بیچ کو جیب میں ڈال لئے تھے میں نے انہیں نکال کر پھینک دیا اور عہد کیا کہ ہر میل پر چار سو رکعت نفل پڑھوں گا چار سال تک متواتر صحرا نوردی میں رہا میرا رازق مطلق بلا کسی تکلیف کے مجھے روزی پہنچاتا رہا۔اسی اثناء میں حضرت خضر کی زیارت ہوئی۔ان کے فیض صحبت میں میں نے ان سے اللہ کا نام

سیکھا پس اس کے بعد میرا دل ما سوا اللہ سے قطعاً فارغ ہو گیا''

(کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب 231-229)

اور خواجہ فرید الدین عطار تذکرہ اولیا میں لکھتے ہیں کہ ''ایک دفعہ ابراہیم ادھم کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا لہذا آپ پندرہ دن تک ریت کھاتے رہے''

تذکرۃ الاولیاء عطار ص 97)

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا ہے کہ ابتدائی دور کے صوفیاء چونکہ آئمہ اہل بیت کے مقابلہ میں اٹھائے گئے تھے تا کہ لوگوں رخ ان کی طرف سے موڑا جا سکے لہذ ابتدائی دور کے صوفیاء نے آئمہ اہل بیت کے زہد وتقویٰ کے مقابلہ میں اپنے لئے ترک دنیا کو اپنایا اور اور صوف کا لباس پہن کر درویشانہ طرز اختیار کیا اور آئمہ اہل بیت کی وحی والہام کے مقابلہ میں جو ان کے امام و ہادی ہونے اور ان کے اصطفے اور اجتبے اور منصوص من اللہ ہونے کی بناء پر تھا جیسا کہ ہم نے سابق میں ثابت کیا ہے صوفیاء نے اپنے کشف والہام کے افسانے گھڑے اور چونکہ خدا اپنے مقرر کردہ ہادیوں کے لئے اپنی طرف کی کوئی نشانی ظاہر فرماتا ہے لہذ آئمہ علیہم السلام سے معجزات وکرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ صوفیا نے ان کے مقابلہ میں اپنی کرامات کے افسانے گھڑے اور ان کی ولایت کے مقابلے میں اپنے آپ کو اولیاء اللہ کہلایا۔ اسی لئے محمد مسعود عالم قاسمی نے صبر، شکر، توکل، زہد، استغناء کو ابتدائی صوفیاء کے نظریات میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کا بیان ''کتاب مضامین تصوف'' کے حوالے سے سابق میں گذر چکا ہے۔

لیکن جب بنی عباس کی کوششوں سے افلاطون کے یونانی فلسفہ کی تعلیم سے یونانی فلسفہ عام ہو گیا اور ہندوؤں کے ویدانت اور بدھ مت کے نروان، یعنی حلول واتحاد کے نظریات بھی عام ہو گئے تو پھر افلاطون کے فلسفہ ''لا یصدر عن الواحد الا الواحد'' سے تفویض کا

عقیدہ عام ہوا اور ہندوؤں کے ویدانت اور بدھ مت کے زوان سے حلول واتحال کا نظریہ پروان چڑھا۔ ان میں سے کونسا نظریہ پہلے پھیلا یہ کہنا مشکل ہے ہوسکتا ہے، دونوں ایک ساتھ پہلے ہوں لیکن چونکہ افلاطون کا فلسفہ رائج کرنے میں بنی عباس نے بہت ہمت صرف کی تھی لہذا زیادہ امکان یہی ہے کہ حلول واتحاد کے نظریہ سے پہلے تفویض کا عقیدہ پہلے پھیلا۔ کیونکہ تفویض کا عقیدہ آئمہ اہل بیت کے بارے میں پھیلایا گیا تھا کہ خدا نے ان کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا ان کے بعد جو کچھ کیا وہ آئمہ نے کیا اور چونکہ صوفیا آئمہ کے مقابل لائے گئے تھے لہذا انھوں نے آئمہ کے تفویض کے عقیدہ کے مقابلہ میں حلول واتحاد کا نظریہ اپنایا اور خود خدا بن گئے۔

تفویض کا عقیدہ

یونانی فلسفہ کے اصول لایصدر عن الواحد الا الواحد۔ یعنی ایک چیز میں سے صرف ایک ہی چیز نکل سکتی ہے کے مطابق۔ چونکہ خدا ذات واحد ہے لہذا اس سے بھی صرف ایک چیز نکل سکتی ہے۔ زیادہ نہیں نکل سکتیں۔ یہ فلسفہ جب عیسائیوں میں پہنچا تو انھوں نے اس بات کو حضرت عیسیٰ کے بارے میں استعمال کیا۔ ہم نے اپنی کتاب العقائد الحقیہ میں عیسائیوں کی کتاب

THE TRUTH SHELL MAKE YOU FREE

شائع کردہ واچ ٹاور اور بائبل اینڈ ٹریکٹ سوسائٹی بروکلن نیویارک یوایس اے سے چند اقتباسات پیش کیے ہیں ہم ان میں سے صرف دو اقتباسات نمونے کے طور پر یہاں نقل کرتے ہیں۔

خالق سے صرف ایک ہی مخلوق پیدا ہوسکتی ہے

آئمہ علیہم السلام کے بیان کردہ احکام شریعت کا نام فقہ جعفریہ کس نے رکھا

جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں کہ احکام اسلامی یا احکام شریعت خدا نے جبرئیل کے ذریعے پیغمبر اکرم کو پہنچائے اور پیغمبر نے وہ تمام علوم حضرت علیؑ کو ودیعت کئے اور پھر وہ سلسلہ بہ سلسلہ امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہنچے اور امام جعفر صادقؑ سے سلسلہ بہ سلسلہ بارہویں امام تک آئے لہذا آئمہ اہل بیت قیاسی یا اجتہادی مسائل بیان نہیں کرتے تھے بلکہ خدا کے جو احکام ان تک پہنچے تھے وہی بیان کرتے تھے لیکن بنی عباس کے دور میں چونکہ آئمہ اربعہ کی فقہ نے فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کے نام سے شہرت پائی تھی، لہذا یا تو ان مذکورہ فقہی مسالک نے جو اپنے احکامت کو اسلامی احکام ہی کہتے تھے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیان کردہ احکام شریعت اور احکام اسلامی کو فقہ جعفریہ سے موسوم کیا۔ یا خود امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیروی کرنے والوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیان کردہ احکام اسلامی اور احکام شریعت کو فقہ جعفریہ کا نام دے دیا۔ تا کہ دوسرے فقہی مسالک سے علیحدہ پہچانے جائیں۔ کیونکہ آئمہ فقہ کے نام کے ساتھ فقہوں کا رواج ہو چکا تھا لہذا امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف فقہ کی نسبت سے کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا اور اسطرح پانچ فقہی مسالک وجود میں آگئے۔

اب تک ہم نے بنی عباس کے دور میں جو تین نئے کام ہوئے ان پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے پہلا کام فلسفہ کا رواج ہے دوسرا کام صوفیا کی سرپرستی ہے اور تیسرا کام آئمہ اہل بیت کے مقابلہ میں آئمہ فقہ کو کھڑے کرنا ہے۔ لیکن جس طرح فقہ کے چار امام ہوئے اسی طرح صوفیاء کے بھی مختلف طبقات ہیں جن کا مختصر بیان آگے آتا ہے لیکن پہلے ہم اس

مقام پر صوفیوں کی ایک خاص خوبی کا بیان کرتے ہیں

صوفیوں کی ایک خاص خوبی

صوفیوں کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جتنے بزرگ صوفی گزرے ہیں ان کے بارے میں سنی یہ کہتے ہیں کہ وہ سنی تھے اور تصوف کے گرویدہ بہت سے شیعہ یہ کہتے ہیں کہ وہ شیعہ تھے سنیوں کی دلیل یہ ہے کہ یہ بزرگ حضرت ابو بکر کو پہلا خلیفہ، حضرت عمر کو دوسرا خلیفہ اور حضرت عثمان کو تیسرا خلیفہ مانتے تھے اور ان سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے اور ان کو درجہ ولایت پر فائز سمجھتے تھے ان صوفیوں کو شیعہ کہنے والے شیعہ یہ کہتے ہیں کہ وہ مذکورہ تینوں خلفاء کو تقیہ کے طور پر مانتے تھے اور ان بزرگ صوفیاء نے حضرت علیؑ کی بڑی مدح سرائی کی ہے اور انہیں شاہ ولایت کے خطاب سے نوازا ہے اور وہ تصوف کا خرقہ بھی انہیں سے حاصل کر کے لاتے ہیں۔

لیکن پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی کتاب اسلامی تصوف میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی کی یہ ساری مدح وثناء اسماعیلی شیعوں، باطنی شیعوں، اور شیعہ قرامطہ نے ان صوفیوں کی کتابوں میں داخل کر دی ہیں حتیٰ کہ وہ معروف رباعی یعنی

شاہ است حسین　　　　بادشاہ است حسین

بھی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی نہیں ہے اور دیوان شمس طبریزی میں جو اشعار حضرت علیؑ کی شان میں ہیں وہ بھی مولانا روم کے نہیں ہیں یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے تو سالم نے کتاب تک لکھ کر دیوان علیؑ کے نام سے حضرت علیؑ کی طرف منسوب کر دی ہے یعنی وہ حضرت علیؑ کا نہیں ہے پس صوفیوں کی کتابوں میں جو حضرت علیؑ کی مدح لکھی ہے وہ صوفیوں کی کتابوں میں اسماعیلی شیعوں، باطنی شیعوں اور قرامطہ نے داخل کر دی ہیں۔

یہ کہ صرف شیعہ اور سنی کی بات تھی کہ سنی یہ کہتے ہیں یہ بزرگ صوفی سنی تھے اور صوفیوں کے معتقد شیعہ یہ کہتے ہیں کہ بزرگ صوفی شیعہ تھے لیکن فریدالدین عطا اپنی کتاب تذکرہ الاولیاء میں یہ لکھتے ہیں کہ جس وقت مشہور صوفی بزرگ معروف کرخی نے انتقال کیا تو اس وقت یہودی یہ کہتے تھے کہ معروف کرخی ہم میں سے تھے یعنی یہودی تھے اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ معروف کرخی ہم سے میں تھے یعنی عیسائی تھے اور مسلمان یہ کہتے تھے کہ معرو کرخی ہم سے تھے یعنی مسلمان تھے" تذکرۃ الاولیاء عطار۔ص 245

اب آپ فرمایئے کہ اس مسئلہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟

مجھے تو یہ معلوم ہے کہ صوفیاء کا ایک گروہ صلح کل کا قائل ہے یعنی سارے مذہب ٹھیک ہیں جو جہاں لگا ہوا ہے ٹھیک ہے اور وہ آیہ۔ ان الذین آمنوا والذین ھادو والنصاریٰ والصابئین کو دلیل میں پیش کرتے ہیں میں نے خود اس گروہ کے ایک صوفی سے یہ کلمات سنے ہیں کہ جو جہاں لگا ہے وہ ٹھیک ہے اور جب میں نے اس سے یہ کہا کہ پھر خدا کو اتنے انبیاء بھیجنے کی کیا ضرورت تھی تو وہ اٹھ کر چلا گیا۔

تصوف کے تین مراحل

تصوف کے بارے میں غیر جانبدارانہ تحقیق سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے تصوف کے یہ سارے عقائد جو صوفیوں میں پائے جاتے ہیں ایک دم نہیں آئے بلکہ مرحلہ وار انکا ارتقاء ہوا ہے۔اور انھیں ہم تین مراحل میں تقسیم کرسکتے ہیں اور ہر مرحلہ کے صوفیوں کو ایک طبقہ کے صوفی قرار دے سکتے ہیں

پہلے طبقہ کے صوفی

پہلے طبقہ کے صوفی وہ ہیں جنھیں آئمہ اہل بیت کے مقابل میں کھڑا

کیا گیا تھا ان آئمہ اہل بیت کے بارے میں کیونکہ ان کے زہد وتقویٰ، ان کے معجزات و کرامات، ان کے وحی والہام اور انکے اولیاء اللہ ہونے کی عام شہرت تھی لہٰذا ان کے مقابلہ میں پہلے مرحلہ میں صرف ان ہی باتوں کی ضرورت تھی کہ وہ ان کے زہد وتقویٰ کے مقابلہ میں ترک دنیا، ان کے معجزات و کرامات کے مقابلہ میں معجزات و کرامات اور ان کے وحی و الہام کے مقابلہ میں وحی والہام اور ان کے اولیاء اللہ ہونے کے مقابلہ میں خود کو ان سے بڑھ کر اولیاء اللہ لوگوں کے سامنے ظاہر کریں۔ چنانچہ پہلے طبقہ کے صوفی انہیں دعووں تک محدود رہے۔

صوفیا اور ترک دنیا

پہلے ہم ترک دنیا کو لیتے ہیں کہ صوفیاء نے آئمہ اہل بیت کے زہد وتقویٰ کے مقابلہ میں ترک دنیا کا طریقہ اختیار کیا جیسا کہ غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب تصوف کی حقیقت میں "مادہ قابل نفرت ہے" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

"ہندوؤں کے تصوف کا عقیدہ یہ ہے کہ پرماتما یعنی روح اعلیٰ (خدا) نے اپنی آتما (روح) کا ایک حصہ انسان کو دے دیا۔ یہ روح مادہ کی دلدل میں گھر گئی انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ مادے کی اس دلدل سے دور ہٹتا چلا جائے تا کہ اس کی روح ان آلائشوں سے پاک وصاف ہو کر پھر سے اپنی اصل (روح خداوندی) سے جا ملے۔

اس عقیدے نے مسلمانوں کے تصوف میں کیا شکل اختیار کی اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ ہندوؤں کے تصوف کی رو سے مادی دنیا اور اس کے جملہ متعلقات قابل نفرت ہیں اور انسان جس قدر ان اشیاء سے دور ہٹتا جائے اسی قدر حقیقت سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں فرد کی زندگی جو مختلف منازل (آشرم) متعین کی گئی ہیں اس میں آخری

مرحلہ ''سنیاس آشرم'' ہے جس سے مراد یہ ہے کہ انسان دنیاوی تعلقات کو ترک کر کے جنگلوں، پہاڑوں، بیابانوں میں جا بسے اس کا آخری نتیجہ یوک YOKE ہوگیا جس کے مطلب انسانی آتما اور پرماتما کا ایک ہو جانا ہے

(تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ص 65-66)

اس کے بعد مادی دنیا کے متعلق صوفیاء کے خیالات کے عنوان کے تحت اس طرح لکھتے ہیں

مادی دنیا کے متعلق صوفیاء کے خیالات

یہی تصور ہمارے ہاں کے تصوف کا بنیادی جزو ہے اور ترک دنیا اس پروگرام کا اساسی مرحلہ چنانچہ ان کے نزدیک دنیا اور اس کے لذائذ او رحظائظ حتیٰ کہ ان کی خواہش تو ایک طرف ان کا خیال بھی گناہ عظیم ہے۔تصوف کا تمام لٹریچر اسی تلقین وتنذیر سے بھرا پڑا ہے۔مثال کے طور پر ان صوفیائے کرام کے چند ایک اقوال ملاحظہ فرمایئے جن کا شمار بلند ترین بزرگوں میں ہوتا ہے۔

''دنیا ایک بیمارستان ،اور لوگ اس میں دیوانوں کی مانند اور دیوانوں کے لئے بیمارستان میں قیدو زنجیر ہوتی ہے'' (حضرت فضل بن عیاض وفات 187ھ)

تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز۔ص 66

اس سے ثابت ہوا کہ پہلے طبقہ کے صوفیاء ترک دنیا پر عمل پیرا تھے اس کے بعد پرویز صاحب نے اس طبقہ کے دوسرے صوفیاء کے ترک دنیا سے متعلق اقوام نقل کئے ہیں لیکن ہم نمونہ کے طور پر صرف مذکورہ قول پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

مذکورہ صوفی حضرت فضل بن عیاض سے پہلے طبقہ کے صوفیوں میں ہیں اور پہلے

طبقہ کے صوفیاء فضل بن عیاض وسفیان سوری وابراہیم ادھم وابو ہاشم کوفی وغیرہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے ہیں اور یہ سب منصور عباسی کے زمانہ کے پیداوار ہیں چنانچہ معروف صوفی سفیان سوری کا امام جعفر صادق علیہ السلام کے لباس پر طعن واقع بہت مشہور ہے جواس نے امام جعفر صادق علیہ السلام پر اپنے زہد کو نمایاں کرنے کے لئے کیا تھا۔

ابراہیم ادھم کی وحی والہام ومعجزات

ابراہیم ادھم پہلے طبقہ کے صوفیا میں سے ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے ان کی وفات 162ھ ہے

فریدالدین عطار نے اپنی کتاب تذکرہ اولیاء میں لکھتے ہیں

''ابراہیم ادھم ایک سلطنت کے حکمران تھے انھوں نے سلطنت ظاہری کو چھوڑ کر سلطنت باطنی کو حاصل کرلیا ان کو وحی والہام ہوتا تھا ایک سوئی آپ نے دریا میں ڈال دی اور مچھلیوں سے کہا کہ میری سوئی لے کر آؤ۔ ایک لاکھ مچھلیاں منہ میں سونے کی سوئیاں لئے ہوئے پہنچ گئیں'' (تذکرۃ الاولیاء عطار۔ص 88)

مولانا روم نے ابراہیم ادھم کی اس بات کواس طرح نظم کیا ہے

''ھم زابراہیم ادھم آمدہ کوزراھی برلب دریا نشست

(مثنوی مولانا روم)

ڈاکٹر قاسم غنی لکھتے ہیں خہ

''ابراہیم ادھم جس زمانے میں ہوئے اس وقت بنی عباس کی حکومت تھی لہذا ابراہیم ادھم کی بادشاہی کا افسانہ غلط ہے چونکہ بلخ وبخارا تک بدھ مذہب پہنچا ہوا تھا اور رہا تما

مذکورہ کتاب کے فلسفہ 42 پر یوں لکھا ہے

HENCE IS THE BOOK OF INSPIRED PROVERBS THE CREATOR CAUSES THE ONE WHO IS THE BEGINING OF THE CREATOR TO SPEAK UNDER THE SYMBOLIC FIGURE OF WISDOM AND TO SAY , JEHOWA POSSESSED ME (MARGINAL READING) TEHOVA POSSESSED ME) IN THE BEGINING OF HIS WAY BEFORE HIS WORKING

OLD.

ترجمہ: یعنی الہامی مقولوں کی کتاب کے مطابق خالق سے صرف ایک ہی مخلوق پیدا ہوسکتی ہے جو اس کی مخلوق کا آغاز ہوتی ہے تا کہ وہ اس علامتی نمونے اور عقل کے مظہر کے طور پر کلام کرے اور یہ کہے کہ اللہ تعالی نے مجھے ابتداء میں اس وقت پیدا کیا جب کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی تھی۔

حضرت عیسیٰؑ ساری کائنات کے خالق ہیں

نصاریٰ کہتے ہیں کہ خدا نے صرف حضرت عیسیٰ کو خلق کیا باقی مخلوق خدا کی براہ راست مخلوق نہ تھی بلکہ باقی تمام مخلوق کو حضرت عیسیٰ نے خلق کیا تھا اور حضرت عیسیٰ ہی باقی تمام مخلوق کے خالق ہیں چنانچہ مذکورہ کتاب کے صفحہ 48 پر یوں لکھا ہے

THE QUESTION NOW ARISES AS TO THE OTHER CREATURES THAT WERE PRODUCED

AFTER GOD'S FIRST BORN SON. THE WORLD,WERE THERE OTHER CREATURE EACH A DIRECT CREATION OF GOD AS HIS SON THW WORLS WAS ? THE FIRST BORN SON'S TITLE "ONLY BEGOTON SON" INDICATE THAT THE OTHER CREATURE WERE NOT GOD'S DIRECT CREATION WITHOUT ANY AGENT IN BETWEEN. AFTER TEHOVA GOD CREATE THE WORKD DIRECT, THEN HE USED THIS ONLY BEGOTON SON AS HIS AGENT OR MASTER WORKMAN IN THE CREATION OF EVERY THING ELSE. TO THIS EFFECT JOHN 1:3 TESTIFIES CONCERNING THE WORLD:

ALL THINGS WERE MADE BY HIM AND
WITHOUT HIM WAS NOT ANY THING MADE
THAT WAS MADE"

ترجمہ: اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسری مخلوق جو خدا کی سب سے پہلی پیدائش یعنی مخلوق اول ہے اور کلمہ کے بعد پیدا ہوئی ۔ آیا یہ تمام مخلوق جو خلق ہوئی ان میں سے ہر ایک اسی طرح سے خدا کی براہ راست مخلوق ہے جیسا کہ اس کا بیٹا ہے اور اس کا کلمہ براہ راست اس کی مخلوق ہے؟

پہلے پیدا ہونے والا بیٹا یا اول مخلوق بیٹے کا لقب تنہا اور صرف اکیلا پیدا ہونے والا بیٹا ۔اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ دوسری تمام مخلوق خداوند تعالٰی کی براہ راست مخلوق نہ تھی اس صورت میں کے درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو جب اللہ تعالٰی نے اپنے کلمہ کو براہ راست پیدا کردیا تو پھر اس کے بعد اس نے صرف اپنے پیدا کئے ہوئے بیٹے کو بطور واسطہ کے استعمال کیا۔اور ہر چیز کی تخلیق میں اس نے حضرت عیسیٰ کو اپنے سب سے بڑے عامل اور مختار کل کے طور پر استعمال کیا مطلب کو جون 1:3 میں کلمہ کے بیان میں یوں تصدیق کرتا ہے ۔"تمام چیزوں کو حضرت عیسیٰ نے ہی خلق کیا ہے اور بغیر اس کے کوئی بھی چیز خلق نہیں ہوئی جو بھی خلق ہوئی" (دی ٹرتھ شیل میک یوفری ص 48)

مسلمانوں میں تفویض کا عقیدہ کیسے آیا؟

مولانا شبلی کا بیان سابق میں گذر چکا ہے کہ وہ مذاہب جن کے یہاں خدا بالکل مجسم آدمی کے پیرایہ میں تسلیم کیا جاتا ہے جب اس قسم کے اعتقاد والے اسلام لائے تو ضرور تھا کہ ان کی میلان طبع ان آیتوں کی طرف ہو جن میں خدا کی نسبت ہاتھ پاؤں وغیرہ الفاظ وارد ہیں اور ضرور تھا کہ وہ ان الفاظ کے یہی معنی قرار دیں کہ خدا کے واقعی ہاتھ پاؤں ہیں۔ (علم الکلام شبلی جلد ص 11)

اسی طرح اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں جہاں اور مذاہب والے اسلام میں داخل ہوئے اور انھوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق قرآن کی آیتوں کا مطلب لے کر عقیدہ اپنایا۔ وہاں مذکورہ عقیدہ رکھنے والے یہودی اور عیسائی جو قرآن کی سند کی رو سے حضرت عزیز کو اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے اور انہیں ہی ساری کائنات کا خالق جانتے تھے وہ مسلمان ہونے کے بعد آئمہ کے بارے میں اپنے سابقہ عقیدہ کی طرف رجوع کر گئے۔

کیونکہ جب بنی عباس کی حکومت کی طرف سے افلاطون یونانی کا فلسفہ لا یصدر عن الواحد الا الواحد کا نظریہ عام ہوگیا اور مسلمانوں میں یہ فلسفہ راسخ ہوگیا تو حضرت عزیر کے بارے میں مذکورہ عقیدہ رکھنے والے یہودیوں نے اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں مذکورہ عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں نے مسلمان ہونے کے بعد آئمہ اہل بیت کے بارے میں یہی عقیدہ اختیار کرلیا۔ اورانھوں نے یہ کہا کہ خدا نے صرف حضرت علیؑ کو پیدا کیا بعض نے کہا کہ خدا نے صرف حضرت علیؑ کو پیدا کیا بعض نے کہا کہ خدا نے صرف محمد اور علی کو پیدا کیا بعض نے کہا کہ خدا نے محمدؐ اور آئمہ اہل بیت کو پیدا کیا اور اس کے بعد جسے بھی خلق کیا وہ آئمہ اہل بیت نے خلق کیا اور وہی خلق کرتے ہیں وہی رزق دیتے ہیں وہی مارتے ہیں وہی زندہ کرتے ہیں غرض سارا نظام کائنات وہی چلاتے ہیں اس فرقے کا نام بلال زبیری نے اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں ''تفویضیہ'' لکھا ہے اور شیعہ علماء اور آئمہ اہل بیت ان کو مفوضہ کہتے ہیں اور یہ فرقہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ان کے بارے میں ایک حدیث ہے:

''الغلاۃ کفار و المفوضۃ مشرکون''

یعنی غالی کافر ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مفوضہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جب افلاطون کا فلسفہ پڑھانے کیلئے بنی عباس اپنی بہت ساری ہمت صرف کررہے تھے۔

شیعہ علماء کا کہنا یہ ہے کہ تفویض کا عقیدہ عبداللہ بن سبا کی اولاد میں سے کسی نے ایجاد کیا وہ علیؑ کو خدا ماننے سے تو نیچے اتر آئے لیکن وہ حضرت علیؑ کے لئے تفویض کے قائل ہوگئے، ایسا بھی ہوسکتا ہے کیونکہ وہ ایک ایسے شخص کی اولاد تھے جو پہلے یہودی تھا۔

لیکن تاریخ وواقعات سے جواندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نہ صرف وہ یہودی جو حضرت عزیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے بلکہ وہ عیسائی بھی جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے جب وہ داخل اسلام ہوئے اوران میں سے بعض نے مذہب شیعہ امامیہ اختیار کرلیا تو انھوں نے ایک طرف تو یہ دیکھا کہ افلاطون یونانی کا فلسفہ عام ہوگیا ہے اور مسلمانوں نے لایصدر عن الواحد الا الواحد کے نظریہ کو اپنا لیا ہے دوسرے انھوں نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں اپنے سابقہ عقیدہ کو دیکھا تیسرے انھوں نے آئمہ علیہم السلام کے معجزات دیکھے لہذا انھیں عقیدہ تفویض کے اپنانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا یہ کہنا ہے کہ خطبہ بیان جو سراسر عقیدہ تفویض پر مشتمل ہے، صوفیوں کے بیکتاشی فرقے میں بڑا معتبر سمجھا جاتا ہے (جس کا بیان سابق میں گذر چکا) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خطبہ بیان ہو یا خطبہ طتنجیہ دونوں میں خدا ہونے کی دعوے کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے چونکہ صوفی حضرات حلول واتحاد کے ذریعہ خدا ہونے کے مدعی ہیں اور تصوف اور فقر کا خرقہ وہ حضرت علی سے ہی کھینچ کر لاتے ہیں چاہے ہزار سال بعد ہوئے ہیں تو ضرور تھا کہ خودخدا بننے سے پہلے علی کو خدا مانیں لہذا مفوضہ کا گھڑا ہوا خطبہ بیان وخطبہ طتنجیہ ان کے کام آ گیا اوران کے یہاں معتبر سمجھا جانے لگا۔

صوفی حضرات چونکہ آئمہ کے مقابلہ میں کھڑے کیئے گئے تھے لہذا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ آئمہ کے بارے میں مفوضہ نے یہ عقیدہ اپنا لیا ہے کہ خدا نے انھیں پیدا کر کے اور کوئی کام نہیں کیا ان کے بعد جو کچھ کیا وہ انھوں نے کیا تو صوفیوں نے ان کے مقابلہ میں حلول واتحاد کا عقیدہ اختیار کرلیا اور حلول واتحاد کے عقیدہ کے ذریعہ آئمہ کے بارے میں تفویض کے غلط عقیدے کے مقابلہ میں خودخدا بن گئے۔

لیکن یہ بات یوں بھی ہوسکتی ہے کہ صوفیوں نے ہندوؤں کے ویدانت اور بدھ

مت کے زوال کے عقیدے سے متاثر ہوکر حلول واتحاد کا عقیدہ اپنایا ہو اور جب فتوحات
کے نتیجہ میں اسلام قبول کرنے والے یہودیوں اور عیسائیوں نے صوفیوں کو حلول واتحاد
کے ذریعہ خدا بنتے دیکھا اور آئمہ اہل بیت سے معجزات کا مشاہدہ کیا تو ان کے سابقہ عقیدہ
بیدار ہوگیا اور انھوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ صوفی حضرات حلول واتحاد کے ذریعہ خدا خود
بن رہے ہیں آئمہ کے بارے میں تفویض کا عقیدہ اپنالیا۔

بہر حال یہ بات محل نظر ہی رہے گی کہ پہلے حلول واتحاد کا عقیدہ صوفیوں نے اپنایا
یا فتوحات کے نتیجہ میں مسلمان ہونے والے یہودیوں اور عیسائیوں نے تفویض کا عقیدہ
پہلے اپنایا۔

صوفیا کا دوسرا طبقہ حلول واتحاد کے ذریعہ خدائی کا دعوی

پہلے طبقہ کے صوفیاء کا بیان کرنے کے بعد اب ہم صوفیاء کے دوسرے طبقہ کی
طرف آتے ہیں

ہم کتاب ''مضامین تصوف'' سے ڈاکٹر محمد مسعود عالم قاسمی کے مضمون کا اقتباس
''حلول واتحاد'' کے بارے میں سابقہ اوراق میں نقل کرآئے ہیں جہاں پر وہ لکھتے ہیں

''بعض حضرات نے اسے ہندومت کے ویدانت سے ماخوذ بتایا ہے۔مگر واقعہ
یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں اس نظریہ کی ابتداء تیسری صدی ہجری کے آخر یعنی حسین بن منصور
حلاج کے زمانے سے ہوئی اور اس کو تقویت اور کمال ساتویں صدی ہجری یعنی محی الدین
ابن عربی 638ھ کے عہد میں ملا''

فاضل مضمون نگار نے اس نظریہ کی ابتداء حسین ابن منصور حلاج کے زمانے میں
لکھی ہے۔لیکن غلام احمد پرویز صاحب کی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' کے مطالعہ سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ صوفیوں میں منصور حلاج سے پہلے داخل ہو چکا تھا اور ان سے پہلے بایزید بسطامی نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔

بایزید بسطامی

غلام احمد پرویز صاحب اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" میں لکھتے ہیں کہ

"ان کا شمار بھی ممتاز صوفیاء میں ہوتا ہے خواجہ جنید بغدادی ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ بایزید ہم میں ایسے معظم ہیں جیسے جبرئیل امین ملائکہ میں ۔حضرت بایزید بسطامی اپنے متعلق کہا کرتے تے

"سبحانی ما اعظم شانی "

"میں پاک ذات ہوں میری بلندی شان کا کیا پوچھنا"

حضرت داتا گنج بخش ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "کیا کہنا ان کی گفتار کا نشانہ ہے اور در حقیقت یہ کہنے والا حق تعالیٰ ہی پردہ عبد میں ہے)

(کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص 443)

اس قسم کے اقوال بھی آپ کی طرف منسوب ہیں مثلاً

" اخذت بحر و وقف الانبیاء بساحله "

یعنی میں نے تو بحر معرفت میں غوطہ لگالیا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے رہے

ملکی اعظم من ملک الله

میری بادشاہت خدا کی بادشاہت سے عظیم ہے

یہ بھی کہا کہ" **مافی جتبی الا الله** "

میرے جبہ میں اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے اور

"لوزی ارفع من لواء محمد"

میرا جھنڈا احمدؐ کے جھنڈے سے بلند ہے (استغفر اللہ)

تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز۔ص 118

فرید الدین عطار نے بھی اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں جنید بغدادی کا مذکورہ قول جو سابق میں داتا گنج بخش کی کشف المحجوب کے حوالہ سے پرویز صاحب نے نقل کیا ہے بیان کیا کہ جنید بغدادی کہا کرتے تھے کہ بایزید بسطامی ہمارے درمیان ایسے تھے جیسے ملائکہ کے درمیان جبرئیل امین" (تذکرۃ الاولیاء عطار ص۔ 129)

اور مولانا روم نے اپنی مثنوی میں بایزید بسطامی کے بارے میں اس طرح سے لکھا ہے کہ

"بامریداں آں فقیر محتشم۔ بایزید آمد کہ یزاں تک منم

گفت مستانہ عیاں آں ذوفنوں لاالہ الا انا ھا فاعبدون

"یعنی اس فقیر محتشم بایزید نے اپنے مریدوں سے کہا کہ خدا تو میں ہی ہوں۔ اس صاحب کمال نے کھلم کھلا مستانہ کہا کہ نہیں ہے کوئی خدا سوائے میرے پس تم میری ہی عبادت کرو" مثنوی مولانا روم ص 376

اور غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" میں جو یہ لکھا ہے کہ بایزید بسطامی کہا کرتے تھے کہ "مافی جبتی الا الله" میرے جبہ کے اندر اللہ کے سواء اور کچھ نہیں ہے۔ تو اس بات کو مولانا روم نے بھی نظم کیا ہے چنانچہ وہ اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ بایزید بسطامی نے کہا

نیست اندر جبہ ام الا خدا چند جوئی در زمین و آسمان

مثنوی مولانا روم ص 376

یعنی خدا تو میرے جیہ کے اندر ہے تو زمین اور آسمان کے اندر کب تک ڈھونڈتا رہے گا۔

اس سارے بیان سے ثابت ہوگیا کہ حسین ابن منصور حلاج سے بہت پہلے بایزید بسطامی اپنی خدائی کا دعویٰ کر چکا تھا۔ کیونکہ منصور حلاج کو غلام احمد پرویز صاحب کی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' کے مطابق 309ھ میں سزائے موت دی گئی اور بایزید بسطامی کی تاریخ وفات خود انھوں نے اپنی اسی کتاب تصوف کی حقیقت میں 261ھ لکھی ہے اور فریدالدین عطار نے بایزید بسطامی کی عمر 70 سال لکھی ہے اس طرح بایزید بسطامی کی تاریخ پیدائش 191ھ بنتی ہے۔ بس بایزید بسطامی امام محمد تقیؑ کے زمانہ امامت میں پیدا ہوا اور امام محمد تقیؑ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کا زمانہ پایا کیونکہ امام حسن عسکریؑ کی وفات بھی 261ھ ہے لیکن بایزید بسطامی خواجہ فریدالدین عطاء کی تذکرۃ الاولیاء کی تحریر کے مطابق ساری عمر شام میں چکر لگاتا رہا اور آئمہ اہل بیت میں سے کسی سے بھی ملاقات کے لیے آنے کی زحمت گوارا نہ کی مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض شیعہ جو بایزید بسطامی کو شیعہ بنانے یا شیعہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ بایزید بسطامی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت میں رہا ہے حالانکہ بایزید بسطامی امام جعفر صادقؑ تو کجا ان کے فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی حیات میں بھی پیدا نہ ہوا تھا کیونکہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا سن وفات 25 رجب المرجب 183ھ ہے اور سب سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ بایزید بسطامی کو شیعہ کہنے والے حضرات میں بعض شیعہ علماء کا نام بھی آتا ہے۔
العجب ثم العجب اے خدا تو ہی بتا میں کیا کروں؟

بہرحال مذکورہ بیان سے ثابت ہوگیا ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے صوفی دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو خواہ ہندوؤں کے ویدانت کے نظریہ سے متاثر ہوکر خدا

بنے ہوں یا بدھ مت کے نروان کے عقیدہ سے متاثر ہو کر خدا بنے ہوں مذکورہ دونوں فلسفے یعنی ہندوؤں کے ویدانت کا فلسفہ یا بدھ مت کے نروان کا فلسفہ خالص حلول و اتحاد اور وصال و فنا فی اللہ و بقا باللہ کا فلسفہ ہے لہذا بایزید بسطامی اور حسین ابن منصور حلاج اگر متاثر ہوئے تو مذکورہ فلسفوں سے ہوئے ہیں۔

لیکن پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی کتاب ''اسلامی تصوف'' میں اسماعیلیہ شیعہ، یا باطنی شیعہ یا قرامطہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ صوفیا اسماعیلی شیعوں یا باطنی شیعوں سے متاثر ہوئے تھے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں اسماعیلی شیعہ، باطنی شیعہ، اور قرآمطہ صوفیوں کے بھیس بدل کر صوفیوں میں داخل ہو گئے اور اپنے عقائد کو صوفیوں کی کتابوں میں داخل کر دیا۔ حالانکہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسماعیلیوں کا اپنا خدائی کا دعویٰ ثابت کیا جائے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اسماعیلیہ کے عقائد کیا ہیں

اسماعیلیہ کے عقائد

اس میں شک نہیں کہ اسماعیلیہ اوران سے آگے پیدا ہونے والے پٹری سے اتر گئے اور جادہ حق سے دور ہو گئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت پر ایمان نہیں لائے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیات میں وفات پانے والے آپ کے فرزند اسماعیل کے بیٹے محمد کی امامت کے قائل ہو گئے لیکن ان کے عقائد کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اسماعیلیہ شیعہ کے وہ عقائد ہی نہیں ہیں جو صوفیوں میں پائے جاتے ہیں لہذا وہ ان عقائد کو ان کی کتابوں میں داخل نہیں کر سکتے جو ان کے ہیں ہی نہیں۔ پرویز صاحب نے ان کے عقائد کا بیان خود ان کے عالم سے اس طرح نقل کئے ہیں وہ لکھتے ہیں

''شیعیت کی بنیاد امامت یا ولایت کے عقیدہ پر ہے اس سے مراد کیا ہے؟اس کے متعلق شیعوں کے اسماعیلی فرقے کے ایک صاحب علم پیرو ڈاکٹر زاہد علی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام'' میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے وہ میں کہتے ہیں کہ اس عقیدہ سے مراد یہ ہے کہ:

''آنحضرتؐ کے دادا مولا اعبدالمطلب حضرت ابراہیم کی ذریت سے ہیں۔ آپ بھی حضرت ابراہیم کی طرح حضرت عیسیٰ کے دور میں مستقر امام تھے یعنی آپ میں نبوت ،رسالت ،وصایت اور امامت چاروں مراتب جمع تھے۔آپ نے اپنے دو فرزندوں مولانا عبدالللہ اور مولانا ابو طالب کو خدا کے امر و وحی سے الگ الگ رتبے دیئے پہلے کو نبوت و رسالت کے رتبے دے کر ظاہری دعوت کا صدر بنایا اور دوسرے کو وصایت و امامت کا درجہ دے کر باطنی دعوت کا رئیس مقرر کیا مولانا ابو طالب نے نبوت و رسالت کا رتبہ آنحضرت اور وصایت وامامت کا درجہ مولانا علی کو دیا۔

مولانا ابی طالب کی شان عظمت وجلالت اسے ظاہر ہے کہ آپ میں بھی مولانا عبدالمطلب کی طرح چاروں مراتب جمع ہو گئے تھے۔آپ کے بعد ہی یہی چاروں مراتب مولانا علی کی ذات میں جمع ہیں(ص 64-63)

چنانچہ مستقر امام مولانا علی ہیں جن پر دلالت کرنے کے لئے آنحضرت بھیجے گئے ....آپ نے جو آخری رسالت بہم پہنچائی وہ مولانا علی کی ولایت ہے گویا آپ کے مبعوث ہونے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آپ باطنی شرک کا مٹائیں (اور باطنی شرک یہ ہے کہ) دنیا میں کوئی شرک نہیں سب خدا کو واحد مانتے ہیں۔مگر لوگ شرک کرتے ہیں تو مولانا علی کی ولایت میں شرک کرتے ہیں (ص۔360)

تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز۔ص 55

مذکورہ عقائد کو دیکھتے ہوئے حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ عقیدہ رکھنے والے صوفیوں میں داخل ہو کر اور صوفیوں کا بھیس بدل کر وہ عقائد داخل نہیں کر سکتے تھے جو صوفیوں میں پائے جاتے ہیں لہذا احتماوہ صوفیوں کے خود اپنے عقائد ہیں اور اسماعیلیوں پر پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا یہ اتہام ہے اور کھلی ہوئی تہمت ہے ۔البتہ اسماعیلیوں کا نزاری فرقہ جسے آغا خانی فرقہ کہا جاتا ہے ان کے عقائد کچھ اس قسم کے ہیں جنہیں صوفیوں کے عقائد کے مشابہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ فرقہ خدائی کے دعوی کرنے والے صوفیوں کے بہت بعد پیدا ہوا ہے لہذا ان کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے اپنے عقائد صوفیوں کی کتابوں میں داخل کر دیئے ہوں گے ۔آیئے دیکھتے ہیں کہ آغا خانیوں کے عقائد کیا ہیں

آغا خانیوں کے عقائد

غلام احمد پرویز صاحب اپنی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' میں آغا خانی اور بوہرے'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''ہندوستا میں اسماعیلی خوجوں (آغا خانیوں)اور بوہروں پر مشتمل ہیں ان کے عقائد اور بھی عجیب وغریب ہیں جنہیں ہم مرزا محمد سعید دہلوی (مرحوم) کی کتاب ''مذاہب اور باطنی تعلیم'' کے حوالے سے درج کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ

''ادوار سابقہ میں حضرت علی ''وشنو'' تھے اور حضرت محمد ویدباس کا قالب اختیار کیا جب حضرت علی اپنی معروف عام حیثیت میں نمودار ہوئے تو وہ وشنو کا دسواں اوتار نشی کلنکی تھے........ بعض خوجے یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ حضرت علی نعوذباللہ خدا اور سیدنا محمد ان کے پیغمبر تھے ۔موجودہ آغا خانی نزاری آئمہ حضرت علی کا اوتار تصور کئے جاتے ہیں اور

اس طرح انھیں بھی وحی مرتبہ الوہیت حاصل ہے جو حضرت علی کو حاصل تھا خوجے اور شمشی ہندو انہیں اپنا معبود تصور کرتے ہیں"   مذہب اور باطنی تعلیم ۔ص 339-340

تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ۔ص 56

اس کے بعد پرویز صاحب اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں "اسماعیلیوں کا سب سے زیادہ مشہور فرقہ نزاری ہے جس کا ایک امام حسن بن صباح تھا ۔باطنی فدائی اس کے متقدمین کہلاتے ہیں ۔آغا خانیوں اور بوہروں کا تعلق اس فرقے سے ہے۔

حاشیہ تصوف کی حقیقت غلام احمد پرویز ۔ص 56

اسماعیلیوں کا کوئی بھی فرقہ صوفیاء کے عقائد خراب نہیں کرسکتا تھا

ہم نے پرویز صاحب کی کتاب "تصوف کی حقیقت" سے اسماعیلیوں کے دونوں فرقوں کے عقائد لکھ دیئے ہیں ہر چند کہ ان کے عقائد میں تجاوز اور نزاری یعنی آغا خانیوں کے عقائد میں غلو پایا جاتا ہے لیکن جیسا کہ پرویز صاحب نے لکھا ہے نزاریوں کا ایک امام حسن بن صباح تھا اور بلال زبیری کی کتاب فرقے اور مسالک کے صفحہ 215 کے مطابق حسن بن صباح کی تحریک کا آغاز 464ھ میں ہوا جبکہ وہ مصر میں فاطمی خلیفہ کے بیٹے نزار کو مستنصر کا جانشین بنانا چاہتا تھا اور مستنصر کا وزیر مستنصر کے دوسرے بیٹے مستعلی کو اس کا جانشین بنانا چاہتا تھا لہٰذا حسن بن صباح نے مصر چھوڑ دیا اور کرمان ، اصفہان ،طبرستان جا کر نزار کی امامت کا اعلان کردیا اور نزار کی موت کے بعد اس نے خود اپنی امامت کا اعلان کردیا۔   (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 215)

اب غور کیجئے کہ بایزید بسطامی نے جن کی وفات 261ھ ہے حتماً 261ھ سے

پہلے ہی خدائی کا دعویٰ کیا اور حسین ابن منصور حلاج نے جس کی وفات 309ھ ہے حتماً 309ھ سے پہلے ہی خدائی کا دعویٰ کیا اور نزاری فرقے کے پہلے امام حسن بن صباح کی تحریک کا آغاز ہی 464ھ کے بعد ہوا لہٰذا ابا یزید بسطامی اور حسین ابن منصور حلاج سے خدائی کا دعویٰ حسن بن صباح یا اس کے مرید نہیں کرا سکتے تھے کیونکہ اس وقت ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

فی الحقیقت پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی کی کتاب سراسر جھوٹ کا پلندہ، تہمتوں کا طومار، حضرت علیؑ سے بغض وعناد اور واضح حقائق سے انکار کا مجموعہ ہے اور ان کی کتاب کا نام "اسلامی تصوف" ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اپنے مے کدہ کا نام "اسلامی شراب خانہ" رکھ لے وہ اپنی اس کتاب میں صوفیوں کی ساری خرابیوں کو کسی نہ کسی طرح شیعوں کے اسماعیلی فرقے کے سرمنڈھنے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ حلول واتحاد اور وحدت الوجود کے یہ مشرکانہ عقائد صوفیوں نے کہاں سے لئے بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ دوسرے اور تیسرے طبقہ کے صوفیاء حلول واتحاد اور وحدت الوجود کے قائل تھے چاہے انھوں نے یہ عقائد جہان سے بھی لئے ہوں۔ کیونکہ ماخذ علم ہو جانے سے ان کے عقائد اور خدائی کے دعوؤں پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور ماخذ کا علم ہو جانے سے ان کو ان کے دعوؤں سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ماخذ کا علم ہو جانے سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے یہ نظریہ کہاں سے اخذ کیا۔

تیسرے طبقہ کے صوفیاء

تیسرے طبقہ کے صوفیاء میں وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے صوفی ہیں ہم سابق میں غلام احمد پرویز صاحب کی کتاب "تصوف کی حقیقت" سے لکھ آئے ہیں کہ اس

نظریے کے بانی محی الدین ابن عربی ہیں جو شیخ اکبر کے نام سے معروف ہیں ان کے بعد تقریباً سارے صوفی وحدت الوجود کے قائل ہو گئے۔غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' میں صفحہ 76 پر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا سن وفات 638ھ لکھا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت الوجود کا عقیدہ ساتویں صدی ہجری میں وجود میں آیا۔

جاوید اختر بھٹی پنی کتاب ''فلسفہ مذہب'' میں لکھتے ہیں کہ:

''شیخ اکبر فلسفی تھے میرے خیال میں وہ مسیحیت سے زیادہ افلاطون سے متاثر تھے کیونکہ انھوں نے جس فلسفہ کی اشاعت کی اس میں زیادہ تر فلسفہ افلاطونی ہے''

فلسفہ مذہب جاوید اختر بھٹی۔ص 81

فلسفہ مذہب کے فاضل مصنف شیخ اکبر کے وحدت الوجود کے نظریے کو ان کی کتاب ''فصول الحکم'' سے بیان کرنے کے لئے چند اقتباس دیے ہیں جو اسطرح ہیں:

''اعیان کی نسبت سے عالم ہی خدا ہے۔وحدت تجلیات میں گم ہے اور ان تجلیات کے ماوارو حدت کا کوئی وجود نہیں'' (فصول الحکم)

''عالم اورخدا عین یک دیگر ہیں'' (فصول الحکم)

''لفظ کن کے ذریعہ تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ خالق نے خود بصورت اشیاء نزول فرمایا'' (فصول الحکم)

''نحن اقرب الیہ من الحبل الورید'' اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا خود بندے کے اعضاء جوارح کی حقیقت ہے۔ (فصول الحکم)

فلسفہ مذہب جاوید اختر بھٹی۔ص 81

محی الدین ابن عربی فصول الحکم میں فصل شثی لکھتے ہیں

''میں احکام خدا سے حاصل کرتا ہوں اور میں خاتم الاولیاء ہوں (فصول الحکم)

''یہ کتاب مجھے پیغمبر نے عطا کی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ میں لوگوں میں اس کی تبلیغ کروں (فصول الحکم)

فص ہارونی میں کہتا ہے

''سامری کے بچھڑے کی عباس عین خدا کی عبادت ہے اور عارف کامل وہ ہے جو ہر بت کو خدا سمجھے۔ (فصول الحکم)

فص نوحی میں کہتا ہے

''نوح جو لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دیتے تھے وہ مکروفریب اور دھوکا تھا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ بت خدا ہی کی صورت میں تھے۔ (فصول الحکم)

فصل ابراہیمی میں کہتا ہے کہ

''خلق خدا کے اندر اور خدا خلق کے اندر جاری وساری ہے'' (فصول الحکم)

دوسرے مقام پر کہتا ہے

''فرعون اہل رحمت میں سے ہے'' (فصول الحکم)

العجب ثم العجب سمجھ نہیں آتا کہ کیا لکھوں؟

فصول الحکم کے اقتباسات نمونے کے طور پر اوپر لکھے گئے ہیں ہفت روزہ رضا کار 8 تا 15 فروری 2000 میں ایک مضمون ''حضرت امام خمینی کی تالیفات وتصنیفات'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو ترجمہ وترتیب ہے محمد رضا صاحب عابدی اور مدیر محترم رضا کار کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دوسری زبان سے ترجمہ کر کے لکھا گیا ہے اور چونکہ یہ

انقلاب اسلامی ایران کی سالگرہ کی حیثیت سے شائع ہوا ہے لہذا قیاس غالب یہ ہے کہ یہ مضمون کسی ایرانی اتھارٹی کی طرف سے دیا گیا ہے اس میں اکثر کتابیں تصوف و عرفان میں ہیں جن میں نمایاں طور پر فصول الحکم کی شرح پر حاشیہ اور حاشیہ پر مصباح الانس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علاوہ ازیں محترم امین شہیدی صاحب نے ایک مضمون ماہنامہ العارف میں شائع کیا جس کے کچھ اقتباسات ہم نے اپنی کتاب "شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے" خصوصاً تصوف و عرفان قرآن وحدیث و رتاریخ کی نظر میں" میں بھی شائع کیے تھے اور حسب ضرورت ان کا آگے چل کر اسی کتاب میں بھی اعادہ ہوگا ان میں سے ایک اقتباس اس طرح ہے "ان بکھرے راستوں کو، اس سفر میں پیش آنے والی منزلوں کو اور سفر انسانیت کی آخری منزل کو اہل علم وفضل نے ایک علم کی شکل دینے کی جدوجہد شروع کر دی ہے اور اس سلسلہ میں بایزید بسطامی سے بوعلی تک۔ محی الدین ابن عربی سے جلال الدین رومی تک ،حافظ شیرازی سے امام خمینی تک سب نے اپنا اپنا کر ادا کیا ہے جس کے نتیجہ میں اسلامی ثقافت کے دام میں عرفان ایک علم کی حیثیت سے پروان چڑھا۔

اب کی گفتگو سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عرفان اصل میں مکتب اسلام کی آغوش میں ہی پرورش یافتہ علم ہے جس کے دو اہم پہلو ہیں ایک عرفان نظری جس کا تعلق افکار کی دنیا ہے اس موضوع پر امام خمینی نے "فصول الحکم ابن عربی" اور مقدمہ قیصری کا سالہا سال تدریس فرمائی اور گراں قدر اثاثے چھوڑے

ماہنامہ العارف فروری 2000 ص 19

اس کے بعد ان کے عرفان کے موضع پر کچھ آثا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عرفان نبی کے موضوع پر آپ نے شرح فصول الحکم، مصباح الانس اور مفتاح پر

حواشی تحریر فرمائے جو اہل فن کے لئے فکر اور معرفت کے نئے دریچے کھول دیتے ہیں

ماہنامہ العارف فروری 2000 ص 19

میں حیران ہوں کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں امام خمینی اور ابن عربی کی مذکورہ کتاب فصوص الحکم کی سالہا سال تدریس؟ العجب ثم العجب یہ بات نہ کہنے کی نہ لکھنے کی نہ سمجھنے کی نہ سمجھانے کی۔ لہذا قلم روکتا ہوں۔

جاوید اختر بھٹی صاحب نے اپنی کتاب ''فلسفہ مذہب'' میں محی الدین ابن عربی کی کتاب ''فتوحات مکیہ'' سے بھی چند اقتباس نقل کئے ہیں ان کا نمونہ ملاحظہ ہو

محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے آغاز میں لکھا ہے:

''میں نے پیغمبر کی زیارت کی تو انھوں نے مجھے اپنی خاتمیت میں اپنا شریک بنالیا'' (فتوحات مکیہ)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

''میں قطبیت کے مقام پر صرف اس لئے پہنچا کہ میں نے رسول اللہ کے تمام آداب پر عمل کیا اور اس مقام پر کوئی نہیں پہنچ سکا سوائے احمد حنبل کے، کیونکہ انھوں نے ساری عمر خربوزہ نہیں کھایا، وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ پیغمبر خربوزہ کس طرح کھاتے تھے۔ فلسفہ مذہب جاوید اختر بھٹی بحوالہ (فتوحات مکیہ)

بہرحال تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وحدالوجود کے بانی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہیں و رعلمائے شیعہ امامیہ اثناءعشریہ ہوں یا علمائے اہل سنت سب کے سب عقیدہ وحدت الوجود کے کفر ہونے پر متفق ہیں۔ پس اگر کوئی وحدت الوجود کا قائل ہے تو وہ صوفی وحدت الوجودی ہے چاہے وہ جبر و دستار کے اندر چھپا ہوا سنی عالم کہلاتا ہو یا عمامہ ع عبا وقبا کے اندر مستور شیعہ عالم ومجتہد کے طور پر شہرت رکھتا ہو اور اس سلسلہ میں حدیقہ شیعہ میں

مرقوم مقدس اردبیلی کی فرمانشان حیدرعلی آملی کے بارے میں ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

یہاں پر ابن عربی کے بارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی بات بھی سن لیجئے وہ اپنی کتاب ''اسلامی تصوف'' میں ''شیخ محی الدین ابن عربی پر ظلم'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ ''انھوں نے سر مو اشاعرہ کے مسلک یعنی (سنی مذہب) سے انحراف نہیں کیا ہے ....لیکن ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے''

اسلامی تصوف یوسف سلیم چشتی۔ص 72

اور اس تدسیس سے مراد ان کی یہ ہے کہ محی الدین ابن عربی کی کتابوں میں آئمہ اہل بیت سے متعلق جو کوئی تعریف کی بات درج ہے وہ انھوں نے نہیں لکھی ہے بلکہ وہ بات سبائیہ اور قرامطہ کی داخل کردہ ہے۔

یہاں پر بھی وہی لطیفہ ہے جو معروف کرخی کے بارے میں لکھ کر آئے ہیں کہ شیعہ ان کو شیعہ سمجھتے ہیں اور سنی ان کو سنی سمجھتے ہیں سنی کہتے ہیں وہ خلفاء ثلاثہ کو اہل سنت کی طرح مانتے تھے شیعہ کہتے ہیں وہ ایسی بات تقیہ میں کہتے تھے۔

یہی حال محی الدین ابن عربی کا سن کو سنی سمجھتے ہیں اور اشاعرہ کے مسلک پر جانتے ہیں جیسا کہ یوسف سلیم چشتی کے بیان سے ثابت ہے اور شیعہ انھیں شیعہ سمجھتے ہیں اور انھیں شیعہ سمجھنے والے سارے شیعہ صوفی شیعہ ہیں۔

اور ایران کے اکثر صوفی شیعہ وحدت الوجودی ہیں ارو وہ تصوف کو عین تشیع سمجھتے ہیں جیسا کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی کتاب ''اسلامی تصوف'' میں حیدر علی آملی صاحب کی تفسیر بحرالابحار کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''تصوف طریقہ مرتضوی است وتصوف وتشیع یک معنی دارد''

اسلامی تصوف یوسف سلیم چشتی ص 90

کتاب ''از کوئے صوفیان تو حضور عارفان'' کے مصنف نے بھی ''تشیع اور تصوف کا پیوند'' کے عنوان کے تحت حیدر علی آملی کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد اس طرح سے لکھا ہے:

''حیدر علی آملی نے اپنی تحریروں میں تصوف اور تشیع کی وحدت کے اثبات اور اس مفہوم کو باور کرانے کی پوری کوشش کی ہے کہ عقیدہ شیعی اور صوفی دو نام ضرور ہیں لیکن مفہوم ایک ہی ہے'' ''کتاب از کوئے صوفیان تو حضور عارفان''

بحوالہ تصوف و تشیع کامل مصطفےٰ چیشی ص 97-98

اس کے علاوہ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ

اسی طرح دوسرے لوگوں نے یہ بھی سعی کی ہے کہ یہاںتک کہ عصر حاضر میں مصطفےٰ کامل شیبی نے ''الفکر الشیعی والنزاعات الصوفیہ'' اور ''الصلۃ بین التصوف والتشیع'' تدوین کی دونوں کے فارسی ترجمے ہو چکے ہیں اور تشیع اور تصوف کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے۔

(کتاب از کوئے صوفیان تو حضور عارفان ص 91)

شاہ نعمت اللہ ولی ایرانی شیعہ صوفیوں کے مرشد ہیں

شاہ نعمت اللہ ولی کرمان کے قصبہ کھیتان میں 703ھ میں پیدا ہوئے سارے ایرانی صوفی اپنا سلسلہ ارشاد انہی تک پہنچاتے ہیں اور خود کو شیعہ اثنا عشری کہتے ہیں اور شاہ نعمت اللہ ولی کو ام السلاسل سمجھتے ہیں یعنی ایران کے شیعہ صوفیوں کے سارے سلسلے ان تک پہنچتے ہیں۔ معصوم علی شاہ اپنی کتاب ''الطرائق'' میں لکھتے ہیں کہ ان کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی تھی۔

پس شاہ نعمت اللہ ولی ایران ہی کے رہنے والے تھے اور وہ وحدت الوجود کے

قائل تھے اور ایران کے تمام صوفیاء کے اکثر سلسلے شاہ نعمت اللہ ولی سے ہی چلتے ہیں۔

شیروانی اپنی کتاب ''بستان السیاحۃ'' میں لکھتے ہیں کہ شاہ نعمت اللہ ولی نے ایران اور عربستان کا سفر کیا اور شیخ عبداللہ یافعی کی خدمت میں رہ کر کوئی چلے ریاضت کی اور پھر اپنے مرشد عبداللہ یافعی سے رخصت ہو کر واپس اپنے وطن ایران آ گئے۔

شاہ نعمت اللہ ولی کا سلسلہ ارشاد

شاہ نعمت اللہ ولی نے خود اپنا سلسلہ ارشاد اپنے دیوان میں اس طرح بیان کیا ہے

پیر ما کامل و مکمل بود   قطب وقت و مام عادل بود

وقت ارشاد چون سخن گفتی   در تو حیدان کو سفتی

یافعی بود مام عبداللہ   رہبر رہبروان ایں درگا

صالح بریری و روحانی   شیخ شیخ من است تا دانی

پیر ادھم کمال کوفی بود   کنز کمالش بسے کمال افزود

باز شد ابو الفتوح وسعید   کہ سعید است آں سعید شہید

مختصر یہ ہے کہ شاہ نعمت اللہ ولی نے اپنے دیوان اشعار میں یافعی 2 صالح بریری 3 کمال کوفی 4 ابو الفتوح ۵ ابو مدین مغربی 6 ابو مسعود اندلسی 7 ابو البرکات 8 ابو الفضل بغدادی 9 احمد غزالی 10 ابو القاسم نساج 11 ابو عثمان 12 بوعلی کاتب 13 بوعلی اوزباری 14 جنید بغدادی 15 سری سقطی 16 معروف کرخی 17 داؤد طائی 18 حبیب محبوب عجمی 19 حسن بصری۔

شاہ نعمت اللہ ولی نے اپنے دیوان میں سری سقطی کے بعد پیروں کے نام اس طرح نظم کیا ہے

باز شیخ سری بود معروف | چوں سری سر او مکشوف
شیخ معروف را نکو میداں | شرط داؤد طائیش میداں
شیخ او هم حبیب محبوبست | عجمی طالب است و مطلوب است
پیر او بصری و حسن باشد | شیخ شیخان اکمن باشد

یہ ہے شاہ نعمت اللہ ولی کا سلسلہ ارشاد جو انھوں نے خود اپنے دیوان میں نظم کیا

ہے

اور شاہ نعمت اللہ ولی نے اپنے دیوان میں اپنا مسلک اسطرح سے واضح طور پر

بیان کیا ہے

رافضی کیست دشمن ابو بکر | خارجی کیست دشمنان علی
ہر کہ او چار یار رادارد دوست | امت پاک مذہب است و ولی
دوستدار صحابہ ام بتمام | یار سنی و خصم معتزلی

دیوان شاہ نعمت اللہ ولی ص 487

ترجمہ: رافضی کسے کہتے ہیں جو ابو بکر کا دشمن ہو۔ خارجی کون ہے جو علی کا دشمن ہو۔ جو ان چار یاروں کو دوست رکھتا ہے وہی پاک مذہب رکھتا ہے اور ولی ہے۔ میں صحابہ کا دوستدار ہوں سنی اشعری ہوں اور معتزلہ کا دشمن ہوں۔

شاہ نعمت اللہ ولی نے اپنے دیوان میں خواپنے سنی اشعری ہونے کا اقرار کیا ہے لیکن ایران کے سارے شیعہ صوفی انھیں شیعہ سمجھتے ہیں دلیل ان کی یہ ہے کہ شاہ نعمت اللہ ولی نے حضرت علی کی مدح میں اشعار کہے ہیں اور اپنے دیوان میں امام مہدی آخر الزمان کا ذکر کیا ہے۔

شاہ نعمت اللہ ولی کے امام مہدی کی شان میں ابتدائی اشعار یہ ہیں:

قدرت کردگاری بینم   حالت روزگاری بینم

چوں زمستان پنجمیں بگذشت   ششمس خوش بہاری بینم

نائب مہدی آشکار شود   بلکہ من آشکاری می بینم

شاہ نعمت اللہ ولی کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف غلط ثابت ہوئی کیونکہ اب تک پانچواں موسم سرما نہیں بلکہ سات سو سال گذر گئے ہیں اور نائب مہدی کا ظہور نہیں ہوا۔ دوسرے نائب مہدی خاص طور سے غائب نہیں ہے۔ تیسرے حضرت امام مہدی کی خبر اکثر اہل سنت نے اپنی کتابوں لکھی ہے اور انھیں اس بناء پر شیعہ نہیں سمجھا جاتا۔

شاہ نعمت اللہ ولی وحدت الوجودی تھے

شاہ نعمت اللہ ولی وحدت الوجوی تھے اور وحدت الوجود کے عقیدہ رکھتے تھے ان کے دیوان سے بے شمار اشعار اس کے ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں

نمبر 1:   از ہستی خویش چوں نیست گشتم

فارغ چو یزید بو بو یزیدیم

معشوق خودیم و عاشق خود

ہم سیت خوشین ہم عبیدیم   (دیوان شاہ نعمت اللہ ولی ص 26)

نمبر 2:   عشق و معشوق و عاشق اے عارف   ہمچو موج وحباب و دریا شد

نظر کن کہ غیر یک شی نیست   گر چہ اندر ظہور اشیا شد

(دیوان شاہ نعمت اللہ ولی ص 14)

نمبر 3:   من عین تو و عین من واین عینین

یک عین بود ظہور او در کونین

(دیوان شاہ نعمت اللہ ولی ص413)

نمبر 4	در مرتبہ ای جسم است	در مرتبہ ای روح است
	در مرتبہ ای جاں است	در مرتبہ ای جاناں
	در مرتبہ ای جام است	در مرتبہ ای بادہ
	در مرتبہ ای ساقی	در مرتبہ ای رنداں
	در مرتبہ ای شاہ است	در مرتبہ ای درویش
	در مرتبہ ای بندہ	در مرتبہ ای سلطان
	در مرتبہ ای فرعون	در مرمرتبہ ای موسیٰ
	در مرتبہ ای کفر است	در مرتبہ ای ایمان

(دیوان شاہ نعمت اللہ ولی ص515)

مختصر مفہوم جسم بھی وہی ہے روح بھی وہی جان بھی وہی ہے جاناں بھی وہی، جام بھی وہی ہے شراب بھی وہی، ساقی بھی وہی ہے رند بھی وہی۔ شاہ بھی وہی ہے درویش بھی وہی۔ غلام بھی وہی سلطان بھی وہی فرعون بھی وہی موسیٰ بھی وہی کفر بھی وہی ایمان بھی وہی

نمبر 5: گرد اعیان مدتے گردیدہ ام

عین اعیان عین او وا دیدہ ام

یک وجود است وصفاتش بے شمار

آں یکے در ہر یکے خوش می شمار

مظہر و مظہر بنزد ما یکے است

اب ایں دریا وایں دریا یکے است

بک حقیقت درھزارش اعتبار

ان یکے باشد یکے نے صد ہزار

(دیوان شاہ نعمت اللہ ولی ص 539)

شاہ نعمت اللہ ولی کے وحدت الوجوی ہونے کے ثبوت میں مذکور اشعار ہی کافی ہیں اور ایران کے سارے صوفی شیعہ ان کو شیعہ سمجھتے ہیں اور اپنا سلسلہ ارشاد ان تک پہنچاتے ہیں شاہ نعمت اللہ ولی کا سلسلہ ارشاد خود ان کے دیوان سے اوپر لکھا جا چکا ہے ایران کے دوسرے صوفی شیعوں کے سلسلہ اس طور پر ہیں

سلطان شاہ گنابادی کا سلسلہ ارشاد

سلطان شاہ گنا ہادی کا سلسلہ ارشاد سعادت نامہ میں اس طرح لکھا ہے

۱۔سلطان شاہ گنابادی (۲) محمد کاظم اصفہانی (۳) زین العابدین ملقب بہ مست علیشاہ (۴) مجذوب علیشاہ (۵) حسین علیشاہ اصفہانی (۶) نور علیشاہ (۷) معصوم علیشاہ) (۸) رضا علیشاہ (۹) شمس الدین (۱۰) محمود شاہ (۱۱) شمس الدین حسینی (۱۲) میر شاہ کمال الدین (۱۳) مہر شاہ (۱۴) مہر شاہ (۱۵) شمس الدین محمد (۱۶) شاہ برہان الدین (۱۷) شاہ کمال الدین (۱۸) مہر شاہ مجیب اللہ (۱۹) برہان الدین خلیلی فرزند نعمت اللہ ولی (۲۰) شاہ نعمت اللہ ولی (۱۲) عبداللہ یافعی۔ (سعادت نامہ۔ص9)

عبداللہ یافعی سے اوپر شاہ نعمت اللہ ولی کا سلسلہ ارشاد سابقہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سلطان شاہ گنا باری کا سلسلہ ارشاد بھی شاہ نعمت اللہ ولی کیواسطہ سے متقدمین صوفیہ جنید بغدادی، سری سقطی، معروف کرخی، داؤد طائی، حبیب عجمی اور حسن بسری تک پہنچتا ہے، لیکن ایران کے سلسلہ ذہبیہ ایک دوسرے واسطے سے جنید بغدادی

تک پہنچاتا ہے جو اس طرح ہے۔

محمد نور بخش کے سلسلہ ذہبیہ کا سلسلہ ارشاد

محمد نور بخش کا سلسلہ ارشاد کتاب تحفۃ الاخبار میں اس طرح سے لکھا ہوا ہے

محمد نور بخش مرید تھا اسحق ختلانی کا وہ مرید تھا محمود مردقانی کا وہ مرید تھا علاؤ الدین سمنانی کا وہ مرید تھا عبدالرحمن کا وہ مرید تھا نجم الدین کبری کا وہ مرید تھا عمار بدلی کا وہ مرید تھا ابو نجیب کا وہ مرید تھا احمد غزالی کا وہ مرید تھا ابو بکر جولا کا وہ مرید تھا بوعلی کاتب کا وہ مرید تھا بوعلی اودباری کا وہ مرید تھا جنید بغدادی کا وہ مرید تھا سری سقطی کا وہ مرید تھا معروف کرخی کا وہ مرید تھا داؤد طائی کا وہ مرید تھا حبیب عجمی کا وہ مرید تھا حسن بصری کا

کتاب تحفۃ الاخبار ص 202

اس سے معلوم ہوا کہ محمد نور بخش کا سلسلہ بھی ایک دوسرے واسطے سے متقدمین صوفیہ جنید بغدادی، سری سقطی، معروف کرخی، داؤد طائی، حبیب محبوب عجمی اور حسن بصری تک پہنچتا ہے۔

صفی علیشاہ کا سلسلہ ارشاد

صفی علیشاہ کا سلسلہ ارشاد اس طور پر ہے صفی علیشاہ مرید تھا رحمت علیشاہ کا وہ مرید تھا مست علیشاہ کا وہ مرید تھا مجذوب شاہ کا وہ مرید تھا حسن علیشاہ کا وہ مرید تھا نور علیشاہ کا وہ مرید تھا معصوم شاہ کا۔ معصوم علیشاہ سے اوپر شاہ نعمت اللہ ولی تک سلسلہ ارشاد سلطان شاہ گنا باری کے سلسلہ ارشاد میں بیان ہو چکا ہے۔

پس صفی علی شاہ کا سلسلہ ارشاد بھی شاہ نعمت اللہ ولی کے واسطہ سے متقدمین صوفیہ جنید بغدادی، سری سقطی معروف کرخی، داؤد طائی اور حسن بصری پر جا کر ختم ہوتا ہے صفی

علیشاہ کا اصل نام حاج مرزا حسن ہے۔ جس کا سن پیدائش 1251ھ 1316ھ میں وفات پائی ۔اس کی تالیفات میں زندۃ الاسرار، عرفان الحق اور تفسیر صفی ہیں جس میں اس نے اپنے عقیدہ کے مطابق تفسیر کی ہے۔

صفی علیشاہ کی کتابوں سے چند اشعار

صفی علیشاہ بھی دوسرے صوفیوں کی طرح خرقہ ولایت جسے وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو دیا تھا 1200 سال کے بعد حضرت علی سے کھینچ کرلاتے ہیں وہ اپنی کتاب عرفان الحق میں فرماتے ہیں:اُ

مورد عفو اسد اللہ شد

صاحب ایں خرقہ و ایں راہ شد

مژدہ رحمت کہ بگوشم رسید

خرقہ فقر از تو بدو ستم رسید

تا ھمہ دانند کہ ستار کیس

غیر علی فاعل مختار کیست

(کتاب عرفان الحق صفی علیشاہ۔ص 61)

اور اپنی کتاب زبدۃ الاسرار میں وحدت الوجود کے مضمون اشعار میں کہتا ہے

ھستی بیچوں کہ آں ذات حق است

عارفش کو ید وجود مطلق است

در تقید صوفی کامل بود

چوں شود مطلب قلندر دل بود

شد چہ مطلق خود سر و خود کام شد

رندو قلاش وقلندر را مرشد

(زبدۃ الاسرار چاپ تہران ۔ص 181)

ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے

ذاکر و مذکور و ذکر اسما یکے است

بیشمار اگرچہ بیسہ اما یکی است

شاہ فردا نے کہ نقطہ تخت با است

چوں شدی واصل یقین ذات خدا است

زندۃ الاسرار چاپ تہران ص 158

ایک اور مقام پر کہتا ہے کہ منصور بھی میں ہی ہوں بایزید بھی میں ہی ہوں اور بر ملا وحدت الوجود کا اقرار کرتے ہوئے حضرت علیؑ کو ابدی اور خالق کہتا ہے اس کے وہ اشعار اسطور پر ہیں:

اے علی اے رہبر ارباب دل

عارفاں را از تو فتح باب دل

ھر چہ غیر از تو ھمہ ذات تو است

زرہ ھا فانی و باقی ذات تو است

خواستی ظاہر چو تو عرفان خوش

خلق اشیاء کردی از احسان خویش

طبل وحدت را کنوں افشا زنم

لا کدارم نوبت الا زنم

اے فقیران کار دھا حاضر کنید

بایزید عصر را بر تن زنید
واجب آمد اینکہ مکشند مہدار
تا انا الحق گوی گردو سنگسار

زبدۃ الاسرار چاپ تہران ۔ ص 76

ترجمہ: اے علیؑ اے صاحبان دل کے رہبر عارفوں کے دل کا دروازہ تجھ سے ہی کھلتا ہے تیرے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب تیرے ذرات ہیں ، ذرے تو فنا ہو جائیں گے مگر تیری ذات باقی رہے گی جب تو نے اپنے عرفان کو ظاہر کرنا چاہا تو تو نے اپنے احسان سے ساری مخلوق کو پیدا کیا اب میں کھلم کھلا وحدت الوجود کا نقارہ بجاتا ہوں لا کو چھوڑ کر الا کی نوبت بجاتا ہوں اے درویشوں چھریاں لے کر آؤ اور بایزید عصر کے جسم پر وار کرو، اب یہ واجب ہو گیا ہے کہ مجھے سولی پر چڑھایا جائے تاکہ مجھے جو انا الحق کا نعرہ لگا رہا ہے سنگسار کیا جائے۔

ہم نمونہ کے طور پر مذکورہ چند اشعار پر ہی اکتفا کرتے ہیں اگر چہ ایران کے شیعہ صوفی تقریباً حلول واتحاد کے قائل دکھائی نہیں دیتے بلکہ وحدت الوجود کے قائل نظر آتے ہیں اور اس کا تصوف کی بجائے عرفان نام رکھتے ہیں جس کا بانی محی الدین ابن عربی ہے لیکن وہ حلول واتحاد کے قائل حسین ابن منصور حلاج سے عقیدت رکھتے ہیں اور بایزید بسطامی سے بھی اظہار عقیدت کرتے ہیں کیونکہ وحدت الوجو اتحاد میں غلو ہے اور اتحال حلول میں غلو ہے حلول میں خدا کسی چیز میں سماتا ہے اتحاد میں خدا جس کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے وہ خدا بن جاتا ہے اور وحدت الوجود میں ہر چیز کو خدا بناتا ہے لہذا وہ اس کی ابتداء کرنے والوں اور اس کو ترقی دینے والوں سے عقیدت رکھتے ہیں۔

حضرات شیخین کو مذہبی پیشوا بنانے والے

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ ایران کے صوفی شیعوں کے پیرو مرشد بھی وہی متقدمین صوفیاء ہیں جو حلول و اتحاد اور وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اور اہل سنت صوفیوں کے پیرومرشد بھی وہی متقدمین صوفیاء جو حلول و اتحاد اور وحدت الوجود کے قائل تھے اس لئے ان متقدمین صوفیاء کو شیعہ صوفی شیعہ سمجھتے ہیں اور سنی صوفی انھیں سنی سمجھتے ہیں۔

اور اس بارے میں ہم اوراق سابقہ میں نقل کر آئے ہیں کہ سنی ان کو سنی اس لئے مانتے ہیں کیونکہ وہ حضرت ابو بکر کو حضرت عمر کو اور حضرت عثمان کو خلیفہ رسول مانتے تھے اور ان متقدمین صوفیاء کے شیعہ عقیدتمند یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے خلفاء ثلاثہ کے بارے مُس اپنے ایمان کا اظہار تقیہ میں کیا ہے۔

لیکن اگر کوئی غیر جانبدار محقق اس بارے میں غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ حضرت ابو بکر کو حضرت عمر کو اور حضرت عثمان کو مذہبی پیشوا اور مذہبی رہنما کے طور پر منوانے والے یہ صوفی اور بنی عباس کے زمانے میں پیدا ہونے والے آئمہ اربعہ ہی ہیں۔ ورنہ انھوں نے خود کبھی مذہبی پیشواء ہونے اور دینی رہنما ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ نہ انھوں نے کبھی یہ کہا انہیں خدا نے مقرر کیا ہے نہ انھوں نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ انھیں رسول اللہؐ نے مقرر فرمایا ہے نہ انھوں نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ منصوص من اللہ ہیں اور خدا کے مقرر کردہ امام اور ہادی خلق ہیں۔ نہ انھوں نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ خدا نے پیغمبرؐ کو جتنے علوم عطاء کئے تھے وہ پیغمبر نے ہمیں ودیعت کر دیئے ہیں۔ لہذا دین و شریعت کا جو مسئلہ پوچھنا ہو ہم سے پوچھ لو۔

البتہ دنیاوی سیاست کے اعتبار سے وہ کامیاب ہو کر برسر اقتدار آئے اور دنیا

میں کوئی احمق اور انتہائی درجے کا بے خبر بلکہ جاہل و بے وقوف ہی ہوگا جو پیغمبر کے بعد ان کے برسر اقتدار آنے کا انکار کرے۔ یقیناوہ پیغمبر کے بعد برسر اقتدار آئے، مملکت اسلامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے حکم چلایا، فتوحات کیں، کشور کشائی میں نام پیدا کیا، ملکی انتظام ایک منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح کیا۔

لیکن مذہبی پیشوا اور دینی رہنما بنانے کے لئے معاویہ کے ادارہ حدیث سازی نے احادیث کا مواد مہیا کیا اور صوفیا اور آئمہ اربعہ اور ان کی پیروی کرنے والے علماء نے پیغمبر کے بعد ان برسر اقتدار آنے والے اصحاب پیغمبر کو ایک مذہبی پیشواء اور دینی رہنماء کے طور پر متعارف کرایا اگر یہ ایسا نہ کرتے تو تو تاریخ میں دوسرے حکمرانوں کی طرح ان کے برسر اقتدار آنے، ممالک کو فتح کرنے، کشور کشائی کرنے، سلطنت کا اعلیٰ انطام کرنے وغیرہ سے متعلق واقعات ہی زیب تاریخ ہوتے اور تاریخ ان کو دنیا کے کامیاب ترین حکمرانوں کے طور پر اپنے اوراق میں جگہ دیتی اور آئمہ اہل بیت پر ہدایت کے سرچشمہ کے طور پر لوگ ایمان لاتے اور امور دین کی اصلاح کے لئے ان کی پیروی کی جاتی۔ لہذا یہی وہ حضرات جو خدا کی مخلوق کو آئمہ ھدیٰ کی طرف سے رخ موڑنے کا سبب بنے۔ ورنہ حضرت عمر تو خود علمی مسائل میں حضرت علیؑ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور انھون نے علمی اعتبار سے کبھی یہ نہیں کہا کہ جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو جیسا کہ حضرت علیؑ کہا کرتے تھے۔

ایران میں تصوف وعرفان کو علمی شکل دینے والے

افسوس کی بات یہ ہے کہ ایران میں تصوف وعرفان اور مذہب شیخیہ، ان شیعوں میں جو شیعہ امامیہ اثناءعشری کہلاتے تھے، اس کثرت سے پھیلا کہ کوئی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شیعہ اثناءعشری میں سے کونسا شیعہ ہے۔ آیا یہ صوفی شیعہ ہے یا شیخی شیعہ ہے۔ کیونکہ جس

طرح آج مذہب اہل سنت مختلف فرقوں کا مجموعہ ہے ان میں ناصبی بھی ہیں ان میں خارجی بھی ہیں ، ان میں مرجیہ بھی شامل ہیں ان میں اشعری بھی شامل ہیں اوران میں معتزلہ بھی شامل ہیں ان کا پتہ صرف اس وقت چلتا ہے جب وہ بات کرتے ہیں اسی طرح دوسرے سیاسی شیعوں سے قطعہ نظر اعتقادی شیعہ امامیہ اثناعشری میں صوفی شیعہ بھی اثناعشری ہیں اورمذہب شیخیہ سے تعلق رکھنے والے بھی خودکو اثناعشری کہتے ہیں ۔جس کا بیان آگے چل کر آئیگا اوران میں وہ شیعہ امامیہ اثناعشری بھی ہیں جو مذکورہ دونوں فرقوں یعنی صوفی شیعوں اور شیخی شیعوں کو باطل اور گمراہ بلکہ کافر ومشرک سمجھتے ہیں ۔لیکن صوفیاء اور عرفاء نے علمی میدان میں قدم رکھنے کے بعد اپنے چولے بدل لئے ہیں اور صوفیوں والا سابقہ صوف کا لباس چھوڑ کرسنی صوفیوں نے جُبہ و دستار پہن کرسنی عالم کہلانا شروع کردیا اورشیعوں نے صوف کے پرانے لباس کی بجائے عبا وقبا وعمامہ پہن کر شیعہ علماء کہلانا شروع کردیا ہے اور سنیوں اور شیعوں کو دام فریب میں لانے کے لئے اس دور میں یہی سب سے بہترین طریقہ تھا لہذا نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ ایران کے بہت سے شیعہ اثناعشری صوفی شیعہ بن گئے جسے دیکھ کر علامہ مجلسی اپنی کتابوں اور مقدس اردبیلی حدیقۃ الشیعہ میں چیخ اٹھے جس کا بیان ہماری کتاب ''شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے خصوصاً تصوف وعرفان'' میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ہم نے اپنی مذکورہ کتاب ''شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے خصوصاً تصوف وعرفان'' میں جہاں مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کی پیدائش کا حال لکھا ہے وہاں تصوف کے بارے میں بھی خامہ فرسائی کی تھی اوراس میں انقلاب اسلامی ایران کی مناسبت سے جو مضامین شائع ہوئے تھے ان کے اقتباس بھی نقل کیے تھے جس پر بعض اصحاب نے برہمی کا اظہار کیا کہ ہم نے امام خمینی کے بارے میں یہ کیوں لکھا ۔حالانکہ ہم نے امام خمینی کے بارے میں خود اپنی طرف سے کچھ نہ لکھا تھا یہ اقتباسات تھے ان مضامین کے جو ہفت روزہ

رضا کار 8 تا 15 فروری 2000ء میں اور ماہنامہ العارف فروری 2000 میں انقلاب اسلامی ایران کی مناسبت سے ان کی تعریف کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔

ہم نے ان اقتباسات کو یہاں پھر نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ رضا کار نے لکھا ہے یا العارف نے لکھا ہے۔

رضا کار میں ''حضرت امام خمینی کی تالیفات و تصنیفات'' کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا وہ ترجمہ و ترتیب ہے محمد رضا عابدی صاحب کی، اس میں دو کتابوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے

حاشیہ پر شرح فصول الحکم

کتاب ''شرح فصول الحکم'' علم و عرفان میں بین الاقوامی شہرت کے حامل عارف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ہے جس پر اب تک متعدد شرحات لکھی جا چکی ہیں اور ان تمام شروحات میں سے شرح قیصری نے زیادہ مقبولیت حاصل کی ہے۔ امام خمینی رضوان اللہ علیہا نے 1355 ھجری قمری مطابق 1351 شمسی میں اس شرح فصول الحکم قیصری پر اپنا تعلیقہ عربی زبان میں لکھا ہے۔ تعلیقہ لکھنے میں اپنایا جانے والا اسلوب اور طرز نگارش لکھنے والے کی علمی عظمت اور فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ مصنف کو علم و عرفان کے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی محمد ابن اسحاق قونوی، ملا عبد الرزاق کاشانی فرغانی، عراقی و قیصری جیسے ماہرین فن کی آراء پر کس درجہ عبور حاصل ہے۔ اس کے بعد دوسری کتاب کے بارے میں اس طرح لکھا ہے

حاشیہ بر مصباح الانس

''مصباح الانس بین المعقول والمشہود'' حقیقت میں محمد بن حمزہ بن محمد فناوی کی

لکھی ہوئی وہ شرح ہے جوانھوں نے ابوالمعالی محمد بن اسحاق قونوی کی کتاب مفتاح الغیب پر لکھی ہے یاد رہے محمد بن اسحاق قونوی محی الدین ابن عربی کے مشہور شاگردوں میں سے ایک ہیں اورانھون نے یہ کتاب عرفان نظری پر لکھی ہے۔

ہفت روز رضا کار شمارہ

مورخہ 8 تا 15 فروری 2002

مذکورہ دونوں اقتباسات ہفت روز رضا کا سے ماخوذ ہیں اوراس میں ہمارا ایک بھی لفظ نہیں ہے اب ہم امین شہیدی کا وہ عنوان نقل کرتے ہیں جسے انھوں نے ماہنامہ العارف میں لکھا تھا اورہم نے اسے اپنی کتاب ”شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے“ میں نقل کیا تھا وہ اسطرح ہے

عرفان وتصوف اورامام خمینی

ہفت روز رضا کار سے محمد رضا عابدی صاحب کے مضمون کے اقتباسات اوپر درج ہو چکے ہیں اب ہم ماہنامہ العارف فروری 2000 سے جوانقلاب اسلامی ایران کی 21 ویں سالگرہ اورامام خمینی کے صد سالہ جشن ولادت کی مناسبت سے خاص نمبر ہے مذکورہ عنوان یعنی ”عرفان وتصوف اورامام خمینی“ کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ یہ مضمون امین شہیدی صاحب کا تحریر کردہ ہے وہ اس مضمون کا آغاز اس طرح سے کرتے ہیں

”علم عرفان یا تصوف اسلام میں ایک علم کی حیثیت سے اپنا مقام رکھتا ہے اسلامی آئیڈیالوجی کا وسیع مطالعہ رکھنے والے لوگوں کی آراء اس علم اوراسکے حاملین کے بارمیں متفاوت ومختلف ہے۔

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر اپنی مختلف کتب میں تفصیلی اور سیر حاصل گفتگو کی ہے آپ کی بعض کتب میں اس علم اور اس کے مدارج و منازل اور لطیف نکات کے حوالے سے اشارے اور نکتے ملتے ہیں اور بعض کتب مستقل طور پر اس موضوع پر تالیف فرمائی ہیں جن میں مصباح الانس جیسی وقیع و دقیق کتاب پر آپ کا حاشیہ شامل ہے۔

امام خمینی کے عرفانی نظریات اور لطیف افکار ان کے غزلوں، تقاریر اور تحریروں سے عیاں ہے اور ان کے مطالعہ سے طالبین حق کی پیاس بجا طور پر بجھ سکتی ہے۔

ماہنامہ العارف فروری 2000 ۔ص 17

پھر اسے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

''یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ ہمارے معاشرے میں صوفی، صوفیا، صوفیہ اور تصوف کی اصطلاحیں زیادہ رائج ہیں، جبکہ ایرانی معاشرے میں عرفان، عرفاء اور عارف کی اصطلاحیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اہل عرفان کو جب ثقافتی نظریاتی اور علمی حوالے سے یاد کیا جاتا ہے تو اس انھیں عرفاء کہا جاتا ہے اور جب معاشرتی رسوم و رواج رہن سہن، بود و باش اور طور طریقوں کے اعتبار سے مخاطب کیا جاتا ہے تو غالباً انھیں متصوفہ کا نام دیا جاتا ہے۔

ماہنامہ العارف فروری 2000 ۔ص 18

پھر اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

آپ کی گرانقدر کتاب چہل حدیث کا بیشتر حصہ عرفان ہی کے موضوع پر مشتمل ہے ایک کتاب ''جہاد اکبر'' ہے جو حوزہ علمیہ نجف میں آپ کے عرفان دور پر مشتمل کتاب ہے۔ عرفان کا دوسرا پہلا ''عملی عرفان'' ہے جس کا میدان قلب انسان ہے اور اس کا تعلق واردات قلبی سے ہے۔ اس میدان میں امام خمینی حوزہ علمیہ قم کے مدرسہ فیضیہ اور مسجد سلامی

میں شروع منازل السائرین اور حدیث جنود عقل وجہل کی توضیح وتشریح میں بہت سالوں تک تدریس کرتے رہے۔ ماہنامہ العارف فروری 2000 ص 19

پھر اسے آگے چل کر لکھتے ہیں

''ان بکھرے راستوں کو، اس سفر میں پیش آنے والی منزلوں کو، اور سفر انسانیت کی آخری منزل کو اہل علم وفضل نے ایک علمی شکل دینے کی جدوجہد شروع کردی ہے اور اس سلسلہ میں بایزید بسطامی سے بوعلی تک، محی الدین ابن عربی سے جلال الدین رومی تک، شیخ شہاب الدین اشراقی سے ملاصدرا شیرازی تک، حافظ شیرازی سے امام خمینی تک سب نے اپنا اپنا کردار ادا کیا جس کے نتیجہ میں اسلامی ثقافت کے دام میں عرفان ایک علم کی حیثیت سے پروان چڑھا۔

اب تک کی گفتگو سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ عرفان اصل میں مکتب اسلام کی آغوش میں ہی پرورش یافتہ ''علم'' ہے جس کے دو اہم پہلو ہیں ایک عرفان نظری جس کا تعلق افکار کی دنیا سے ہے اس موضع پر امام خمینی نے فصول الحکم ابن عربی اور مقدمہ قیصری کی سالہا سال تدریس فرمائی اور گرانقدر اثاثے چھوڑے

ماہنامہ العارف فروری 2000 ص 19

اس کے بعد امام خمینی کے عرفان کے موضوع پر آثار کر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''عرفان ہی کے موضوع پر آپ نے شرح فصول الحکم، مصباح الانس اور مفتاح پر حواشی تحریر فرمائے جو اہل فن کے لئے فکر ومعرفت کے نئے دریچے کھول دیتے ہیں۔

ماہنامہ العارف فروری 2000 ص 19

ہفت روزہ رضا کار 8 تا 15 فروری 2000 کا مضمون ''حضرت امام خمینی کی

تالیفات وتصنیفات‘‘ اور ماہنانہ العارف فروری 2000 کا مضمون انقلاب اسلامی ایران کی اکیسویں سالگرہ اور امام کے صد سالہ جشن ولادت کی مناسبت سے شائع ہوئے ہیں، ان سے جو باتیں خاص طور پر علم میں آئی ہیں وہ یہ ہیں:

نمبر 1: جس مکتب فکر اور نظریہ کو دوسرے تصوف وصوفی اور صوفیا اور صوفیہ کہتے ہیں اسی مکتب فکر کے حامل اشخاص وافراد کو اہل ایران عرفان وعرفا وعارف کہتے ہیں،

نمبر 2: اس مکتب فکر کو تصوف کہا جائے، یا عرفان اس کے ارشادت فن میں بایزید بسطامی، محی الدین ابن عربی، جلال الدین رومی اور شیخ شہاب الدین اشراقی کا نام آتا ہے اور انہی کی پیروی کرتے ہوئے سید العرفاء امام خمینی نے عرفان کو ایک علم کی حیثیت سے پروان چڑھایا ہے۔

نمبر 3: سید العرفاء امام خمینی نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان سب کو عرفان کے سانچے میں ڈھالا ہے اور محی الدین ابن عربی کی کتاب فصول الحکم کی شرح پر حاشیہ اور محی الدین ابن عربی ہی کے ایک شاگرد ابو المعال محمد بن اسحاق قونوی کی کتاب مفتاح الغیب کی شرح پر جسے محمد بن حمزہ بن محمد فناوی کے مصباح الانس کے نام سے لکھا تھا اور جو خالص عرفان کے موضوع پر ہے حاشیہ لکھا ہے۔

نمبر 4: سید العرفاء امام خمینی اپنے شاگردوں کو مدرسہ فیضیہ قم میں سالہا سال عرفان ہی کا درس دیتے رہے اور جب جلا وطن ہو کر عراق پہنچے تو وہاں بھی اپنی عرفان کے موضوع پر مشتمل کتابوں کا ہی اپنے شاگردوں کو درس دیتے رہے۔

نمبر 5: سید العرفاء امام خمینی نے محی الدین ابن عربی کی کتاب فصول الحکم اور مقدمہ قیصری کی سالہا سال تک تدریس فرمائی۔

یہ خلاصہ ہے کہ ماہنامہ العارف فروری 2000 کا مذکورہ اقتباسات میں ہمارا

ایک بھی لفظ نہیں ہے لہذا کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم نے کسی پر تہمت لگائی ہے یا کوئی بات اپنی طرف سے لکھی ہے بلکہ ان مضامین میں جو ہفت روزہ رضا کار 8 تا 15 فروری 2000 اور ماہنامہ العارف ماہ فروری 2000 میں شائع ہوئے ہیں یہ باتیں مدح و تعرف کے انداز میں بیان کی گئی ہیں کہ:

بایزید بسطامی نے سب سے پہلے تصوف و عرفان کو علم کی شکل دی اور تصوف و عرفان کو علم کی شکل دینے کی یہ جدو جہد بایزید سے شروع ہو کر محی الدین ابن عربی، جلال الدین رومی، اور ملا صدرا شیرازی سے ہوتے ہوئے امام خمینی تک پہنچی ہے اور ان سب نے تصوف و عرفان کو علم کی شکل دینے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا ہے۔

اس سے ثابت ہے ہوا کہ صوفی چاہے شیعہ ہو یا سنی تصوف و عرفان کو علم کی شکل دینے میں ان سب کے پیرو مرشد بایزید بسطامی اور محی الدین ابن عربی وغیرہ ہی ہیں اور یہ باتیں مذکورہ اخبار اور رسالوں میں مدح اور تعریف کے طور پر لکھی ہوئی ہیں۔

اب ہم تصوف یا صوفیا کا بیان یہیں پر ختم کرتے ہیں اب تک ہم نے جتنے فرقوں کا بیان تحریر کیا ہے اہل سنت کہلانے والوں ہوں یا اہل تشیع یہ سب وہ ہیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے پہلے یا ان کے زمانے میں پیدا ہوئے اب ہم ان فرقوں کا بیان کریں گے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔

سیاسی شیعہ اسماعیلیہ فرقے کا بیان

بلال زبیری اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں لکھتے ہیں کہ ”اسماعیلی علماء امامت کا سلسلہ حضرت علی سے تسلیم نہیں کرتے بلکہ امام حسن سے شروع کرتے ہیں کیونکہ حضرت علی وصی رسول تھے۔ امامت کا سلسلہ ان کے بعد چلا حسنؑ ابن علیؑ سے اسماعیل بن جعفر تک

ان کے چھ امام ہوئے ۔اس وجہ سے بعض علماء قدیم نے اس فرقے کو "شش امامیہ" لکھا ہے لیکن اسماعیلیوں کی سیاسی تاریخ کا آغاز محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق سے ہوتا ہے۔

فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 184

بلال زبیری نے جو کچھ لکھا ہے اگر امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اسماعیلی شیعہ کسی اور کو امام نہ مانتے تب تو بلال زبیری کی بات کچھ کچھ ٹھیک ہو سکتی تھی لیکن اسماعیلی شیعوں کا سلسلہ امامت تو ختم ہی نہیں ہوا اس لئے انھیں شش امامیہ اس بنیاد پر نہیں کہا جا سکتا دوسرے حضرت اسماعیل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیات میں وفات پا چکے تھے لہذا امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی میں انھیں چھٹا امام کیسے کہا جا سکتا ہے تیسرے انھوں نے خود لکھا ہے کہ اسماعیلیوں کی سیاسی تاریخ کا آغاز محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق سے ہوتا ہے لہذا اسماعیلیوں کا سلسلہ امامت محمد بن اسماعیل سے شروع ہوتا ہے اور انھوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو امام اس لئے نہیں مانا کیونکہ حضرت اسماعیل امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے کیونکہ محمد بن اسماعیل نے سیاسی تحریک شروع کی اور وہ امام موسیٰ کاظم کے بڑے بھائی کے بیٹے تھے لہذا ان دونوں وجوہات کی بناء پر انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی بجائے محمد بن اسماعیل کو اپنا امام مانا۔

دراصل اسماعیلیہ شیعہ امام حسن سے اسماعیل بن جعفر صادق تک چھ امام مان کر شش امامیہ نہیں کہلاتے بلکہ چونکہ انھوں نے آئمہ اثناعشر میں سے حضرت علی سے لیکر امام ششم حضرت امام جعفر صادق تک صرف چھ اماموں کو مانا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے صاحب العصر والزمان تک کسی اور امام کو نہیں مانا اس لئے اعتقادی شعیہ امامیہ اثناءعشری فرقہ ان کو شش امامیہ کہتا ہے۔یعنی بارہ آئمہ اہل بیت

میں سے صرف چھ اماموں کو ماننے والا فرقہ"

بہر حال اس کے بعد بلال زبیری لکھتے ہیں

"امام زین العابدینؒ۔ امام محمد باقرؒ۔ امام جعفر صادقؒ کی طرح امام موسیٰ کاظمؒ خروج و بغاوت ایسے کاموں سے دور تھے۔ عباسی خلفاء کو ان کی بجائے اسماعیلیوں کے انتہا پسند گروہ سے زیادہ خطرہ تھا اور وہ اس کوشش میں تھے کہ محمد بن اسماعیل بھی جعفر صادق کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ تا کہ ان کی قیادت میں کوئی تحریک منظم نہ ہو سکے۔

فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 184

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آئمہ اثنا عشر میں سے ہر امام یہ جانتا تھا کہ وقت کا تقاضا کیا ہے چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام نے جو طرز عمل اختیار کیا وہ بھی یہ دیکھتے ہوئے کہ وقت کا تقاضا کیا ہے ورنہ وہ ابوسفیان کی پیش کش قبول کر سکتے تھے مگر اس وقت دنیا یہ کہتی کہ اسلام کوئی دین نہیں بلکہ حصول اقتدار کی ایک تحریک ہے امام حسن علیہ السلام نے جو طرز عمل اختیار کیا وہ بھی یہ دیکھتے ہوئے کہ اس وقت، وقت کا تقاضا کیا ہے اور امام حسن علیہ السلام نے جو راستہ اختیار کیا وہ بھی وقت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں جو ثابت کرنا تھا وہ کر دیا۔ یزید نے کربلا کے علاوہ بھی بڑے ظلم ڈھائے مدینہ پر چڑھائی کی۔ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے، ہزاروں اصحاب پیغمبر کو تہ تیغ کیا۔ ہزاروں عورتوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ خانہ کعبہ پر منجنیق سے سنگ باری کی یزید کے بعد دوسرے حکمرانوں نے بھی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ مگر پھر یزید سمیت کسی حاکم نے آئمہ اہل بیت سے بیعت طلب نہیں کی۔ اور امام زین العابدین علیہ السلام سے بارہویں امام تک ہر ایک امام دین کی حفاظت میں مصروف رہا اور ان میں سے کسی نے بھی کسی انقلابی تحریک میں حصہ نہ لیا۔ کیسان کی تحریک چلی حضرت زید کی تحریک چلی۔ محمد نفس

ذکیہ کی تحریک چلی ۔محمد بن اسماعیل کی تحریک چلی مگر آئمہ اثناعشریہ میں سے کسی نے کسی تحریک میں حصہ نہ لیا اور نہ آئمہ اثناعشر میں سے کسی امام کی پیروی کرنے والے شیعہ نے کسی تحریک میں حصہ لیا مذکورہ تحریکوں میں حصہ لینے والے وہی سیاسی شیعہ تھے جو حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مان کو شیعیان عثمان کے مقابلہ میں شیعیان علی کہلانے لگے تھے ۔اور اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ نے اور امام مالک نے ان تحریکوں کی تائید وحمایت کی اور ان کا ساتھ دینے کا فتویٰ دیا۔

بہر حال اس کے بعد بلال زبیری اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

''محمد بن اسماعیل کچھ عرصہ روپوش رہنے کے بعد 183ھ میں وفات پا گئے محمد کی وفات کے بعد ان کا بیٹا عبداللہ امام مقرر رہوا۔عبداللہ کچھ عرصہ ان کی تحریک چلاتے ہوئے 210ھ میں وفات پا گئے تو ان کے بعد ان کے بیٹے احمد امام مقرر ہوئے ۔بہر حال اسماعیلیوں کی تحریک دن بدن منظم ہوتی جارہی تھی اور عباسیوں کولحہ بہ لحہ ان سے خطرہ تیز ہوتا جارہا تھا اور امام احمد بھی اپنا مستقر بدلتا رہا۔آخر اس نے بھی عسکر مکرم میں 240ھ میں وفات پائی اور اس نے اپنے بیٹے حسین کو اپنا وصی مقرر کیا اور اس کے ساتھ ایک کثیر گروہ بغاوت کے لیے تیار ہو گیا ۔لیکن حسن نے خروج کا ابھی وقت نہیں کہہ کر بغاوت کا سلسلہ شروع نہ کیا۔حسین مصلحت کے تحت نص امامت اپنے آٹھ سالہ بیٹے عبداللہ کی طرف منتقل کر کے خود امامت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن حسین غائب ہو گیا اور اس نے اعلان کردیا کہ عبداللہ ہی مہدی منتظر ہے اور وہ اس وقت دنیا میں آئے گا جب فاطمی حکومت قائم ہو جائے گی ۔اس اعلان کے ہوتے ہی اسماعیلیوں نے عباسیوں کے خلاف مختلف علاقوں میں مسلح بغاوتیں شروع کردیں سب سے پہلے یمن پر قبضہ کرلیا۔اور عباسیوں کو نکال کر اپنی حکومت قائم کرلی پھر مصر اور افریقہ میں بغاوتیں ہوئی اور بیشتر

علاقے عباسیوں سے چھین لئے گئے جب فاطمی حکومت قائم ہوگئی تو 270ھ میں عبداللہ بن الحسین المھدی المنتظر کی حیثیت سے سلیمیہ میں ظاہر ہوا اور یہاں سے پھر اپنی ظاہری دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انتھی منتھی

فرقے اور مسالک بلال زبیری۔ص 185

اسکے بعد بلال زبیری لکھتے ہیں

عبداللہ نے جو فاطمی سلطنت کا خلیفہ اول اور مہدی منتظر تھا 322ھ میں انتقال کیا اس کے بعد اس کا بیٹا ابوالقاسم محمد القائم بامر اللہ تخت حکومت پر بیٹھا غرض 270ھ سے 567ھ تک اسماعیلیوں نے فاطمین مصر کے نام سے تقریباً 297 سال حکومت کی اور ان کے 18 بادشاہ خلیفہ کے لقب کے ساتھ حکومت کرتے رہے 567ھ میں صلیبی جنگوں کے دوران صلاح الدین ایوبی مصر پر قبضہ کرلیا اور اسماعیلی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔اس طرح اسماعیلیوں تحریک قوت وحکومت سے محروم ہوکر محض مذہبی فرقوں تک محدود ہوگئی“

فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 186 تا 192

یہاں پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسلام میں ہر سیاسی تحریک چاہے اسے قوت وحکومت حاصل ہوئی یا نہ ہوئی ہو بعد میں مذہبی فرقے کی صورت اختیار کرتی رہی، اور ہر تحریک اپنے حالات وواقعات کے تحت عقائد واحکام وضع کرتی رہی ہے۔لہذا یہ بات اسماعیلیوں تک محدود نہیں ہے۔

اسماعیلی فرقہ کے عقائد سابقہ اوراق میں ان کے ایک عالم ڈاکٹر زاہد علی کی شہرہ آفاق کتاب ”ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام“ سے نقل کئے جاچکے ہیں لہذا وہاں سے رجوع کریں۔

بلال زبیری کی کتاب فرقے اور مسالک کے مطابق اسماعیلی فرقہ آگے چل کر

25 فرقوں میں تقسیم ہوگیا جن میں سب سے زیادہ مشہور نزاری فرقہ ہے جو آغاخانی فرقے کے نام سے مشہور ہے لہذا یہاں پر ان کا مختصر حال پیش خدمت ہے۔

آغاخانی فرقے کا بیان

آغاخانیوں کے عقاء اور ان کے بانی کا کچھ حال سابقہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے یہاں پر موضوع کی مناسبت سے ان کا مختصر بیان درج کیا جاتا ہے۔

اس فرقے کا بانی حسن بن صباح تھا، حسن بن صباح کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین حسن اس فرقہ کا امام ہوا۔ جلال الدین حسن کے بعد یہ فرقہ ایران میں بکثرت پھیلا اور چھ سو سال تک امامت کا سلسلہ مرکز ایران میں ان کے پاس رہا اس کے آخری حکمران خلیل اللہ علی کو دوسرے شیعوں نے قتل کر دیا۔ جس پر اسماعیلی آغاخانی آمادہ فساد ہوئے اور شیعوں کو قتل کرنا چاہا تو فتح علیشاہ ناچار بادشاہ ایران نے ان کو روکا اور خلیل اللہ کے قاتلوں کو پھانسی دے کر خلیل اللہ کے بیٹے حسن علی کو آغاخان کا خطاب دیدیا یہ واقعہ 1283 مطابق 1813ء کا ہے۔

حسن علی خان ایران سے ترک سکونت کر کے ہندوستان چلا آیا اور یہاں کر ہندوستان میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی اور اپنی جماعت منظم کی۔ حسن علی کے بعد اس کا بیٹا شا علی امام زمان ہوا۔ جو آغاخان ثانی کہلایا اس کی موت 1305ھ بمطابق 1885ء میں ہوئی اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمد خان آغاخان کے نام سے اس کا جانشین ہوا سلطان محمد خان کا قیام ہندوستا میں ہوتا تھا اور حکومت برطانیہ کا مخلص وفادار تھا۔ حکومت نے اسے سرکا خطاب دیا اور ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کا اعزاز بخشا اس کی وفات پر اس کے پوتے شہزادہ علی خان کے بڑے بیٹے سر کریم آغاخان اپنے فرقے کے امام ہوئے یہ فرقہ اپنے

مرشد نزار کو المصطفے الدین اللہ کے نام سے پکارتا ہے۔ اس فرقے کی مقدس کتاب ''نور مبین حبل اللہ المتین'' ہے اس فرقے کی مسجدیں نہیں ہوتیں جماعت خانے ہوتے ہیں جہاں وہ اپنے معاملات طے کرتے ہیں۔ انتھی ملحقیہ

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 215-216)

حضرت علی کو خدا ماننے والے فرقے

بلال زبیری نے اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں جن فرقوں کے نام غلو کرنے والوں کے لحاظ سے لکھے ہیں ان کی تعداد کافی ہے لیکن خلاصہ کے طور پر ان میں سے کچھ فرقے تو ایسے ہیں جو حضرت علیؓ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں جیسا کہ یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مان کر خدا مانتے ہیں۔ حضرت علی کو خدا کا بیٹا ماننے والوں میں سے ایک فرقہ مفضلیہ کا بانی مفضل بن صیرفی تھا جس کے نام سے یہ فرقہ مشہور رہا یہ 70ھ میں ہوا ہے یہ حضرت علی کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں''

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 120)

''دوسرا فرقہ جو حضرت علیؓ کو خدا کا بیٹا مانتا ہے وہ فرقہ سریغیہ ہے جو 75ھ میں ہوا اس کا بانی سریغ تھا جس کے نام سے یہ فرقہ مشہور رہا''

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 121)

تیسرا فرقہ جو حضرت علی کو خدا کا بیٹا مانتا ہے وہ علیا دیہ اس کا بانی علی ابن عبداللہ ہے یہ 127ھ میں ہوا اسی کے نام کی نسبت سے یہ فرقہ مشہور رہا

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 141)

کچھ فرقے ایسے ہیں جو حضرت علیؓ میں خدا کے حلول کے قائل ہیں اور اس لحاظ

سے انھیں خدا مانتے ہیں ان میں سے ایک فرقہ جو حضرت علی میں حلول کا قائل ہے جناحیہ ہے یہ 90ھ میں پیدا ہوا۔ (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 127)

دوسرا فرقہ جو حضرت علی میں خدا کے حلول کا قائل ہے وہ فرقہ ذمیہ ہے یہ فرقہ 128ھ میں پیدا ہوا اس کا بانی ذمام بن علی تھا اسی کے نام کی نسبت سے یہ فرقہ مشہور ہوا (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 139)

یہ مذکورہ فرقے حضرت علی میں خدا کے حلول کرنے کے عقیدہ کے ساتھ حضرت علی کو خدا مانتے ہیں

کچھ فرقے ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو اصل خدا مانتے ہیں کیونکہ جو لوگ حضرت علیؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کا علیحدہ سے بھی وجود مانتے ہیں جس کے حضرت علیؑ بیٹے ہیں اور یہ مطلب حلول کا ہے کہ کوئی اور خدا بھی موجود ہے جس نے حضرت علیؑ میں حلول کیا ہے۔ لیکن حضرت علی کو ہی اصل خدا ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اور کوئی خدا نہیں ہے سوائے حضرت علیؑ کے۔

ان سے پہلا فرقہ سبائیہ ہے جس کا بانی عبداللہ بن سبا ہے جو صنعا یمن کا رہنے والا یہودی تھا یہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں مسلمان ہوا۔ اس کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ یہ اصلا حضرت علیؑ کو ہی خدا کہتا تھا لیکن بلال زبیری نے اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں اس کا عقیدہ یہ لکھا ہے کہ ''وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ خدا نے حضرت علیؑ میں حلول کیا ہے'' (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 116)

چونکہ عبداللہ بن سبا یہودی سے مسلمان ہوا تھا اور یہودی اہل کتاب ہیں اور خدا کے علیحدہ سے وجود کے قائل ہیں اور یہی حال عیسائیوں کا ہے یہ دونوں حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کی ابنیت یا حلول کے طریقے سے ہی انھیں خدا مانتے ہیں لہذا کوئی عجب نہیں

کہ عبداللہ بن سبا حضرت علیؑ کو اصلاً خدا نہ جانتا بلکہ ابنیت یا حلول کے طریقہ سے حضرت علیؑ کی خدائی کا قائل ہو۔

حضرت علیؑ کو اصلاً خدا ماننے والوں میں سے ایک فرقہ علیایہ بیان کیا گیا ہے اس کا بانی علیا بن زرع الدی تھا اسی کے نام کے ساتھ منسوب ہو کر یہ فرقہ علیایہ کہلایا۔ یہ فرقہ 128ھ میں پیدا ہوا اس فرقے کے نزدیک حضرت علی ہی اصل خدا ہیں اور دنیا میں انسانی شکل میں اترے ہیں۔ (فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 140)

مذکورہ جن فرقوں کا بیان ہوا کہ یہ کسی نہ کسی طرح حضرت علی کو خدا مانتے تھے چاہے خدا کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے چاہے حلول کے طریقہ سے اور چاہے اصلا خدا ہونے کی حیثیت سے یعنی کوئی خدا نہیں ہے سوائے علی کہ۔ لیکن ان مذکورہ فرقوں میں سے کسی کی ہمارے یہاں عام شہرت نہیں ہے اگر چہ عبداللہ بن سباء کے بارے میں شیعہ مخالفین نے بہت بڑھا چڑھا کر لکھا ہے اور اسے ہی شیعہ مذہب کا بانی ہونے کی تہمت لگاتے ہیں۔ جس کا تفصیلی بیان سابق میں گذر چکا ہے۔

البتہ اصل خدا ماننے والا فرقہ جس کا یقینی طور پر وجود ہے اور جس کی ہمارے معاشرے میں عام شہرت ہے اور جس کے بارے میں دوسروں کے علاوہ شیعوں میں سے ہر صاحب علم جانتا ہے۔ لہذا ہم اس کا حال ذرا تفصیل کے ساتھ علیحدہ عنوان کے تحت اس سے آگے لکھتے ہیں۔

نصیریہ فرقے کا بیان

تعجب کی بات یہ ہے کہ بہت سے مورخین نے اور بہت سے بے انصاف مصنفین نے دوسرے بہت سے فرقوں کی طرح نصیریہ فرقے کو بھی شیعہ فرقوں میں شمار کیا ہے حالانکہ

نہ تو دوسرے بہت سے فرقوں میں شیعیت کی کوئی بات ہے اور نہ ہی نصیریہ فرقے میں شیعہ کہلانے کی کوئی بات پائی جاتی ہے ۔ بلال زبیری اپنی کتاب فرقے اور مسالک میں اس فرقے کے بارے میں اس طرح سے لکھتے ہیں

نصیریہ 252: یہ شیعوں کا انتہا پسند متعصب ترین اور نہایت خفیہ رہنے والا فرقہ ہے..............

''پروفیسر کے حتی نے تاریخ شام میں اس فرقے کا ذکر کیا ہے اس کے مطابق اس گروہ کی ابتداء اثنا عشریوں کے گیارہویں امام الحسن العسکری 252ھ کی عہد میں ہوئی تھی ۔ اس کا بانی محمد بن نصیر کوفی تھا اور اس کا آخری عالم او رداعی حسین ابن حمدان الخصیبی 957ھ میں گذرا جس نے اس فرقے کے قواعد، حقوق، فرائض، اور عقائد مرتب کیے یعنی نصیریہ شریعت کی شرح کی ۔ یہ باطنی فرقوں سے ملتی جلتی ہے بلکہ بعض باتیں عیسائیوں سے ماخوذ معلوم ہوتی ہیں ان کے عقائد کا سرسری خاکہ اس طرح ہے:

نمبر 1: حضرت علیؓ کو خدا تعالیٰ سمجھتے ہیں...............

نمبر 2: حضرت علی کے بت تیار کر کے گھروں میں برکت کے لیے رکھتے ہیں

نمبر 3: راہ چلتے اگر کسی نصیری کے کان میں حضرت علیؓ کا نام پڑ جائے تو قدم روک کر رکوع کی حالت میں کچھ وقت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔

نمبر 4: شریعت کے قطعی تارک ہیں صرف حضرت علیؓ کا نام ورد زبان کر لینا ہی عبادت سمجھتے ہیں''

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 176)

اس کے بعد اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں

شیعوں کا یہ انتہا پسند غالی اور زیر زمین گروہ ہے اب بھی ایران، شام، ترکستان، لبنانی سرحدات پر آباد ہے۔ پروفیسر کے حتی کے انداز کے مطابق ان کی تعداد چار لاکھ کے قریب ہے ان کی عبادت گاہیں نہیں ہوتیں نہ مسجدوں میں جاتے ہیں۔ عام شیعوں کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔ امامت کے قائل نہیں۔ خدا اور رسول کی نسبت حضرت علیؑ کو ترجیح وفضیلت دینے کے علاوہ، حضرت علیؑ کو حقیقی خدا سمجھنا اور اس پر کاربند رہنا ان کا سب سے اہم عقیدہ ہے۔ پاکستان کے سرحدی صوبہ بلوچستان میں بھی کچھ لوگ اس عقیدہ کے آباد ہیں''

(فرقے اور مسالک بلال زبیری ص 177)

بحوالہ فاطمی تاریخ ترجمہ رئیس احمد جعفری

یہ نصیریہ فرقہ وہ فرقہ نہیں ہے جس کا بانی عبداللہ بن سبا تھا اور جس کے پیروکار کو سبائیہ کہا جاتا ہے کیونکہ نصیریہ فرقہ کا بانی محمد بن نصیر کوفی تھا جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں 252ھ میں ہوا اور عبداللہ بن سبا حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت ظاہری یعنی 35ھ اور 40ھ کے درمیان ہوا۔ لہذا اس فرقہ کا عبداللہ بن سبا یہودی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

کیا انصاف کا اس سے بھی بڑھ کر خون کیا جا سکتا ہے کہ ایسے فرقوں کو شیعہ فرقہ قرار دیا جائے جن میں شیعیت اور اسلام کی کوئی بھی بات نہیں ہے۔ جو نہ توحید و رسالت کے قائل ہیں نہ وہ امامت کے قائل ہیں نہ قیامت کا عقیدہ رکھتے ہیں نہ خود کو شیعہ کہلانا پسند کرتے ہیں بلکہ شیعوں کو کافر کہتے ہیں اور قطعی طور پر تارک شریعت ہیں نہ عبادت خانے رکھتے ہیں نہ مسجدیں رکھتے ہیں۔ ایسے فرقوں کو شیعہ فرقوں میں شمار کرنا کسی بھی انصاف پسند مصنف کی طرف سے خصوصاً اہل سنت کے علماء ومحدثین ومورخین ومصنفین ومولفین کی طرف سے حیرت اور انتہائی تعجب کی بات ہے اور ان کی یہ بات ان کی بے خبری اور لاعلمی کی

انتہا یا شیعوں سے ان کا بغض وعناد اور واضح طور سے شیعوں پر جھوٹی تہمتیں لگانے کا پتہ دیتی ہے۔

اب یہاں اس دہرے معیار پر بھی غور کریں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار احمدی قادیانی اہل سنت کی طرح ہی توحید کے قائل ہیں۔قرآن پر ایمان رکھتے ہیں صحاح ستہ کو مانتے ہیں پیغمبر گرامی اسلام کو ہی شریعت لانے والا آخری نبی مانتے ہیں اور امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں اور قیامت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جنت و دوزخ اور ثواب وعتاب کے بھی قائل ہیں۔نمازیں بھی قبلہ کی طرف رخ کرکے پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں مگر صرف غلام احمد قادیانی کے اس دعوے کی وجہ سے کہ وہ خود کو پیغمبر خاتم کا امتی نبی کہتا ہے اور ظلی نبی یا بروزی نبی ہونے کا مدعی ہے یا عیسیٰ ومہدی ہونے کا مدعی ہے۔مسلمان اس کی پیروی کرنے والوں کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اہل سنت والجماعت بھی نہیں مانتے، حالانکہ مرزا طاہر احمد قادیانی خلیفہ کی یہ آواز آج بھی ربوہ کی پہاڑیوں میں گونج رہی ہے اور اس کے الفاظ نوائے وقت کے اوراق میں محفوظ ہیں:

دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اسلام سے خارج نہیں کرسکتی ہم قرآن اور اسلام کو مانتے ہیں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان ہے۔ہم کسی کو اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہماری آئندہ نسلوں کو اسلام سے خارج کرے ہم قرآن کی عظمت کا پرچار کرتے رہیں گے۔اور وہ دن دور نہیں جب ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے گا۔انھوں نے اپنے عقائد کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس مذہب کو مانتے ہیں جو نبی آخر الزمان لے کر آئے ہمارا فقہ حنفی فقہ ہے۔

(نوائے وقت لاہور ایڈیشن 11 دسمبر

1976، 19 ذوالحجہ صفحہ آخر کالم 7,6

جن کا دعویٰ یہ ہو اور جن میں اہل سنت سے بہت سے باتوں میں مشابہت پائی جاتی ہے اور بہت سے باتیں ان میں اور اہل سنت میں مشترک ہیں اور ان میں بہت سے بنیادی عقائد میں اتفاق ہے لیکن وہ انھیں اہل سنت تو کجا مسلمان بھی نہیں مانتے مگر نصیریوں کو جن میں اسلام کی کوئی بات نہیں ہے اور شیعوں کے ساتھ ان کی کوئی بات مشترک نہیں اس کے باوجود وہ حضرت علیؑ کو خدا ماننے والوں اور نصیریوں کو بڑے اصرار کے ساتھ شیعہ کہتے ہیں بالفاظ دیگر وہ ان کو مسلمان تسلیم کرتے ہیں جب کہ خود شیعہ ان کو اسلام سے خارج فرقہ شمار کرتے ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جب ان میں نہ شیعیت کی کوئی بات پائی جاتی ہے اور نہ ہی وہ اسلام کے کسی بنیادی عقیدہ کو مانتے ہیں تو پھر حضرت علیؑ کو خدا ماننے والے فرقوں کو خصوصاً نصیری فرقہ کو شیعہ کہنے کا سبب کیا ہے؟ اور اہل سنت کے مصنفین نے اور مستشرقین یورپ کے مورخین نے جیسا کہ پروفیسر کے حتی کا بیان گذرا نصیریوں کو شیعہ کس بنیاد پر کہا؟

حضرت علیؑ کو خدا ماننے والوں خصوصاً نصیریوں کو شیعہ کہنے کا سبب کیا ہے؟

اب جبکہ ہم یہ جان چکے ہیں کہ نصیریوں کے عقائد اس طرح ہیں کہ

نمبر 1: حضرت علی کو خدا سمجھتے ہیں

نمبر 2: حضرت علی کے بت تیار کر کے گھروں میں برکت کے لیے رکھتے ہیں

نمبر 3: راہ چلتے اگر کسی نصیری کے کان میں حضرت علیؑ کا نام پڑ جائے تو قدم روک کر رکوع کی حالت میں کچھ وقت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

نمبر 4: شریعت کے قطعی تارک ہیں صرف حضرت علیؑ کا نام ورد زبان کر لینا ہی عبادت

سمجھتے ہیں

نمبر 5: امامت کے قائل نہیں

نمبر 6: عام شیعوں کو کافر سمجھتے ہیں

نمبر 7: ان کی عبادت گاہیں نہیں ہوتی نہ وہ مسجدوں میں جاتے ہیں

اس صورت حال میں کونسی وجہ تھی جس کی وجہ سے انھیں شیعہ کہا گیا؟ اور اہل سنت کے علاوہ مستشرقین یورپ کے عیسائی مورخین نے بھی انہیں شیعہ ہی لکھا ہے انھوں نے ان میں کیا بات دیکھی جو ان کو شیعہ کہا؟ کونسی علامت ان میں دکھائی دی جس کی وجہ سے وہ نصیریوں کو شیعہ سمجھے، کیا بغیر کسی علامت کے انھوں نے انہیں شیعہ کہہ دیا؟ کیا یہ بات غور کرنے کی نہیں ہے؟ اس کی وجہ صرف اور صرف جو ظاہر میں دکھائی دیتی ہے وہ ان کی طرف سے حضرت علیؑ سے انتہائی محبت اور عقیدت کا اظہار ہے۔

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ والذین آمنوا اشد حباً للہ"   (البقرۃ۔165)

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے سوا (اروں کو بھی خدا کا) مثل و شریک بنا لیتے ہیں اور جیسی محبت خدا سے رکھنی چاہیے وہ ایسی ہی محبت ان سے رکھتے ہیں اور جو لوگ ایماندار ہیں وہ ان سے کہیں بڑھ کر خدا کی محبت رکھتے ہیں"

قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے کہ محبت کی بہت سی اقسام ہیں۔ اور جس کے ساتھ محبت کی جاتی ہے وہ اپنی نسبت کے اعتبار سے متفاوت ہیں۔ مال و زر کی محبت بھی محبت ہے ماں باپ کی اولاد سے محبت بھی محبت ہے اولاد کی ماں باپ سے محبت بھی محبت ہے۔ شوہر کی زوجہ سے محبت بھی محبت ہے اور زوجہ کی شوہر سے محبت بھی محبت ہے۔ انبیاء و

رسول اور رہادیان دین سے محبت بھی محبت ہے اور خدا کے ساتھ محبت بھی محبت ہے اور ہر محبت میں اپنی نسبت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ لہذا جس سے بھی محبت کی جاتی ہے اس کی نسبت سے محبت کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں چنانچہ مال وزر کی محبت کا تقاضا اور ہے، ماں باپ کی اولاد سے محبت کا تقاضا اور ہے، اولاد کی ماں باپ سے محبت کا تقاضا اور ہے، شوہر کی زوجہ سے محبت کا تقاضا اور ہے، اور زوجہ کی شوہر سے محبت کا تقاضا اور ہے۔ اسی طرح انبیا ءو رسل اور رہادیان دین کی محبت کا تقاضا بھی اور ہے اور خدا کی محبت کا تقاضا بھی اور ہے۔

انبیاء ورسول اور رہادیان دین کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی اطاعت وپیروی کی جائے جیسا کہ ارشاد فرمایا: "ان تطیعوہ تھتدوا"

پس تم اس کی پیروی کروتا کہ تم ہدایت پا جاؤ پس انبیا ءو رسل اور رہادیان دین کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی اطاعت وپیروی کی جائے کیونکہ اس کے بغیر ہدایت کا حصول ممکن نہیں ہے۔

اور خدا کی محبت اس ہستی سے محبت ہے جو نفع وضرر کا مالک ہے جو منعم حقیقی ہے، جو نعمتیں دینے والا ہے، جو ساری کائنات کا خالق ہے جو اولاد عطا کرنے والا ہے، جو رزق دینے والا ہے، جو حیات وموت کا مالک ہے، جو ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، لہذا خدا کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ان چیزوں کو اسی مانگے اسی سے سوال کرے اسی کو پکارے اسی سے دعا کرے پس بندہ کی خدا سے محبت نفع کے حصول اور ضرر کے دفع ہونے کے لئے ہوتی ہے کیونکہ اس کے سوا نفع وضرر مالک اور کوئی ہے ہی نہیں۔

لیکن خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ خادا کے سوا اوروں کو خدا بنا لیتے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت خدا سے رکھی چاہیے۔

نصیری حضرت علیؑ کو خدا مانتے ہیں لہذا وہ حضرت علیؑ سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ خدا سے رکھی چاہیے لہذا وہ نفع کے حصول اور دفع ضرر کے لئے حضرت علی کو ہی

پکارتے ہیں، اولاد بھی وہ حضرت علی سے ہی مانگتے ہیں رزق بھی وہ حضرت علی سے مانگتے ہیں لہذا یا علی یا علی پکارنا اور یا علی یا علی کے نعرے لگانا ان کا شعار ہے اور مذکورہ چیزوں کی طلب اور دفع ضرر کے لئے یا علی کہنا ان کا ورد زبان ہے اور ایسی محبت وعقیدت کے ساتھ حضرت علیؑ کو پکارنا جیسی کہ خدا سے رکھنی چاہیے وہ حضرت علیؑ کو خدا ماننے والوں سے ہی ممکن ہے۔ حضرت علیؑ کو خدا ماننے والوں کو یہ شعار حضرت علیؑ سے محبت کرنے والوں میں شدت کے ساتھ رواج پاتا چلا گیا لہذا یہ صوفی ملنگوں کا ہر دم کا وظیفہ ہے یہ مفوضہ کا ورد زبان ہے اور شیخیوں کا تکیہ کلام ہے یہاںتک کہ شیعہ عوام کا بھی ایسا معمول بنا کہ اس مذہب کے علماء ورہنماء یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ آج یا علی کا نعرہ لگانا شعار شیعہ ہے۔ اور یا علی مدد کہنا علامت تشیع ہے اور جب شیعہ علماء کا فتویٰ یہ ہو کہ یا علی کے نعرے لگانا شعار شیعہ ہے اور یا علی مدد کہنا علامت تشیع ہے تو پھر نصیریوں کو شیعہ سمجھنے والوں سے کوئی غلطی نہیں ہوئی اور مستشرقین یورپ نے بھی بالکل صحیح سمجھا کیونکہ جتنی محبت وعقیدت سے نصیری یا علی کے نعرے لگاتے ہیں اور یا علی مدد کہتے ہیں اتنا اور کوئی نہیں لگا سکتا۔ اور چونکہ یہ کام خدا ہی کا ہے لہذا آج شیعوں میں سے کچھ لوگ علی اللہ کے نعرے بھی لگانے لگ گئے ہیں اور علی اللہ کے بینرز اٹھائے جاتے ہیں جس پر علامہ سید ریاض حسین نجفی نے اپنے خطبہ عید میں بڑے دکھ کا اظہار کیا ہے (ماہنامہ المنتظر فروری 2002)

نعرے اپنے مقصد اور عقیدے کا اظہار ہوتے ہیں

نعرے لگانا ہر قوم کو معمول ہے ہر تحریک نعروں کے سہاروں ابھرتی ہے کیونکہ یہ نعرے ان کے مقصد کو اجاگر کرتے ہیں اور ان کے عقیدے کو ظاہر کرنے والے ہوتے۔

جنگ احد میں جب مسلمانوں کی بے تدبیری، بدنظمی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی حکم

عدولی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی اور پیغمبر اکرم صلعم بھی زخمی ہو کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تو ایک مرحلہ پر ابو سفیان نے ایک نعرہ لگایا (اعلیٰ جبل)

جب پیغمبر گرامی اسلام کے کانوں میں یہ آواز پہنچی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم اس کے جواب میں یہ کہو کہ (اللہ اعلیٰ واجل)

نصیریوں کے نعرے بھی انکے مقصد اور عقیدے کو ظاہر کرنے والے ہیں وہ ان کا شعار اور نصیریت کی علامت ہے جبکہ شیعیان امامیہ اثنا عشریہ کے لئے وہ نعرے جو ان کا شعار اور علامت تشیع ہو سکتے ہیں وہ بدیلوی طرز پر یہ ہیں:

نعرہ ولایت.....یاامیر المومنین نعرہ امامت........یاامام المتقین

نعرہ وصایت....یاسید الوصیین نعرہ قیادت.........یاقائد الغر المحجلین

ان کے علاوہ یہ نعرے بھی علامت تشیع ہیں

اوصیا کے پیمبر ہیں	اثنا عشر
ہیں دین کے رہبر	اثنا عشر
ہیں ہادی برحق	اثنا عشر
ہیں اپنے آئمہ	اثنا عشر

اور شیعوں کے بنیادی عقائد کو ظاہر کرنے والے نعرے یہ ہیں

نعرہ تکبیر	اللہ اکبر
نعرہ توحید	لاالہ الا اللہ
نعرہ رسالت	محمد رسول اللہ
نعرہ وصایت	علی ولی اللہ وصی رسول اللہ

یہ ہیں وہ نعرے جو شعار شیعہ کہلا سکتے ہیں اور صحیح معنوں میں علامت تشیع ہیں

وہ قوم جو ہندو معاشرے سے متاثر ہو کر شادی بیاہ کے موقع پر مہندی، بٹنہ، کنگن سہرا کو پابندی کے ساتھ نبھاتی ہو اسکے لئے حضرت علی کی محبت میں نصیریوں کے شعار کو اختیار کرنا تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ بھی یہ نعرے حضرت علیؑ کی محبت میں لگاتے ہیں مگر ان کی محبت ایسی ہے جیسی کہ خدا سے رکھنی چاہیے اور ان کے نعرے بھی اسی محبت کے اظہار کے لئے ہوتے ہیں پس یا علی کے نعرے شعار نصیریت ہیں اور یا علی مدد کہنا علامت نصیریت ہے اسے نصیریوں نے شیعوں سے اخذ نہیں کیا بلکہ شیعوں نے نصیریوں سے اپنایا ہے۔

ہم نے یا علی کے نعروں اور یا علی مدد کہنے کے بارے میں ایک مفصل مضمون اپنی کتاب ''شیعہ عقائد کا خلاصہ اور ان کا فلاسفہ وصوفیہ وشیعہ کے عقائد سے مقابلہ'' میں تحریر کیا ہے لہذا وہاں پر رجوع کریں۔

مذہب شیخیہ کا بیان

جیسا کہ ہم سابق میں فرقہ تفویضیہ یا فرقہ مفوضہ کے بیان میں نقل کر آئے ہیں کہ یہودی اور عیسائی جب فتوحات کے نتیجہ میں مسلمان ہوئے اور انھوں نے آئمہ اطہار سے معجزات کا ظہور دیکھا تو ان کا سابقہ عقیدہ بیدا ہو گیا کیونکہ یہودی حضرت عزیر کو ان کے معجزات کی بنیاد پر خدا کا بیٹا کہتے تھے اور بیٹا کیونکہ باپ کا مثل ونظیر ہوتا ہے لہذا وہ ان کو خدا بھی مانتے تھے۔ آئمہ اطہار کے معجزات دیکھ کر جب ان کا سابقہ عقیدہ بیدار ہوا تو وہ ان کے لئے تفویض کے قائل ہو گئے یعنی خدا نے ان کو خلق کرنے کے بعد اور کوئی کام نہیں کیا بلکہ ان کو خلق کرنے کے بعد اپنے تمام کام ان کو سپرد کر دیئے لہذا ان کے پیدا ہونے کے بعد جو کچھ کیا وہ انھوں نے کیا۔

لیکن جب افلاطون یونانی کا فلسفہ رواج پا گیا تو جس طرح انھوں نے حضرت

عیسیٰ کے بارے میں معجزات کی بناء پر عقیدہ قائم کیا تھا اور پھر اسے افلاطون یونانی کے فلسفہ کے ماتحت علمی شکل دی اور صوفیوں نے ہندوؤں کے ویدانت اور بدھ مت کے نروان کے ماتحت حلول واتحاد کا عقیدہ اختیار کیا اور پھر یونانی فلسفہ کے رواج پانے کے بعد اسے علمی شکل دے کر وحدت الوجود کا نظریہ اپنایا۔

اسی طرح فرقہ تفویضیہ نے یا فرقہ مفوضۃ نے ابتداً تو آئمہ کے معجزات کو بنیاد بنا کر تفویض کا عقیدہ اپنالیا اور معجزات کے علاوہ خطبہ البیان اور خطبہ طتنجیہ تصنیف کر کے جن میں حضرت علیؑ کی طرف نسبت دے کر ایسی باتوں کا اظہار کیا گیا تھا اپنے عقیدہ کے لئے دلیل بنایا لیکن جس طرح عیسائیوں نے بعد میں اپنے عقیدہ کو فلسفہ یونان کے مطابق علمی شکل دی اور صوفیوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق حلول واتحاد کو فلسفہ یونان کے مطابق علمی شکل دے کر وحدت الوجود کی صورت میں جاری کیا اسی طرح شیخ احمد احسائی نے تیرھویں صدی ہجری کے وسط اول میں اس عقیدہ تفویض کو فلسفہ یونان کے ماتحت علمی شکل دی اور علل اربعہ کا فلسفہ پیش کیا اور صوفیاء کے دلائل۔خطبہ بیان اور خطبہ طتنجیہ کے علاوہ آئمہ اطہار کے معجزات کو کام میں لاتے ہوئے عقیدہ تفویض کو علمی شکل میں پیش کیا۔چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام شائع کردہ دانشگاہ پنجاب لاہور جلد 2 میں اس فرقہ کے بانی کے بارے میں اس طرح لکھا ہے۔

"الاحسائی، شیخ احمد بن زین الدین بن ابراہیم ایک فقہی مذہب یا پھر اس لئے کہ شیعی مجتہدین نے اسے خارج از مذہب قرار دے دیا تھا زیادہ صحیح طور پر ایک فرقے کا بانی جو اس کے نام کی نسبت سے شیخی کے نام سے معروف ہے"

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام شائع کردہ دانشگاہ پنجاب لاہور جلد 2

بعض شیعہ مصنفین نے شیخ احمد احسائی کو عیسائی پادری لکھا ہے بعض نے اسے اور

اس کے جانشینوں کو "مزدوران استعمار در لباس مذہب" لکھا ہے لیکن روسا مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت اس بات کا برا مناتے ہیں۔اس لیے ہم نے اپنی کتاب "ایک پر اسرار جاسوسی کردار یعنی شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں" شیخ احمد احسائی کے حالات زندگی پر مفصل تحقیق پیش کی ہے جس میں شیخیہ احقاقیہ کویت کی مسلمہ و مستند و معتبر کتابوں کو ماخذ بنایا گیا ہے جس کا ماخذ اول شیخ احمد احسائی کی خود نوشت سوانح حیات ہے ماخذ دوم شیخ کے فرزند شیخ عبداللہ کی اپنے باپ کی تحریر کردہ سوانح حیات شرح احوال شیخ احمد احسائی ہے اور ماخذ سوم اس کے جانشین اول سید کاظم رشتی کی کتاب دلیل المتحرین ہے۔

شیخ احمد احسائی کی یہ تینوں سوانح حیات مذہب شیخیہ کے تمام فرقوں کے نزدیک مسلمہ و معتبر اور مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں جن سے شیخیوں کے کسی فرقہ کو انکار نہیں ہے

شیخ احمد احسائی نے اپنی مذکورہ خود نوشت سوانح حیات 1229ھ کے بعد تقریباً 1230ھ اور 1236ھ کے درمیان تحریر کی ہے اور جب 1242 میں شیخ احمد احسائی وفات پا گیا تو اس کی وفات کے عین بعد اس کے فرزد شیخ عبداللہ نے اپنے باپ کی مفصل سوانح حیات شرح احوال شیخ احمد احسائی کے نام سے لکھی۔اور جب شیخ کے جانشین اول سید کاظم رشتی سے ایک سائل ہندی نے اپنے ایک خط کے ذریعے شیخ احمد احسائی کو کافر قرار دیئے جانے اور اس کے پیرو کاروں کا نام مذہب شیخیہ رکھنے کا سبب پوچھا تو اس نے اس سائل ہندی کے جواب میں 1258ھ میں دلیل المتحرین کے نام سے شیخ احمد احسائی کی سوانح حیات تحریر کی۔اس خط کا ذکر سید کاظم رشتی نے خود اس کتاب کے آغاز میں کیا ہے

اور اس کتاب کے آخر میں اس کتاب کا سن تالیف 1258ھ لکھا ہے

ہم نے اپنی کتاب "ایک پر اسرار جاسوسی کردار" میں شیخ احمد احسائی کی اصل خود نوشت سوانح حیات سالم اور اس کے فرزند شیخ عبداللہ کی تحریر کردہ اپنے باپ کی سوانح حیات

بھی اصل سالم شائع کردی ہے اور دلیل المتحرین کے چیدہ چیدہ اقتباسات درج کئے ہیں اور اسے مسلمانان پاکستان کی عدالت میں اس لئے پیش کیا ہے تا کہ وہ اسے پڑھ کر خود فیصلہ کریں کہ نجف اشرف اور کربلائے معلٰی کے شیخ کے ہم عصر مراجع عظام نے اس مذہب کا نام شیخیہ رکھنے میں درست فیصلہ کیا ہے یا نہیں ۔مذکورہ کتاب کے چند اقتباسات نمونہ کے طور پر یہاں نقل کئے جاتے ہیں ۔

شیخ احمد احسائی وحی والہام کا مدعی تھا

شیخ احمد احسائی اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھتا ہے کہ ''و کنت فی تلک الحال دائماً . اری منامات وھی الھامات ''

''اور میں ہمیشہ اسی حال میں خواب دیکھا کرتا تھا اور میرے یہ سارے خواب وحی والہام ہوتے تھے'' (الشیخ احمد احسائی)

اور شیخ کے جانشین اول سید کاظم رشتی نے اپنی کتاب دلیل المتحرین میں شیخ کے 37 علوم کا عالم ہونے کا بیان کرنے کے بعد اس طرح لکھا ہے

'' ولا شک انه من لدن رب الارباب ''

اور ہمیں اس میں ذرا سا بھی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ سب کے سب 37 علوم علم لدنی تھے اور رب الارباب کی طرف سے تھے (دلیل المتحرین 14 تا 20)

یعنی شیخ نے یہ سارے کے سارے 37 علوم کسی دنیاوی مدرسے میں کسی استاد سے نہیں پڑھے تھے ۔

اور شیخ کے فرزند شیخ عبداللہ نے شرح احوال شیخ احمد احسائی میں اسطرح لکھا ہے

'' خلاصه رویای آں والا مقام بر سبیل کشف و الهام بود نه از اصفات

چونکہ ہم نے مذکورہ دونوں کتابیں سالم اصالتاً اپنی کتاب میں شامل کردی ہیں لہذا ان کے صفحات کے حوالے نہیں دیئے گئے علاوہ ازیں شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت جامعہ کے صفحہ 120 سطر 20 پر وحی کی اقسام بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

" و قد تقدم ان الوحی قسمان وحی متشافھة و وحی الھام"

یعنی ہم اپنے سابقہ بیان میں لکھ آئے ہیں کہ وحی کی دو قسمیں ہوتی ہیں "ایک وحی مشافھة" اور دوسرے وحی الہام" اور شیخ احمد احسائی اپنے اوپر دونوں قسم کی وحی کا مدعی تھا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "ایک پراسرار جاسوسی کردار یعنی شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں"

شیخ احمد احسائی کی ولادت کس ماحول میں ہوئی

شیخ احمد احسائی اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھتا ہے " **فخرجت فی وقت قد انتشر الجھل ، وعم الناس ، خصوصاً فی بلدتنا ، لا نه نائیة عن المدن** (F.2B.1)

ترجمہ: پس میں دنیا میں اس وقت آیا جبکہ جہالت کا دور دورہ تھا لوگ اندھے ہوئے ہوئے تھے خصوصاً ہمارے شہر کے لوگ جو تمدن سے بالکل بے بہرہ تھے یہاں پر کوئی ایسا نہ تھا جو لوگوں کو اللہ کی طرف اور اس کی عبادت کی طرف بلائے ۔ نہ یہاں کے باشندے احکام الہٰی سے آشنا تھے نہ حلال وحرام کی تمیز رکھتے تھے"

یعنی ایام جاہلیت کا سا ماحول تھا جبکہ خدا اپنے نمائندوں کو ہدایت خلق کے لئے بھیجا کرتا ہے۔

شیخ احمد احسائی اپنی ولادت کا وقت اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اسطرح لکھتا ہے۔

" کانت ولادتی فی السنة السادسة و الستین بعد المائة والاف من الهجرة ۱۱۲۶ فی شهر رجب المرجب"

الشیخ احمد احسائی مطبعۃ المعارف بغداد 1376ھ 1953ء

"یعنی میں ماہ رجب المرجب 1166ھ میں پیدا ہوا"

شیخ احمد احسائی کے علوم کا ماخذ اور حصول وحی کا انداز

شیخ احمد احسائی اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اپنے علوم کا ماخذ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" الحاصل ، انی رأیت اکثر الائمة . علیهم السلام . فظنی کلهم ، الاالجواد ، فانی متوهم فی رویته ، و کل من رایت منهم یجیبنی فی کل ما طلبت ، الا مسئلة الانقطاع ، فا ن جوابهم لی فیه کجواب البنی . صلی الله علیه وآله . و کنت مدة اقبالی سنین متعدده ، ما یشتبیه علی شی ، فی الیقظة ، الا و اتانی بیانه فی المنام و اشیاء ما اقدر صبطها لکثرتها .

واعجب من هذا ما اری فی المنام الا علی اکمل اریده فی الیقظه ، بحیث ینفتح لی ، جمیع ما یوید ادلته و یمنع یا بعارضة "

(الشیخ احمد احسائی مطبعۃ المعارف بغداد 1376ھ 1953)

ترجمہ: الحاصل میں نے اکثر آئمہ کو خواب میں دیکھا۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ میں نے سوائے حضرت جواد کے سب کو دیکھ لیا۔ پس مجھے ان کو بھی خواب میں دیکھنے کا خیال رہا اور

جس کو بھی میں نے خواب میں دیکھا اور ان سے جو بھی میں نے پوچھا۔ اس کا انھوں نے جواب دیا۔ لیکن ترک دنیا کے مسئلہ میں ان کا جواب نبی کے جواب کے مانند تھا اور میں کئی سال تک اسی طرح آئمہ کا خواب میں دیدار کرتا رہا ہوں کہ جس مسئلہ میں بھی حالت بیداری میں مجھے شبہ ہوا ہو اور وہ حالت خواب میں میں نے نہ دیکھ لی ہو، غرضیکہ میں نے خواب میں اس قدر کثرت سے چیزوں کا مشاہدہ کیا کہ میں ان کی کثرت کے سبب سے ان کو بیان نہیں کرسکتا۔ اوراس میں بھی عجیب ترین بات یہ ہے کہ میں جاگتے ہوئے جس بات کا ارادہ کرتا ہوں خواب میں اس کا مکمل جواب مل جاتا تھا۔ یعنی مجھ پر وہ سب حقیقت منکشف ہو جاتی تھی جن کی دلائل تائید کرتے ہوں اور ہر اعتراض کو رد کرتی ہو۔

شیخ کے نزدیک یہ خواب سب کے سب وحی والہام تھے

شیخ احمد احسائی اپنی اسی خودنوشت سوانح حیات میں آگے چل کر لکھتا ہے کہ

''و کنت تلک الحال ۔ دائماً ۔ اری مُنامات ، وھی الھامات ، فانی اذا خفی عنی شئی ، رایته بیانه ، ولو اجمالاً ، ولکنی اذا اتانی بیانه فی الطیف ، انتبھت ، ظھرت لی المسئلة بجمیع مایتوقف علیه من الادلة ، بحیث لا یخفی علی احوالھا ،حتی انه لو اجتمعت الناس ما امکنھم یدخلون علی شبھة فیھا فاطلع علی بجمیع ادلتھا ولو اردو علی الف میاف ، و الف اعتراض ، ظھر لی محاملھا واجوبیتھا بغیر تکلف ، وحدت جمیع الاحادیث کلھا جاریة علی طبق مارایت فی الطیف لان الذی اراہ فی المنام معائینة (ط ـ و ـ F)لا یقع قبه غلط ، واذا رایت ان تعرف صدق کلامی فانظر فی کتبی الحکیمه ، فانی فی اکثرھا ، فی اغلب المسائل ،

خالفت جل الحکماء و المتکلمین ، فاذا تاملت فی کلامی رایته مطابقاً لا حادیث ائمة الھدیٰ علیھم السلام . و لا تجد حدیثاً یخالف شیائمن کلامی .وتری کلام اکثر الحکماء والمتکلمین مخالفاً لکلامی والاحادیث آلائمة علیھم السلام

الشیخ احمد احسائی مطبعۃ المعارف بغداد 1376ھ 1953ء

ترجمہ: اور میں ہمیشہ اسی حال میں رہا کہ ہمیشہ خواب دیکھا کرتا تھا اور یہ سب کے سب خواب وحی والہام ہوتے تھے۔

پس میری یہ حالت ہوگئی کہ جب بھی مجھ پر کوئی بات مخفی ہوتی تو میں اس کا بیان خواب میں دیکھ لیا کرتا تھا خواہ وہ اجمالی طور پر ہی ہوتا لیکن جب میں اس کا بیان خواب میں دیکھ لیا اور بیدار رہوتا تو وہ مسئلہ مجھ پر اس سے طرح سے واضح ہوجاتا کہ وہ تمام دلائل جن پر اس مسئلہ کا اثبات موقوف ہے مجھ پر ظاہر ہوجاتیں ۔اس طور پر کہ مجھ پر اس مسئلہ کی کوئی حالت مخفی و پوشیدہ نہ رہتی ، یہاںتک کہ اگر تمام انسان بھی جمع ہوجائیں اور وہ سب کے سب مل کر چاہیں کہ مجھے اس مسئلے کے بارے میں مشتبہ بتائیں تو ان کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ میرے دل میں ذرا سا بھی شبہ پیدا کرسکیں ۔پس میں ان کے تمام دلائل سے مطلع ہوجاتا تھا اور اگر تمام انسان مل کر مجھ سے ہزار اختلاف کریں اور مجھ پر ہزار اعتراض کریں تو مجھ پر بلا تکلف اس کا جواب منکشف ہوجاتا تھا اور میں خواب میں جو کچھ دیکھتا تھا وہ ایسا ہوتا تھا کہ میں تمام احادیث کو ان خوابوں کے مطابق پاتا تھا کیونکہ میں جو کچھ خواب میں دیکھا کرتا تھا وہ بالکل ایسا ہوتا تھا جیسا کہ چشم دید بات ہو کہ اس میں قطعاً غلطی واقع نہ ہے۔

اگر تم میرے کلام کو پرکھنا چاہتے ہو تو میری حکمت یعنی فلسفہ کی کتابوں میں غور کرو کیونکہ میں نے ان میں سے اکثر کتابوں میں اغلب مسائل میں جلیل القدر علماء یعنی فلاسفہ

اور متکلمین یعنی عقائد بیان کرنے والوں سے اختلاف کیا ہے۔پس جب تم میرے کلام میں غور کرو گے تو تم ان کو آئمہ ھدیٰ علیہم السلام کی احادیث کے مطابق پاؤ گے اور تم کوئی حدیث ایسی نہ پاؤ گے جو میرے کلام کی ذرا بھی مخالفت کرتی ہو اور اکثر حکماء یعنی فلاسفہ اور متکلمین یعنی عقائد پر لکھنے والے علماء کے کلام کو میرے کلام اور احادیث آئمہ علیہم السلام کے مخالف پاؤ گے"

شیخ کے مذکورہ بیان کا ایک ایک لفظ قابل غور اور قابل تبصرہ ہے لیکن ہم صرف شیخ کے آخری بیان کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ شیخ نے سابقہ فلاسفہ اسلام کے فلسفہ سے اختلاف کر کے (جو کہ پہلے ہی خلاف اسلام سمجھا جاتا تھا) ایک نئے فلسفے کے ذریعے نئے عقائد ایجاد کئے اور گذشتہ تمام متکلمین یعنی عقائد بیان کرنے والوں کے مقابلے میں نئے عقائد وضع کر کے پیش کئے لہذا مذہب شیخیہ کے روسا اور مبلغین کا یہ کہنا قطعی غلط ہے اور شیعوں کو فریب دینے والا ہے کہ شیخ نے کوئی نئی بات ایجاد نہیں کی بلکہ جو کچھ سابقہ علماء بیان کرتے چلے آئے ہیں وہی کچھ اس نے بیان کیا ہے حالانکہ اس نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ "فانی اکثرھا، فی اغلب مسائل، خالفت جل الحکماء والمتکلمین" یعنی میں نے اپنی اکثر کتابوں میں اغلب مسائل میں جلیل القدر فلاسفہ اور متکلمین یعنی عقائد بیان کرنے والے علماء سے اختلاف کیا ہے لہذا شیخی حضرات کا یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ شیخ نے وہی کچھ بیان کیا ہے جو گذشتہ شیعہ بزرگ علما بیان کرتے آئے ہیں۔بہر حال اب ہم شیخ کی سوانح حیات میں آگے بڑھتے ہیں

شیخ احمد احسائی کی ماموریت کی وحی

شیخ احسائی نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اپنی ماموریت کا حال اسطرح

سے لکھا ہے

''لقد کان بینی وبین الشیخ محمد بن الشیخ حسین البحرانی رحمھم اللہ۔ بحث کثیر وا کثر الافکار علی۔ ثم انصرفنا فلما جاء اللیل، رایت مولائی علی بن محمد الھادی علیہ وعلی ربانہ الطیبین وابنانہ الطاھرین افضل الصلوٰۃ واذکی الصلوٰۃ۔ فشکوت الیہ حال الناس۔ فقال۔ علیہ السلام۔ اترکھم۔ وامض فیما انت فیہ ثم اخرج الی وا قا علی مھم الثمن، وقال، ھذا اجازتنا الاثناعشر، فاخذتھا (F-10 G)وفتحتھا، وذا اکل صحیۃ مصدرۃ بہ بسم اللہ الرحمن الرحیم، بعد المسلمۃ اجازہ وصفوتی بہ علیھم السلام۔ وما کان مما آمروتی بہ وعدوتی بہ وصفوتی بہ علیھم السلام، مالا یصدق بہ کل من سمع استغظامالہ، وانی لست اھلالہ، حتی انی قلت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ، من القائل بذا لک،

فقال۔ انا القائل

فقلت، یا سیدی انت تعرفنی وانا اعرف نفسی، انی لست اھلالذ الک فلای سبب قلت ذالک؟

فقال، بغیر سبب

فقلت، بغیر سبب؟

فقال امرنا ان اکول کذا

فقلت، امرت ان تقول کذا؟

فقال الھہم

الشیخ احمد الاحسائی مطبعۃ المعارف 1376ھ 1953ء

ترجمہ: ایک دفعہ میرے اور شیخ محمد بن حسین بن عصفور البحرانی کے درمیان بہت ہی بحث ہوئی اور اس نے میری باتوں کی بڑی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور انکار کیا، اس کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے پس جب رات ہوئی تو میں نے حضرت امام علی نقی ابن محمد تقی یعنی حضرت ہادی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ پس میں نے لوگوں کی حالت کی

ان سے شکایت کی (کہ آپ جو کچھ خواب میں آکر مجھے پڑھا کر جاتے ہیں لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں اور میری اس میں مخالفت کرتے ہیں) پس حضرت حادی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں کو تم ان کے حال پر چھوڑ دو اور جس حال میں تم ہو اس میں مشغول رہو۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے کچھ کاغذ نکال کر میری طرف بڑھائے جو تعداد میں آٹھ تھے (یعنی سولہ صفحات) اور کہا کہ یہ ہمارے بارہ اجازے ہیں۔ میں نے ان کاغذوں کو پکڑ لیا اور ان کو کھول کر دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہر صفحہ کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا گیا ہے اور بسم اللہ کے بعد بارہ کے بارہ آئمہ علیہم السلام میں سے ہر ایک امام کا میرے لئے اجازہ لکھا ہوا تھا اور اس میں وہ سب کچھ لکھا ہوا تھا جس کا آئمہ علیہم السلام نے مجھے حکم دیا تھا اور جس جس بات کا مجھ سے وعدہ کیا تھا اور جو صفتیں اور تعریفیں اور میری خوبیاں ان اجازوں میں انھوں نے بیان کی تھیں اور وہ بیان کردہ میری صفات ایسی تھیں جن کو کوئی بھی شخص جو بھی ان کو سنے ان کو انتہائی بزرگ تعریفات اور عظیم صفات سمجھتے ہوئے تسلیم نہیں کر سکتا۔ اور ان کو سچ نہیں سمجھ سکتا اور ان کی تصدیق نہیں کر سکتا اور حق بات یہ ہے کہ میں ان صفات کا اہل بھی نہیں ہوں یہاں تک کہ میں نے نبی صلعم سے کہا (خواب میں ہی کہ مجھ میں تو یہ صفات نہیں ہیں) میری یہ صفات بیان کرنے والا کون ہے۔

پس نبی صلعم نے کہا تمہاری یہ صفات وخصوصیات و مراتب و مناصب میں نے بیان کئے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ اے میرے آقا، آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اور میں خود بھی اپنے نفس سے اچھی طرح واقف ہوں کہ میں ان صفات وخصوصیات و مراتب و مناصب کا اہل نہیں ہوں۔ پس آپ نے میری یہ صفات وخصوصیات و مراتب کس وجہ سے اور کس سبب سے بیان فرمائے ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بغیر کسی سبب کے

میں نے پھر کہا کہ کیا بغیر کسی سبب کے ہی آپ نے میری یہ صفات وخصوصیات و مراتب بیان کر دیے ہیں

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کے لئے ان صفات وخصوصیات ومراتب کا بیان کروں۔

میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ میری یہ صفات و خصوصیات ومراتب مجھ سے بیان کریں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ہاں

دکتور علی محفوظ نے شیخ کی اس خودنوشت سوانح حیات کا مقدمہ لکھا ہے انھوں نے اس میں ایک بڑا فصیح وبلیغ لفظ استعمال کیا ہے اور وہ لفظ ہے " **کان یستکھمھا** "

'یعنی خود اپنے آپ ہی اپنے اوپر الہام کراتا تھا' چنانچہ جب الشیخ محمد بن الشیخ حسین آل عصفور البحرانی نے اس کے افکار ونظریات کی مخالفت کی تو اس نے امام ھادی کو خواب میں بلا لیا اور ان سے شکایت کی تو انھوں نے کہا کہ تم ان لوگوں کو چھوڑ دو اور جس کام میں تم لگے ہو لگے رہو،اور شیخ کو اس مذہب کی تبلیغ کرنے پر مامور کر دیا جو اسے انھوں نے خواب میں آ آ کر سکھایا تھا۔اور تحریری طور پر اس کے مامور ہونے کی دستاویز خواب میں ہی اس کے حوالے کر دی اور اس میں اس کا جو مرتبہ اور منصب وعہدہ انھوں نے بیان کیا اسے پڑھ کر وہ خود بھی دنگ رہ گیا اور اس نے خواب میں ہی پیغمبر اکرم صلعم کو طلب کر لیا اور ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں یہ کس نے کہا ہے تو پیغمبر نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ میں نے کہا ہے تو شیخ نے آنحضرت سے کہا کہ آپ نے میرے حق میں یہ بات کس سبب سے کہی ہے تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ بغیر سبب کے: شیخ نے پھر پوچھا کہ کیا بغیر سبب کے آپ

نے میرے حق میں یہ بات کہہ دی ہے تو آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے اور جب شیخ نے پھر دوبارہ پوچھا کہ کیا آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے تو آنحضرت نے فرمایا 'ہاں'

اب قارئین خود یہ اندازہ لگائیں کہ پیغمبر کو شیخ کے لئے مامور ہونے کا یہ حکم کس نے دیا تھا اور وہ کونسا منصب وعہدہ تھا جس پر خدا نے پیغمبر کے ذریعے حکم دے کر اسے مامور کیا تھا۔ لیکن وہ خود یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس منصب اس عہدہ اور میری عظمت والی صفات کو سن لے تو کوئی بھی ان کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ ان کو سچا نہیں سمجھ سکتا اور ان کی تصدیق نہیں کرسکتا۔

یہ ہے بیان شیخ احمد احسائی کا وحی والہام کے ذریعے ایک منصب خاص پر مامور من اللہ ہونے کا، شیخ کے وہ شاگرد جو صرف اسی کے شاگرد تھے اور انھوں نے کسی شیعہ استاد یا شیعہ مدرسہ میں نہ پڑھا تھا وہ شیخ کے لئے اس منصب خاص کا عقیدہ رکھتے تھے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی براہ راست تعلیم کی وجہ سے خود بھی وحی والہام کے قائل ہوگئے اور انہیں مراتب کے مدعی بن گئے چنانچہ سید کاظم رشتی کے بعد سید علی محمد باب نے امام مہدی کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور حسین علی بہا نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا جس سے بابی وبہائی مذہب ظہور میں آئے اور مرزا محمد کریم خان کرمانی نے یہ دعویٰ کیا کہ شیخ احدم احسائی رکن رابع تھا یعنی پہلا رکن توحید دوسرا رکن نبوت اور تیسرا رکن امامت اور چوتھا رکن شیخ احمد احسائی۔ مرزا محمد کریم خان کرمانی کے نزدیک شیخ احمد احسائی کے بعد سید کاظم رشتی رکن رابع تھا اور سید کاظم رشتی کے بعد مرزا محمد کریم خان کرمانی رابع ہوا یہ حضرات رکنیہ شیخیہ کہلاتے ہیں ان کا سلسلہ نیا تب آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ ہمارے پاس اس فرقے کا رسالہ ''النجم الثاقب'' موجود ہے جس میں انھوں نے شیخ احمد احسائی کی کتاب شرح زیارت سے ثابت کیا ہے کہ شیخ رکن رابع تھا یہ رسالہ تبریز ایران سے شائع ہوا ہے۔

بہر حال شیخ احمد احسائی کے وحی والہام اور ماموریت من اللہ ہونے کے دعووں کے بارے میں مذکورہ بیان اور ثبوت ہی کافی ہے مزید تفصیل کے لیے ہمارے کتاب ''ایک پراسرار جاسوسی کردار یعنی شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں'' کی طرف رجوع کریں۔

شیخ احمد احسائی کے ایک فرضی سفر کا بیان

شیخ احمد احسائی نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اپنی زندگی سے متعلق کچھ نہیں لکھا سوائے اس کے کہ وہ 1166 ھ میں پیدا ہوا، جہاں کوئی بھی پڑھا لکھا نہ تھا اور وہاں زمانہ جاہلیت کا سا ماحول تھا اس کے تمام علوم کا ماخذ وہ خواب ہیں جو پانچ سال کی عمر سے شروع ہو گئے تھے اس کے خوابوں کے بیان کے علاوہ اس کی کسی بھی سوانح حیات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کسی شیعہ مدرسے میں یا کسی شیعہ استاد سے کچھ پڑھا ہو۔ یا کسی سنی استاد یا کسی سنی مدرسے میں ہی پڑھا ہو۔ یعنی بالکل امی تھا۔ اور بچپن سے ہی اس نے اپنی حالت ایسی لکھی ہے جیسا کہ کسی نبی و رسول اور ماموریت من اللہ فرستادہ خدا اور ھادی خلق کی ہوتی ہے۔

شیخ احمد احسائی کی وفات کے عین بعد اس کے فرزند شیخ عبداللہ نے اپنے باپ کی سوانح حیات شرح احوال شیخ احمد احسائی کے نام سے لکھی ہے جو شیخ احمد احسائی کی خودنوشت سوانح حیات کے بعد لکھی جانے والی سب سے پہلی سوانح حیات ہے۔ اس میں شیخ عبداللہ نے پہلے تین ابواب میں اپنے باپ کی اسی خودنوشت سوانح حیات کو نقل کیا ہے شیخ عبداللہ نے اس میں آگے چوتھے باب میں اپنے باپ کے سفروں کا حال تفصیل سے لکھا ہے جو 1208 ھ سے شروع ہوتا ہے 1166 ھ سے لے کر 1208 ھ تک شیخ کے حالات زندگی

قطعی طور پر تاریکی میں ہیں، روسائے شیخیہ اور پیروان شیخ نے اس بیالیس سال کے عرصہ کے لئے جو بات اپنی طرف سے بنائی ہے وہ یہ ہے کہ اس عرصہ میں وہ جنگلوں میں، بیابانوں میں، پہاڑوں میں۔ اور غاروں میں رہ کر غور فکر اور تدبر و تفکر میں مشغول رہا۔ البتہ 1166ھ اور 1208ھ کے درمیان شیخ عبداللہ نے اپنے باپ کا ایک فرضی سفر کا قصہ گھڑ کر بیان کیا ہے جسے وہ 1186ھ میں کرنا بیان کرتا ہے جبکہ وہ خود اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی ماں مریم بن خمیس آل عصری کا اس کے باپ کے ساتھ ابھی نکاح بھی نہیں ہوا تھا جیسا کہ خود اس نے لکھا ہے کہ شیخ احمد احسائی نے مریم بنت خمیس آل عصری کے ساتھ 1186 کے اس سفر سے وطن واپس آنے کے بعد نکاح کیا اور شیخ عبداللہ شیخ احمد احسائی کے تین بیٹوں میں سب سے چھوٹا تھا جو مریم آل عصری سے پیدا ہوا چنانچہ 1186ھ میں اس سفر عراق کا بیان کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ

" الغرض پس از چندی در آں صفحه طاعوی پلید آمد که اهل عراق را توقف مالا یطاق گشته لا جرم همگی ، متفرق در آفاق شدند وآں بزگوار نیز مهاجرت، بموطن خویش مراجعت فرمود بس از و اود مریم بنت خمیس آل عصری را که از اهل قرین بود بنکاح خویش . در آورد و او اول زوجات ایشاں بود " (شرح احوال شیخ احمد احسائی ص 19)

ترجمہ: الغرض کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ عراق میں طاعون پھیل گیا اور خود اہل عراق کا وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور سب کے سب وہاں سے نکل گئے ان بزرگوار نے بھی اپنے وطن کا رخ کیا اور وطن لوٹنے کے بعد مریم بنت خمیس آل عصری سے جو قصبہ قرین کی رہنے والی تھی نکاح کر لیا اور وہ ان کی ازدواج میں سب سے پہلی زوجہ تھی۔

شیخ عبداللہ کے مذکورہ بیان سے بالفظ واضح ثابت ہے کہ شیخ عبداللہ 1186

میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا بلکہ بہت بعد میں پیدا ہوا لہذا شیخ کے اس 1186ھ کے سفر کا وہ عینی شاہد نہیں ہے اور اس کے علاوہ اور کسی نے اس کے اس سفر کو بیان نہیں کیا حتیٰ کہ خود اس کے والد نے بھی بیان نہیں کیا۔ اس کے بعد جس نے بھی لکھا وہ شیخ عبداللہ کی تحریر کردہ شرح احوال شیخ احمد احسائی سے نقل کر کے لکھا ہے اس فرضی اور گھڑے ہوئے سفر کی وجہ اس کے فرزند نے یہ لکھی ہے کہ وحی والہام کے ذریعہ جب شیخ درجہ کمال کو پہنچ گیا تو شیخ کو اپنے وطن میں کوئی ایسا اہل آدمی نہ ملا جن کے سامنے وہ اپنے علوم کا اظہار کر سکے لہذا شیخ نے عیشات عالیات عراق کا سفر اختیار کیا چنانچہ وہ اپنے باپ کے اس سفر کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"در سن یک هزار و یک صد و شناد و شش 1186 که گذشته بود از سن مقدسش لیست سال دریں حال آن اسراسر الهي و حکم لا متناهي را اهلي برائے اظهار بلکه بیان یک از هزار در آیں بلاد و دیار نیامت زهرا که درآن بلد جمعي سني بودند و غالب آلهنا اهل تصوف و برخي شیعه اثنا عشری درمیان ایشاں علمائے ظاهری قشری که ایشاں را ربطي بحکمت نه بود . چه جائے اسرار خلقت لاجرم آهنگ مهاجرت و ساز مسافرت فرمود و راه عیشات عالیات در پیش گرفت تا مگر اهلي برائے امر خوش جوید . جوں بکر بلائی معلیٰ ونجف اشرف مشرف گشت، در مجالس و محافل علماء و فضلا حاضر سیدنا پایه و مایه هریک را معلوم غاید"

ترجمہ: سن 1186 میں جب آپ کی عمر 20 سال کی ہوگئی اور آپ کو اپنے وطن میں کوئی ایسا اہل آدمی نہ ملا جس کے سامنے اسرار الٰہی اور اپنے لامتناہی علم وحکمت کا اظہار کر سکے۔

کیونکہ اس کے وطن میں بہت سے لوگ تو سنی تھے جن میں اکثر اہل تصوف تھے اور کچھ
تھوڑے سے لوگ شیعہ اثناعشری تھے جن کے علماء ظاہری اور قشری تھے کہ ان کو فلسفہ کے
ساتھ کوئی ربط و تعلق نہ تھا اسرار خلقت سے آگاہ ہونا تو دور کی بات ہے لہٰذا ہجرت اختیار کی
اور سامان مسافرت تیار کیا اور عیشات عالیات عراق کی راہ لی تاکہ اپنے امر کے لیے کوئی
اہل آدمی تلاش کرے کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف پہنچنے کے بعد علماء و فضلا کی مجالس اور
محافل میں شرکت کی تاکہ دیکھیں کہ ان میں سے کوئی کتنے پایا اور مایہ کا عالم ہے"

شیخ عبداللہ نے اپنے باپ کی یہ سوانح حیات شیخ کی وفات 1242 کے بعد لکھی
ہے اور چونکہ شیخ پر 1240ھ میں نجف اور کربلا کے مجتہدین عظام نے کفر کا فتویٰ لگایا تھا اور
اسکے عقائد و افکار کو مذہب شیخیہ کا نام دیا تھا اور اسکی پیروی کرنے والوں کو شیخی کے نام سے
تعبیر کیا تھا لہٰذا شیخ کے فرزند نے یہ فرضی سفر اس لئے گھڑا تاکہ اس وقت کے اعلم و افقہ کی
زبان سے شیخ کے بارے میں یہ کلمات گھڑ سکے کہ "اے شیخ تم اس بات کے اہل ہو کہ تم مجھے
اجازہ دو۔ اور یہ کہنے کے بعد شیخ کی فرمائش پر آقائے مہدی بحر العلوم نے اجازہ روایت لکھ
کر دے دیا۔ چونکہ 1240ھ میں شیخ پر کفر کا فتویٰ لگانے والے اکثر علماء و مجتہدین آقائے
مہدی بحر العلوم کے شاگرد تھے لہٰذا یہ فرضی اور خودساختہ اجازہ اس لئے تیار کیا گیا تاکہ وہ یہ
کہہ سکیں کہ تمہارے استاد نے تو 1186ھ میں شیخ کو اجازہ دیا تھا تم اسے کافر کیسے کہتے ہو
چنانچہ ان کے کفر کے فتووں کے جواب میں روسائے مذہب شیخیہ یہی کہتے ہیں۔

ہم نے اپنی کتاب "ایک پر اسرار جاسوسی کردار یعنی شیخ احمد احسائی، مسلمانان
پاکستان کی عدالت میں" انتہائی مضبوط دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ یہ اجازہ جعلی ہے
اور گھڑا ہوا ہے یا چرایا ہوا ہے اور جس کو یہ اجازہ دیا گیا ہے اس کا نام مٹا کر شیخ کا لکھ لیا گیا
ہے ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ شیخ کے جانشین اول سید کاظم رشتی کے زمانے میں

اس وقت کے مراجع عظام نے کاظم رشتی کو مجمع علماء میں طلب کر کے اس سے مناظرہ کیا اور مذہب شیخیہ کی تبلیغ کرنے کی وجہ سے اسے اور شیخ کو کافر قرار دیا اور سید محمد مہدی ابن سید علی صاحب ریاض کے امضاء کے ساتھ ان کے کفر کا فتویٰ صادر ہوا اور ان کے مذہب کا نام مذہب شیخیہ قرار دیا گیا تو شیخ کے دفاع میں اور دوسرے علماء کے اجازے بھی گھڑے گئے اور شیعوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایک کتاب کی شکل میں "کتاب اجازات شیخ احمد احسائی" کے نام سے شائع کئے گئے یہ "کتاب اجازات" ہمارے پاس موجود ہے۔

ان میں سے یہ اجازہ جسے 1186 میں بنتا دکھایا گیا ہے اس کی تاریخ تحریر اس اجازے کے آخر میں لکھی ہوئی ہے جو 1209ھ ہے جو اس اجازہ کے جعلی، وضعی، جھوٹا اور گھڑا ہوا ہونے کی انتہائی مضبوط دلیل ہے کیونکہ یہ اجازہ جسے دیا گیا تھا وہ 1209ھ میں دیا گیا تھا 1186ھ میں نہیں اور 1186ھ میں شیخ کے سفر عراق کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ اس سفر کا حال کسی نے نہیں لکھا سوائے شیخ عبداللہ کے اور خود شیخ عبداللہ کی تحریر کردہ شرح احوال شیخ احمد احسائی کے ص 19 کے حوالہ سے ہم لکھ کر آئے ہیں کہ شیخ احمد احسائی نے 1186ھ کے بعد شیخ عبداللہ کی والدہ مریم بنت خمیس آل عصری کے بطن سے شیخ احمد احسائی کے بیٹوں میں سے سب سے چھوٹا تھا۔ جیسا کہ مرزا علی الاسکوئی الاحقاقی رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت نے اپنے رسالہ "الانتقاد علی ترجمۃ الفاضل العاملی واعتراضاتہ" میں شیخ احمد احسائی کے فرزند شیخ علی نقی کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ:

"تاریخ وفات مولائی و سیدی و سندی الحکیم العارف الزاهد المرحو المغفور له الشیخ علی تقی بن المرحوم الشیخ احمد بن زین الدین الاحسائی صبح یوم الاحد الثالث والعشرین من والحجة الحرام نة 1246 من الهجرة" الانتقاد علی ترجمۃ الفاضل العامل والمراقبۃ ص 83

اس کے بعد اسی کتاب کے صفحہ 85 پر لکھتے ہیں

" ولم یعقب رحمه الله لا ذکرا والا انثیٰ ، ولا من ابیه (قدس سره) اخوان اثنان هو ثالثهم اوسطهم و کلهم کانوا علماءاً ، فضلاءاً اتقیاءاً ابراراً کمليل الشيخ محمد تقي والشيخ عبدالله و هذا الثاني اخوهم الاصغر ، عاش بعد والده المرحوم مدة يسره ولحق اباره رحمه الله ولا ترحمة الاحوال والده مفصلاً "

یعنی شیخ علی تقری نے اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور ان کے دو بھائی تھے اور وہ تیسرا تھا اور درمیانہ تھا اور یہ سب کے سب عالم ۔ فاضل، متقی و کامل تھے ایک ان میں سے شیخ محمد تقی اور دوسرا شیخ عبداللہ اور یہ دوسرا یعنی شیخ عبداللہ ان سب سے چھوٹا تھا یہ اپنے والد کے بعد کچھ تھوڑے عرصہ زندہ رہا اور بہت جلد اپنے باپ سے جا ملا اس نے اپنے باپ کے احوال میں ایک مفصل سوانح حیات لکھی ہے۔

اسی کتاب میں 84 پر شیخ احمد احسائی کی تاریخ وفات 22 ذی القعدہ 1241 ھجری لکھی ہے لہذا یہ سوانح حیات اپنے باپ کے مرنے کے بعد تقریباً 1242ھ میں لکھی ہے کیونکہ اس میں اس کے باپ کے مرنے کا حال لکھا ہوا ہے اور 1186ھ کے تقریباً چھ سال بعد پیدا ہوا لہذا وہ 1186 کے سفر کا عینی شاہد نہیں ہے اور اس سفر کا حال اس کے سوا اور کسی نے نہیں لکھا بلکہ اس کے بعد جس نے بھی لکھا وہ شیخ عبداللہ کی تحریر کردہ اس کے باپ کی سوانح حیات سے نقل کر کے لکھا ہے۔

اور اسی سے نقل کر کے رئیس مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان مرزا ابوالقاسم خان قاجاری کرمانی نے اپنی کتاب "فہرست کتب مشائل عظام" میں اس سفر کا بیان اس طرح لکھا ہے

در حدود پست سالگی بقیات عالیات مشرف شد.....الخ

(فہرست کتب مشائخ عظام ص162)

یعنی بیس سال کی عمر میں غیبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوا۔الخ

چونکہ شیخ احمد احائی کی پیدائش مسلمہ طور پر 1166 ہے لہذا بیس سال کی عمر سے مراد 1186ھ ہے۔لیکن رئیس مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان اس امر کی طرف متوجہ ہوا کہ وہ اجازہ جو آقا مہدی بحر العلوم سے 1186ھ میں حاصل کرنا بیان کیا گیا اور اس پر 1186ھ کی تاریخ درج نہیں ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ" و اینکه بعضی نوشته اند که مرحوم سید در سن بست سالگی بایشاں اجازه داد بنظر نگاه رنده درست نیست زهرا تاریخ اجازه مرحوم سیدبحرا لعلوم بست و دوم ذوالحجة سال هزار و دو بست ونه است که دراں موقع بین شریف شیخ بزرگوار چهل وسه سال بوده است (فہرست کتاب مشائل عظام ص163)

ترجمہ: اور یہ جو بعض نے لکھا ہے کہ مرحوم سید (محمد مہدی بحر العلوم) نے بیس سال کی عمر میں شیخ کو جازہ دیا رقم کی نظر میں صحیح نہیں ہے کیونکہ مرحوم سید بحر العلوم نے تاریخ اجازہ 22 ذوالحجہ سن 1209ھ لکھی ہے اور اس وقت شیخ کی عمر 43 سال تھی

پس ثابت ہوگیا کہ شیخ نے 1186 میں کوئی سفر نہیں کیا تھا۔یہ سفر 1186ھ میں اس لئے گھڑا گیا تا کہ 1240 میں شیخ پر جو کفر کے فتوے لگے اس کا دفاع کیا جائے اور شیخ عبداللہ کے سوا اس سفر کا بیان اور کہیں نہیں ملتا چونکہ اس سفر کا بیان اور اجازہ کا ذکر سب سے پہلے شیخ عبداللہ نے اپنے باپ کی سوانح حیات میں کیا ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ نہ شیخ نے 1186ھ میں عیشات عالیات کا سفر کیا اور نہ ہی 1186ھ میں آقائے سید محمد مہدی بحر العلوم سے کوئی اجازہ لیا۔

شیخ کا پہلا سفر اور بحرین کا قیام، دوسرا سفر اور بصرہ کا قیام

شیخ عبداللہ اپنے باپ کی مریم بنت خمیس آل عصری کے ساتھ شادی کا حال بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ:

" دریں وقت بواسطہ معاشرت و آلودگی خلق باب رویا ء مسدود شد و چندی گذشت کہ احد از آئمہ علیہم السلام ، ملاقات نفر مود الا قلیل کہ بعض آھنا مذکور شدہ ، الغرض پس از چندی با عیال و اثقال ببحرین انتقال فرمود و چھار سال اقامت نمود تاآنکہ در شھر رجب از سن یک ھزار دو بست و دو ازدہ (1212ھ) فاطمہ بن علی بن ابراھیم جدہ فرزندش شیخ عبداللہ وفات یافت، پس از وفات دی عزم عیشات نمود پس از مراجعت در بصرہ توقف فرمود و عیال را نیز از بحرین بلا آنجا ازتحال دار و در محلہ جسر البعید در خانہ حاج ابراھیم عطا ر ملقب بابی حلیہ منزل فرمود شرح احوال شیخ احمد احسائی ص20

ترجمہ: اس وقت خلق کے ساتھ میلاپ اور معاشرت کی وجہ سے خوابوں کا سلسلہ بند ہوگیا اور کافی عرصہ گزر گیا مگر آئمہ علیہم السلام میں سے کسی سے خواب میں ملاقات نہ ہوئی لیکن قلیل جن میں سے بعض کا ذکر کیا جا چکا ہے الغرض کچھ عرصہ بعد اپنے اہل وعیال اور سازو سامون کے ساتھ بحرین منتقل ہوگئے اور بحرین میں چار سال قیام کیا یہاں تک کہ ماہ رجب 1212ھ میں شیخ عبداللہ کی نانی فاطمہ بنت علی بن ابراہیم نے وفات پائی اس کی وفات کے بعد عیشات عالیات عراق کا سفر اختیار کیا اور وہاں سے واپس آتے ہوئے بصرے میں ہی ٹھہر گئے اور عیال کو بھی بحرین سے وہیں بلوالیا اور محلہ جسر العبید میں حاج

ابراہیم عطا ملقب بہ ابی جلہ کے گھر میں قیام کیا'' (شرح احوال شیخ احمد احسائی ص 20)

شیخ کا دراصل یہ پہلا سفر ہے جو شیخ نے بحرین کے لیے کیا اور جسے شیخ عبداللہ نے بچشم خود ملاحظہ کیا کیونکہ شیخ عبداللہ اس وقت ایک اندازہ کے مطابق 16 سال کا بالغ ہو چکا تھا اور چونکہ وہ یہ لکھتا ہے کہ شیخ نے بحرین سے 1212 میں عیشات کا سفر کیا اور اس سے پہلے چار سال بحرین میں قیام کیا لہٰذا وہ بحرین 1208ھ میں آیا۔ شیخ 1208ھ میں وطن سے رخصت ہو کر اپنے عیال و سازو سامان کے ساتھ بحرین کیوں آیا اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی لیکن دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بحرین میں وہ ابن ابھی جمہور کے کتب خانہ میں شیعہ مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ جن میں بہت سے کتابیں مفوضہ کے عقائد پر مشتمل تھیں اس چار سال کے عرصہ میں شیعہ مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے عراق کا سفر اختیار کیا زیارت عشیات عالیات کے بہانے کربلائے معلی اور نجف اشرف گیا اور وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر واپس آیا اور راستہ میں بصرے میں ٹھہر گیا اور گھر والوں کو بھی بحرین سے وہیں بلالیا اور پھر بصرے سے گردونواح کے شہروں، قصبوں اور دیہات میں سکونت بدلتا رہا۔ اور شیخ کے بصرے کے قیام کے دروان سعودی بادشاہ مسعود بن عبداللہ العزیز نے عراق پر حملے کیے اور جہاں جہاں شیخ گھوما وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجادی پہلا حملہ سعود ابن عبدالعزیز نے 1212ھ میں کیا اور اتنے لوگوں کو قتل کیا جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ملاحظہ ہو تاریخ المملکۃ العربیہ السعودیہ ص 69

پھر دوسرا حملہ 1216 ھجری میں کیا شہر کربلا کی فصل تو ڑ کر شہر میں داخل ہوئے اہل کربلا کا قتل عام کیا اور وہاں سے مال کثیر غنیمت کے طور پر لے کر باہر نکلے

ملاحظہ ہو تاریخ المملکۃ العربیہ السعودیہ ص 74

غرض شیخ 1212 سے 1221 تک عراق میں ان تمام علاقوں میں گردش کرتا رہا

جہاں جہاں سعود ابن عبد العزیز نے حملہ کیا شیخ عبداللہ اپنے باپ کی سوانح حیات شرح احوال شیخ احمد احسائی میں عراق کے شہروں میں گھومنے اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہونے کی وجہ اس طرح سے بیان کرتا ہے۔

" از آنجا کہ بالطبع از معاشرت انام نفرت تمام داشت ہر وقتی بجائی انتقال معی فرمود تا مگر محلی مطبوع بایدو پرجاری از جہتی مناسب نمیافتاربعد انتقال بجائے دیگر می فرمود "

شرح احوال شیخ احمد احسائی ص 21

ترجمہ: چونکہ وہ لوگوں کی معاشرت سے بالطبع سخت نفرت کرتے تھے لہذا ہر وقت کسی نہ کسی جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے تاکہ کوئی ان کی پسند کی جگہ مل جائے اور کوئی بھی جگہ کسی نہ کسی سبب اور جہت سے مناسب معلوم نہیں ہوتی تھی لہذا پھر وہاں سے دوسرے شہر منتقل ہو جاتے تھے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب "ایک پراسرار جاسوسی کردار یعنی شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں"

لیکن مختصر یہ ہے کہ جہاں سے شیخ منتقل ہو جاتا تھا وہاں پر سعود ابن عبد العزیز حملہ کر دیتا تھا اور ان تمام علاقوں میں شیخ اور اس کے تینوں فرزند پھیلے ہوئے تھے مگر اس قتل عام میں ان کا شاہ مسعود نے کچھ نہ بگاڑا اور اسی لئے ہم نے اپنی مذکورہ کتاب کا نام "ایک پراسرار جاسوسی کردار" رکھا ہے جو شیخ کی ایک مستند سوانح حیات ہے۔

شیخ احمد احسائی نے 37 علوم کہاں سے حاصل کئے

شیخ عبداللہ کی شرح احوال شیخ احمد احسائی کے مطابق ماسوائے ایک فرضی مختصر سفر

کے وہ کہیں نہیں گیا اور 1166 ھ سے 1208 ھ تک یعنی تقریباً 42 سال تک وہ اپنے وطن قریہ مطیرف میں ہی مقیم رہا۔ تقریباً 20 سال کی عمر میں شادی بھی کی بچے بھی ہوئے لیکن خواب میں الہام کے افسانے کے سوا 42 سال تک کسی سے کچھ نہیں پڑھا۔ لیکن شیخ کے شاگرد ارشد اور جانشین اول سید کاظم رشتی نے اپنی کتاب "دلیل المتحرین" میں یہ لکھا ہے کہ شیخ 37 علوم میں اتنی مہارت رکھتا تھا کہ سر آمد روزگار تھا سید کاظم رشتی نے اپنی مذکورہ کتاب میں 37 علوم کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جسے ہم نے اپنی کتاب "ایک پر اسرار جاسوی کردار" میں نقل کیا ہے جن میں علم موسیقی، علم نجوم، علم ہندسہ، علم الجبراء، علم فزکس، علم کیمسٹری، علم طب، علم فلسفہ اور علم تاریخ وغیرہ وغیرہ علوم بھی شامل ہیں جبکہ مطیرف با حوالی احساء بلکہ سالم سعودی عربیہ میں ان علوم کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

اب یہ 37 علم یا تو ان کے اپنے بیان کے مطابق سارے کے سارے اس نے خواب میں ہی جسے وہ الہام کہتا ہے آئمہ علیہم السلام سے حاصل کیے تھے۔ یا استعماری قوتوں جو ان دنوں احساء سعودیہ عربیہ کے علاقے میں کام کر رہی تھیں شیخ کو تمام مروجہ علم میں اچھی طرح تعلیم وتربیت دینے کے بعد اپنے کام کے لیے مامور کیا تھا۔ اور شیخ مامور من اللہ نہیں بلکہ مامور من الاستعمار تھا۔ استعمار چونکہ یہ چاہتا تھا کہ وہ عراق وایران میں ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال کر عراق وایران میں انتشار پیدا کر کے ان کی طاقت کو کمزور کر دے۔ اور عراق وایران میں چونکہ شیعوں کی اکثریت تھی لہذا کسی شخص کو شیعہ عالم کے روپ اور بھیس میں داخل کر کے ہی یہ کام کیا جا سکتا تھا پس اس کام کے لئے شیعہ مذہب کی کتابوں کا مطالبہ ضروری تھا جو سعودیہ عربیہ میں خصوصاً مطیرف میں جہاں خود اس کے قول کے مطابق زمانہ جاہلیت کا سا ماحول تھا شیعہ مذہب کی کتابوں کا حصول مشکل تھا۔ احساء کے قریب بحرین کا علاقہ تھا جہاں شیعہ آبادی کی اکثریت تھی جہاں ابن ابی جمہور کا شیعہ کتب خانہ تھا جہاں

انگریزوں کا بٹھایا ہوا ایک وہابی شیخ حکومت کرتا تھا اور شیخ اس کتب خانہ سے شیعہ مذہب کی کتابوں کو آسانی کے ساتھ مطالعہ کرسکتا تھا لہذا شیخ پہلی مرتبہ اپنی زندگی کی 42 بہاریں دیکھنے کے بعد 1208 ہجری میں بحرین میں داخل ہوا جہاں شیخ نے بحرین میں ابن ابی جمہور احسائی کے کتب خانہ میں 1208 سے 1212ھ تک شیعہ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا اور خصوصیت کے ساتھ مفوضہ کے لٹریچر پر عبور حاصل کیا۔اور جب وہ چار سال مسلسل مطالعہ کے بعد اس قابل ہوگیا کہ وہ شیعوں کے سامنے ایک شیعہ عالم کی حیثیت سے رونما ہوسکے تو اسے 1212 میں زیارت عیشات عالیات کے بہانے عراق بھجوایا اور واپسی پر وطن آنے کی بجائے بصرہ عراق میں میں ٹھہرادیا گیا وہ نہ تو خود اپنے وطن اصلی مطیرف آیا نہ ہی بحرین آیا جہاں چار سال قیام کی صورت میں گذارے تھے واپس آکر ٹھہرا بلکہ 1212 ھ سے 1221ھ تک بصرہ شہر اور اس کے گردونواح کے شہروں اور قصبوں میں چکر لگاتا رہا اور شیخ کے فرزند نے شرح احوال شیخ احمد احسائی کے صفحہ 21 پر جو وجہ لکھی ہے وہ سابق میں نقل کی جاچکی ہے جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا کہ یا تو وہ مامور کرنے والوں کی طرف سے جاسوسی کا کام انجام دیتا رہا یا اپنے مطلب کا آدمی تلاش کرتا رہا مگر وہاں اسے کوئی اپنے مطلب کا آدمی نہ ملا۔تو 1221ھ میں ایران کے لئے مامور ہوگیا اور وہاں 1221ھ میں مشہد مقدس کی زیارت کے بہانے ایران آیا اور شیخ ایک جگہ سے دوسری جگہ جب بھی منتقل ہوا زیارت کے بہانے منتقل ہوا اور واپسی پر جہاں قیام کرتا تھا وہاں سکونت اختیار کرلی چنانچہ اس دفعہ بھی مشہد کی زیارت کے بہانے آیا اور واپسی پر ایران کے شہر یزد میں سکونت اختیار کرلی۔یہاں پر سید کاظم رشتی کی شکل میں اسے اپنے کام کا آدمی مل گیا جو اس کے مشن کو آگے چلاسکتا تھا۔اور اس کے کام میں معاون بن سکتا تھا وہ بھی سرحد روس سے تربیت یافتہ شکل میں یزد آیا تھا اور کسی شیعہ مدرسہ میں اور کسی شیعہ استاد سے نہ پڑھا تھا لہذا اس کے

ظاہری استادوں میں شیخ احمد احسائی کے سوا اور کسی کا نام نہیں لیا جاتا۔

شہر یزد میں شیخ کی مخالفت کا حال

جیسا کہ سابق میں بیان ہوا کہ شیخ نے 1221 میں یزد میں سکونت اختیار کی تو اس نے یہاں پر اپنے اعتقادات ونظریات کی پہلی مرتبہ تبلیغ شروع کی اس سے پہلے اس نے کہیں اپنے اعتقادات ونظریات بیان نہیں کیے سوائے بحرین میں شیخ محمد بن الشیخ حسین بن عصفور البحرانی کے سامنے بیان کرنے کے اور اسی نے شیخ کی باتوں کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کیا تھا اور مخالفت کی تھی جس کا بیان سابق میں ''شیخ احمد احسائی کی ماموریت کی وحی'' کے عنوان کے تحت ہو چکا اب جو شیخ نے یزد میں اپنے اعتقادات اور نظریات کو اظہار شروع کیا تو اہل یزد نے اس کی سخت مخالفت کی اس مخالفت کا حال خود شیخ کے شاگرد رشد اور جانشین اول سید کاظم رشتی نے اپنی کتاب دلیل المتحرین میں ''امر الشیخ الخطیب بصعود المنبر'' کے عنوان کے تحت اسطرح کیا ہے۔

"امر الشيخ الخطيب بصعود المنبر

"ولما اشتهر عندالناس بعض مطالبه مما هو غير معروف لقو ايلهبون و يستغربون مثه ، فامر اعلىٰ الله مقامه من بعصد المبير و يخطب و يقول ايها الناس ان للعلم ظاهراً و باطناً و هما يتوافقان متطابقان لا يختلفان و لا يتنافضان ـ" دلیل المتحرین ص 23

ترجمہ: شیخ نے خطیب کو منبر پر جا کر خطبہ دینے کا حکم دیا۔

اور جب شیخ احمد احسائی کے بعض ایسے مطالب لوگوں میں مشتہر ہوئے جو ان کے نزدیک غیر معروف تھے (جن کو انھوں نے آج تک کہیں نہ پڑھا تھا اور مذہب شیعہ کے علماء

میں سے اس وقت تک کسی سے نہ سنا تھا) تو یزد کے لوگوں میں ایک ہیجان برپا ہو گیا ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ یہ بات ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ یہ بات آج تک ہم نے کسی سے نہیں سنی۔ اس پر شیخ احمد احسائی نے خطیب (یعنی اپنے شاگرد رشید سید کاظم رشتی) کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر لوگوں سے خطاب کرے اور ان کو یہ بتلائے کہ اے لوگو! علم کا ایک تو ظاہر ہوتا ہے اور ایک اس کا باطن ہوتا ہے اور ظاہر اور باطن دونوں ایک دوسرے کے موافق اور مطابق ہوتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے خلاف متضاد اور متناقض نہیں ہوتے۔

غرض شیخ نے 1221ھ سے 1229ھ تک یزد میں تقریباً 8 سال قیام کیا اور شیخ عبداللہ کی شرح احوال اور مرزا ابوالقاسم رئیس مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان کی کتاب فہرست کے مطابق شیخ نے 1229ھ میں یزد کو خیر آباد کہہ دیا۔ چنانچہ رئیس مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان مرزا ابوالقاسم خان نے اپنی کتاب فہرست کتب مشائخ عظام کے ص 167 پر شیخ کے یزد کے چلے جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے:

"و بطوریکه در هدایت الطالبین مرقوم مبدا رند سبب حرکت ایشاں از یزد دلگرائی بود که از بعض اکابر یزد پیدا کردند و رنجیده خاطر شدند. و در خواب حضرت امیر علیه السلام رسیدند که امر بحرک بسوی عیشات عالیات فرمودند"

فہرست کتب مشائخ عظام ص 167

یعنی جیسا کہ مرزا محمد کریم خان کرمانی نے اپنی کتاب "ہدایت الطالبین" میں لکھا ہے یزد سے آپ کے چلے جانے کا سبب یہ تھا کہ ان کو بعض اکابر یزد کی طرف سے دلی صدمہ پہنچا تھا اور ان سے رنجیدہ خاطر ہو گئے تھے اور خواب میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام آ گئے اور انھوں شیخ کو عیشات عالیات عراق کی طرف روانی کا حکم دے دیا مگر شیخ

عیشات عالیات جانے کی بجائے راستے میں کرمان شاہ میں ٹھہر گیا اور وجہ اس کی یہ بیان کی کہ شہزادہ محمد علی مرزا نے اصرار کر کے شیخ کو کرمان شاہ میں روک لیا اور 1229 ھ سے 1239 ھ تک شیخ یہیں کرمان شاہ میں زیر سایہ جتر حمایت شاہزادہ محمد علی مرزا اپنے عقائد و افکار و نظریات کی تبلیغ میں مصروف رہا اور قیام کرمان شاہ کے دوران شیخ نے اپنے عقائد و افکار و نظریات پر مشتمل کتابیں لکھیں۔ جن کے آخر میں ان کتابوں کی تالیف کے سن لکھے ہوئے ہیں۔

امیر المومنین کے حکم کے باوجود شیخ کرمان شاہ کیوں ٹھہرا؟

ہم سابق میں بیان کر آئے ہیں کہ یزد سے ترک سکونت کرتے وقت یہ بہانہ بنایا تھا کہ امیر المومنین نے خواب میں آ کر عیشات عالیات عراق کے لئے روانگی کا حکم دیا تھا مگر شیخ امیر المومنین کے حکم کے باوجود راستہ میں ہی کیوں ٹھہرا شیخ کا فرزند اپنی کتاب شرح احوال شیخ احمد احسائی میں لکھتا ہے کہ شیخ یزد سے چل کر اصفحان پہنچے اور وہاں سے کرمان شاہ کا ارادہ کیا۔

شرح احوال شیخ احمد احسائی کے الفاظ اس طرح ہیں

"الغرض عزم رحیل و باصفحان تحویل فرمود۔ و از آنجا عزیمت کرمان شاہ نمود۔ جوں بدو منیر لی رسید شاہزادہ از ورود موکب مسعود آگاہ شد خود و تمامی اہل شہر بعزم استقبال در آمدہ در چادہ کلاح کہ خارج شہر است سراپردہ ہا نصب نمودہ و جود تا تاج آباد کہ چار فرسخی است استقبال نمودہ و در رباب ظفر انتساب مراجعت کردہ در عرض راہ ذکری از توقف کرمنشاہ رفت چوں وارد سراپردہ شدند آں بزرگوار شاہزادہ راہ نجلوت خواستہ فرمود مراد از اقامت من در ایں بلا دچیست، عرض کرد رضائی پروردگار و جود آں بزرگوار و امیاز از ھمگاں و سرفرازی

درمیان ایشاں ،فرمود باعث مہاجت از یزد نہ تنگی معاش بود نہ بدی اھلش و حال اینکہ خروج جانشاں از تن آسان تر بود تا مقارفت من لکن اشتیاق زیارت وقرب جوار آل اطہار سلام اللہ علیھم و نا پائیداری روزگار باعث ایں کار شد ۔عرض کرد اما فجاورت کہ آں بزرگوار را از ایشاں مفارقت نیست اما زیارت من خود متعہد ھم کہ ھر سال لوازم انتقال و اوخال را مہیا سازم و درخدمت آں بزرگوار روانہ عیشات نمانم والا خروج آں بزرگوار ازیں دیار بر من دشوار تر است تا خروج روح از تن

سہل باشد تیرک جان گفتن　　　ترک جانا نمی تواں گفتن

پس آں بزرگوار خواہش وی را قبول و پس از دو روز بشر نزول فرمود و ایں وقت دوئیم شہر رجب از سال ھزار و دو بست و نہ (1229) ھجر بود"

شرح احوال شیخ احمد احسائی ص 34-35

ترجمہ: غرض سفر پر روانہ ہو کر اصفہان پہنچے اور وہاں سے کرمان شاہ کی تیاری کی ابھی دو منزلیں ہی طے کی تھیں کہ شاہ زادہ کو آپ کے آنے کی اطلاع ہوگئی تو وہ تمام اہل شہر کو لے کر استقبال کے لئے نکل کھڑا ہوا اور شہر سے باہر چاہ کلاں میں خیمے لگا دیئے اور خود تاج آباد تک جو وہاں سے چودہ میل کے فاصلہ پر ہے چل کر شیخ کا استقبال کیا اور شیخ کے ساتھ واپس لوٹتے ہوئے راستہ میں کرمانشاہ میں ٹھہرنے کا ذکر کیا۔ جب خیموں میں داخل ہوگئے تو ان بزرگوار نے شاہزادہ کو خلوت میں بلایا اور اس سے پوچھا کہ میری اس شہر میں قیام کرنے سے کیا مراد ہے ۔شہزادہ نے عرض کی کہ رضائے پروردگار اور ان بزرگوار کی صحبت اور سب سے امتیاز اور ان کے درمیان سرفرازی۔ شیخ نے کہا کہ یزد سے مہاجرت کا سبب نہ تو تنگی معاش تھی نہ اس شہر کے لوگوں کی بدی حالانکہ اس نے نزدیک میری جدائی سے جان کا نکلنا زیادہ آسان تھا لیکن اس سفر کا سبب زیارت کا اشتیاق اور آئمہ اطہار کا قرب جوار اور زمانے

کی نا پائیدار تھا شہزادہ نے عرض کی جہاں تک مجاورت کا تعلق ہے تو ان بزرگوار کو آئمہ اطہار سے مفارقت ہی نہیں ہے جہاں تک زیارت کا تعلق ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہر سال کے زیارت کے لئے آنے جانے کا تمام خرچہ میرے ذمہ ہوگا اور ہر سال آپ کو زیارت عیشات عالیات کرایا کروں گا۔ لیکن بزرگوار کا اس شہر سے چلے جانا میرے لیے بہت دشوار ہے روح کے جسم سے نکلنے سے بھی زیادہ۔ روح کا نکلنا تو آسان ہے لیکن محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ بس ان کے بزرگوار نے ان کی خواہش کو قبول کرلیا اور دو دون کا سفر طے کر کے شہر میں داخل ہو گئے اور اس وقت دو رجب س 1229 ھجری تھا۔

ان تمام باتوں میں جب سب کی سب دل سے گھڑی ہوئی ہیں ایک بات تو طے ہے کہ شیخ نے یزد سے چلتے وقت یہ کہا تھا کہ امیر المومنین نے خواب میں عیشات عالیات عراق روانہ ہونے کا حکم دیا ہے، مگر راستے میں شاہ زادہ محمد علی مرزا چودہ میل استقال کے لئے آیا اور شیخ امیر المومنین کے حکم کے باوجود شاہزادہ کے پاس کرمان شاہ میں ٹھہرنے پر آمادہ ہو گیا۔

یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے شیخ احمد احسائی اپنے وطن مطیرف احساء سعودی عربیہ سے جہاں بھی گیا ترک سکونت کر کے گیا۔ ان کی سوانح حیات کے مطابق شیخ نے 42 سال مطیرف میں گذارے پھر 1208 ھ میں بحرین گیا تو مطیرف سے ترک سکونت کر کے گیا اور پھر کبھی مطیرف واپس نہیں گیا بحرین میں چار سال گزارنے کے بعد 1212 ھ میں زیارات کے بہانے عراق گیا اور واپسی پر نہ بحرین گیا نہ مطیرف گیا۔ بلکہ عراق میں ہی بصرہ کو مرکز بنایا اور بصرہ کے گردونواح کا کوئی شہر کوئی قصبہ کوئی اہم مقام نہیں چھوڑا جہاں وہ نہ گیا ہو۔ جب بصرہ کی ماموریت ختم ہوگئی تو 1221 ھ میں مشہد کی زیارت کے بہانے ایران گیا اور واپسی پر یزد میں ڈیرا ڈال دیا نہ بصرہ آیا نہ بحرین آیا نہ مطیرف آیا

اور جب یزد میں مخالفت ہوئی تو 1229 ھ میں پھر حضرت امیر المومنین کو خواب میں دیکھا اور انھوں نے اسے عیشات عالیات عراق کی روانگی کا حکم دیا مگر عیشات عالیات جانے کی بجائے راستہ میں کرمان شاہ ہی ٹھہر گیا۔

قارئین اس سے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب امیر المومنین نے خواب میں عیشات عالیات عراق جانے کا حکم دیا تھا تو شیخ شاہزادہ محمد علی مرزا کے اصرار پر کرمان شاہ کیوں ٹھہرا۔ دراصل امیر المومنین کو خواب میں دیکھنے کو لوگوں سے بطور بہانہ بیان کیا ورنہ قرائن بتلاتے ہیں کہ شیخ کا کرمان شاہ میں قیام کا اس کے مامورین کی طرف سے انتظام کر دیا گیا تھا اسی لئے شہزادہ محمد علی مرزا چودہ میل آگے بڑھ کر استقبال کے لئے آیا اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ شیخ کو روانگی کا حکم دینے والا اور شاہزادہ محمد علی مرزا کو شیخ کی آمد پر استقبال کے لئے بھیجنے والا ایک ہی ہو ورنہ شاہزادہ محمد علی مرزا کو شیخ کی یزد سے روانگی کی اطلاع دینے کا اور کوئی ذریعہ اور ثبوت موجود نہیں ہے۔

بہر حال شیخ 1229 ھ سے 1239 ھ تک یہیں کرمان شاہ میں زیر سایہ چتر حمایت شاہزادہ محمد علی مرزا اپنے عقائد و افکار کی تبلیغ میں مصروف رہا اور شیخ نے قیام کرمان شاہ کے دوران یعنی 1229 ھ سے 1239 ھ کے درمیان ہی اپنے عقائد و نظریات پر مشتمل تمام کتابیں لکھیں۔

البتہ قیام کرمان شاہ کے دوران شاہ زادہ محمد علی مرزا کے خرچ پر عیشات عالیات کی زیارت کے لیے عراق جاتا رہا اور شاہزادہ محمد علی مرزا اسی طرح جس طرح شاہ مسعود ابن عبدالعزیز سعودیہ عربیہ سے شیخ کے قیام کے دوران عراق پر حملے کرتا رہا اب شاہزادہ محمد علی یہ کام انجام دیتا رہا۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ہم نے شیخ کی مطیرف، علاقہ احساء، سعودیہ عربیہ میں 42 سالہ سکونت خود اس کی اور اس کے بیٹے کی تحریر کے مطابق لکھے ہیں

ورنہ اس 42 سال میں شیخ کی مطیرف میں کسی کارکردگی کا پتہ نہیں چلتا اسی لئے بعض نے اسے انڈونیشیا کا عیسائی پادری لکھا ہے اور بعض نے مزدور استعمار درلباس مذہب لکھا ہے اور صدر جمہوریہ اسلامیہ ایران ہاشمی رفسنجانی نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ "کسے کہ نمی دا نیم از کجا آمد وکجا رفت"

یعنی وہ شخص جس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں سے آیا اور کہاں چلا گیا۔ لیکن شیخ نے اپنے عقائد کی تمام بنیادی کتابیں کرمان شاہ میں رہتے ہوئے ہی تصنیف کی ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔

شیخ کی قیام کرمان شاہ کے دوران تصنیف کردہ کتابوں کا بیان

شیخ نے اپنے عقائد کی جتنی بنیادی کتابیں لکھیں ان کے آخر میں اس کا سن تالیف لکھا ہوا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ کے کرمان شاہ کے قیام کے دوران یعنی 1229 ھ سے 1239 ھ کے درمیان ہی اپنے عقائد کی تمام بنیادی کتابیں تصنیف کی ہیں اس نے کرمان شاہ میں رہتے ہوئے ہی شرح زیارت جامعہ لکھی پس یہیں پر رہتے ہوئے شرح فوائد لکھی یہیں پر رہتے ہوئے شرح مشاعر لکھی۔ یہی پر رہتے ہوئے شرح عرشیہ لکھی یہیں پر رہتے ہوئے شرح رسالہ علمیہ لکھی غرض شیخ نے فلسفہ کی بڑی بڑی اہم کتابیں یہیں رہتے ہوئے لکھیں ان کتابوں کے سن تالیف فہرست کتب مشائخ میں معہ نمبر شمار و صفحہ اس طرح ہیں

نمبر شمار فہرست	نام کتاب	تاریخ تحریر	صفحہ حوالہ کتاب فہرست
16	شرح زیارت جامعہ	10 ربیع الاول 1230	236
23	شرح فوائد فی الحکمۃ	9 شوال 1233	227

20	شرح علی المشاعر فی الحکمۃ	27صفر 1234	228
53	شرح علی الحکمہ العرشیہ	27ربیع الاول 1236	241

ان کتابوں کی یہ تاریخ تصنیف بالفاظ واضح بیان کررہی ہے کہ شیخ نے یہ تمام کتابیں کرمان شاہ کے قیام کے دوران لکھیں جہاں پر شاہزادہ محمد علی مرزا والی کرمان شاہ کی طرف سے شیخ کے لئے ہر قسم کی سہولیات کا انتظام کردیا گیا تھا۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''ایک پر اسرار جاسوسی کردار''

شاہزادہ محمد علی مرزا کی وفات کے بعد شیخ کا حال

شیخ احمد احسائی کرمان شاہ میں عزت واحترام کی زندگی بسر کررہا تھا اور ہر طرح سے فارغ البال تھا یہاں تک کہ شاہزادہ محمد علی مرزا کا انتقال ہوگیا اور شیخ ان تمام نعمتوں سے محروم ہوگیا جو شاہزادہ کی حیات میں حاصل تھیں اس بات کو شیخ کا فرزند شیخ عبداللہ شرح احوال شیخ احمد احسائی میں اس طرح بیان کرتا ہے۔

" و چند سال دیگر نیز نهایت جلال و فراغت بال زیست فرمود تا اینکه شاهزاده محمد علی مرزا برحمت ایزدی پیوست پس ازوی تمامی نعمتهای آں بلد رومی ینقصاں و زوال آورد که گویاتماماً بوجود او پسته بود'' شرح احوال شیخ احمد احسائی 36

''یعنی اس کے بعد کئی سال تک انھوں نے انتہائی عزت واحترام اور فارغبالی کے ساتھ کرمان شاہ میں زندگی بسر کی یہاں تک کہ شاہزادہ محمد علی مرزا کا انتقال ہوگیا اس کے انتقال کے بعد اس شہر کی تمام نعمتوں کو زوال آ گیا گویا وہ ساری نعمتیں اس کے وجود کے ساتھ وابستہ تھیں۔

شرح احوال شیخ احمد احسائی میں شیخ عبداللہ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی نعمتوں کو زوال آیا ہو یا نہ آیا ہو شیخ ان تمام نعمتوں سے ضرور محروم ہو گیا جو شاہزادہ محمد علی مرزا کی زندگی میں حاصل تھیں۔ لہذا پھر زیارت امام رضا کے بہانے کرمان شاہ سے ہجرت اختیار کی۔ جیسا کہ شرح احوال میں میں لکھا ہے کہ " در ایں اوقات آں بزرگوار بزیمت زیارت حضرت رضا علیہ السلام ارتحال فرمود تشریف فرمائے قم گردید و از انجا یغرومن واز انجا بطھیران و در شاہ عبدالعظیم منزل فرمود " شرح احوال شیخ احمد احسائی ص 36

"ایسے وقت میں ان بزرگوار نے امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے ارادہ سے کرمان شاہ سے روانگی اختیار کی وہاں قم آئے قم سے قزوین اور وہاں سے طہران آئے اور شاہ عبدالعظیم میں منزل فرمائی"

شیخ عبداللہ نے شرح احوال شیخ احمد احسائی میں قزوین کے واقعہ تکفیر شیخ کو بیان نہیں کیا کیونکہ شاہزادہ محمد علی مرزا کی زندگی میں شیخ کے خلاف کسی میں مجال دم زدن بس تھی۔ لیکن شاہزادہ کے مرنے کے بعد جہاں شیخ کی تمام نعمتیں ختم ہوگئیں وہاں کرمان شاہ کے رہنے والے بھی اس کے عقائد کی وجہ سے اس کے مخالف ہو گئے شیخ نے 1229 سے 1239 ھ تک کرمان شاہ میں قیام کیا تھا اور اس عرصہ میں پوری دلجمعی کے ساتھ اپنی ساری فلسفہ کی بنیادی کتابیں یہیں رہتے ہوئے لکھی تھیں۔ اور اس کے باطل عقائد کرمان شاہ والوں کے ذریعے دور دور تک علماء کے کانوں تک پہنچ رہے تھے لہذا جب شیخ اپنے اس سفر میں قزوین پہنچا تو ملا محمد تقی برغانی نے اس کے باطل عقائد میں سے صرف ایک عقیدے معاد کے بارے میں سوال کیا اور معاد کے بارے میں شیخ کا عقیدہ خواس کی اپنی زبان سے سننے کے بعد اس پر کفر کا فتویٰ صادر کیا بلکہ از ھر ار در دنتر دوان استعمار کا شیخی مولف لکھتا ہے کہ

" چیزی که مسلم است و قابل انکار نیست و از مجموع روایات مختلفه پیدااست بهانا مسئله تکفیر اس که قطعاً واقع شده و مرتکب زول آن مرحوم محمد تقی برغانی معروف بشهید ثالث بود "

فہرست کتب مشائخ ص 151

یعنی جو بات مسلم ہے اور جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور مختلف روایات سے بطور واضح ثابت ہے وہ شیخ احمد احسائی کو کافر قرار دیئے جانے کا مسئلہ ہے کہ یہ واقعہ تکفیر قطعی طور پر واقع ہوا ہے اور اس کا مرتکب اول ملا محمد تقی برغانی معروف بہ شہید ثالث تھے"

شیخ قزوین میں ملا محمد تقی برغانی کے تکفیر کے فتوے کے بعد ایران کے مختلف شہروں سے ہوتا ہوا 1239ھ میں کربلائے معلی چلا گیا اور وہاں پر اپنے مذاہب کے عقائد کی تبلیغ شروع کردی۔

جب کربلائے معلی اور نجف اشرف کے مراجع عظام کو اس کے عقائد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے بھی شیخ کو مجمع عام میں طلب کر کے اس سے اس کے عقائد معلوم کئے اور انھیں خلاف اسلام ہونے کی بناء پر اسے کافر قرار دیا اور مذکورہ عقائد میں اس کی پیروی کرنے والوں کو مذہب شیخیہ قرار دیا۔ سید کاظم رشتی جانشین اول شیخ احمد احسائی۔۔۔ سائل کے اس استفسار پر کہ شیخ کو کافر کیوں قرار دیا گیا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

" والناس في اول الامر حيث كان من بيت رفيع و شهرت ايست قدعمت جميع البلاد و العباد و هو يظهرا لورع و الزاهد صدقوه و اتبعوه الذي تصدقه ، فاولئک الاتباع الذين كانو اذنا باصارو ا رئوسا ء و دخلوا في الاجماع ، والافاضل الخلاف في هذ االمقام كلها تدور على ثلاثة اقسام منهم واحد ، بمشهد سيدنا الحسين عليه السلام ، والاثنان في النجف .

اس کتاب کو مذہب شیخیہ کی دونوں شاخیں یعنی شیخیہ رکنیہ کرمان اور شیخیہ احقاقیہ کویت دونوں معتبر سمجھتی ہیں اور کاظم رشتی کی جانشینی پر یہ دونوں شاخیں متفق ہیں شیخیہ احقاقیہ کویت نے اس کتاب کو ماہ صفر 1364 ھجری میں کویت سے چھپوایا ہے اس کا مذکورہ عبارت کا صفحہ 92-93 ہے اور شیخیہ رکنیہ رکمان نے اس کو مطبعۃ السعادۃ کرمان سے چھپوایا ہے اس کا مذکور عبارت کا صفحہ 142 ہے یہ دونوں کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ترجمہ مذکورہ عبارت کا یہ ہے۔

ترجمہ: یعنی لوگوں نے اولی امر میں اس لئے کہ وہ (محمد مہدی ابن سید علی صاحب ریاض) خاندانی بزرگ تھے اور مرجعیت کے بلند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور تمام شہروں میں اور تما لوگوں میں اس گھر کی شہرت تھی اور وہ متقی، پرہیزگار اور زاہد تھے۔ لہذا اس بنا پر لوگوں نے شیخ کے خلاف ان کی تکفیر کی تصدیق کر دی اور ان کی طرف سے شیخ کو کافر قرار دینے کو لوگوں نے مان لیا اور جس کسی کو وہ اجازہ دیتے تھے وہ بھی شیخ کے بارے میں ان کی پیروی کرتا تھا پس یہ پیروی کرنے والے پاپی آگے چل کر رؤسائے قوم مذہب وملت ہو گئے اور اجماع میں داخل ہو گئے اور مخالفت کرنے والے اقل تین اقسام میں تھے ایک مشہد سید امام حسین علیہ السلام میں کربلائے معلی رہتے تھے اور دو نجف میں رہتے تھے۔

قارئین کرام خود شیخ احمد احسائی کے شاگرد ارشد اور جانشین اول سید کاظم رشتی کی تحریر سے یہ بات ثابت ہے کہ جن بزرگ ترین علماء شیعہ نے شیخ پر کفر کا فتویٰ لایا وہ مرجع عالیقدر شیعیان جہاں تھے اور خود رئیس مذہب شیخیہ کو ان کے متقی و زاہد اور پرہیزگار ہونے کا اقرار ہے اور جن بزرگ ترین شیعہ علمائے کرام و مجتہدین عظام و مراجع تقلید شیعیان جہاں نے شیخ کو کافر قرار دیا وہ رئیس مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان کی کتاب فہرست کتب مشائخ عظام کے ص 154 پر اور کتاب ریحانۃ الادب جلد اول کے صفحہ 40 پر اور منتخب التواریخ فارسی

کے صفحہ 836 پر اور حجتہ الاسلام آیت اللہ فی الانام آقائے سید محمد حسین المرعشی الشہرستانی کی کتاب تریاق الفاروق کے صفحہ 26 پر لکھے ہوئے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں ۔مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''ایک پر اسرار جاسوسی کردار''

شیخ کے عقائد و نظریات و افکار کا مختصر بیان

شیخ نے بنیادی طور پر عقیدہ تفویض کو رائج کیا اور اس کو علمی شکل دینے کے لئے فلسفہ و تصوف کی دلائل کو کام میں لایا اس نے ملا صدرا اور ملا محسن فیض کے فلسفہ میں ترمیم کر کے علل اربعہ کا فلسفہ پیش کیا یعنی ہر چیز کی علت فاعلی بھی علت مادی بھی علت غائی بھی اور علت صوری بھی محمد و آل محمد علیہم السلام یعنی آئمہ اطہار ہیں اور تصوف کی دلائل میں سے لوہا اور آگ اور کوئلہ اور آگ وغیرہ کے علاوہ آئمہ علیہم السلام کے معجزات اور مفوضہ کے گھڑے ہوئے حضرت علی کی طرف منسوب خطبوں، خطبہ البیان اور خطبہ طتنجیہ کے بیانات کو بھی دلیل کے طور پر بیان کیا چند بڑے بڑے عقائد حسب ذیل ہیں

۱۔ آئمہ علل اربعہ ہیں

۲۔ آئمہ اور انبیاء کی نوع جداگانہ ہے

۳۔ آئمہ اور انبیاء علیہم السلام بشر یا انسان نہیں تھے

۴۔ آئمہ علیہم السلام ہی خالق و رازق و محی و ممیت اور مدبت کائنات یعنی سارے عالم کا نظام چلانے والے ہیں۔

۵۔ یہ کہ خدا کسی کی مدد نہیں کر سکتا جس کی بھی مدد کرتے ہیں وہ آئمہ کرتے ہیں لہذا مدد صرف انہیں سے مانگنی چاہیے۔

۶۔ معجزہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کا عادی فعل ہوتا ہے

۷۔ یہ کہ آئمہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں

۸۔ یہ کہ آئمہ عالم الغیب ہیں اور علم ان کا عین ذات ہے۔

یہ سب عقائد شیخ نے اپنی کتاب شرح زیارت میں بیان کئے ہیں اور رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا موسیٰ اسکوئی الحائری نے اپنی کتاب احقاق الحق میں ان عقائد کی وضاحت کی ہے اور مولا محمد بشیر انصاری نے اپنے اپنے خطوط میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ شیخ کی شرح زیارت اور ان کے شاگرد کی کتاب احقاق الحق سے ہی پاکستان میں مذہب شیخیہ کی تبلیغ کرتے رہیں ہیں ان خطوط کا عکس ملاحظہ ہوں گلدستہ مودت میں اور ہماری کتابوں ایک پراسرار جاسوسی کردار میں اور شیعہ علماء سے چند سوال میں اور العقائد الحقیہ وغیرہ میں۔

شیخ کے شاگردوں کی اقسام

شیخ احمد احسائی کے شاگردوں میں دو قسم کے افراد شامل تھے اول وہ شاگرد جنہوں نے شیخ کی طرح کسی شیعہ عالم یا کسی شیعہ مدرستہ یا حوزہ علمیہ میں زانوئے تلمذ طے نہ کیا تھا ان بڑے بڑے شاگردوں میں سید کاظم رشتی۔ مرزا محمد کریم خان کرمانی۔ سید محمد علی باب شیرازی۔ حسین علی بہا۔ صبح ازل وغیرہ شامل ہیں یہ شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی کے خاص الخاص شاگرد ہیں دوسری قسم کے شاگردوں میں وہ افراد شامل ہیں جنہوں نے حوزہ ہائے علمیہ نجف و کربلا میں رہ کر کچھ عرصہ زانو تلمذ طے کیا اور مجتہدین عظام سے اجازے لے کر اپنے وطن واپس لوٹے راستے میں کرمان سے گذر ہوا اور شیخ احمد احسائی کے حلق درس میں شریک ہو کر فلسفہ اور ان کے عقائد کی تعلیم حاصل کی اور مذہب شیخیہ اختیار کر کے اسی مذہب کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے اور اپنے وطن یعنی ایران کے صوبے آذربائیجان میں اس مذہب

کی تبلیغ کرنے لگ گئے جیسا کہ غلام حسین تبریزی نے اپنی کتاب ''کلماز ھزاردررد تشریہ مزدوران استعمار'' میں ملاقات حجتہ الاسلام با مرحوم شیخ احسائی'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

" ملا محمد ممقانی ملقب به حجته الاسلام با مرزا محمود نظام العلماء و ملا محمد نام دلگیری در عیشات عالیا ت نجت و کربال مد تها مشغول تحصیلات علوم دینیه بودند . تااینکه یه درجه منیعه اجتهاد نا کل آمدن و از مجتهدین طراز اول یه دریافت اجازه مفتحیز گردیدند . هر کدام په اهل وخانواده شاه توشتند که از تحصیلات فارغ شده رند و عازم وطن خویش می باشد و سپس ا ز طریق کرمان شاه عزم تبریز کردند .دران زمان مرحوم شیخ احسائی بنا یه تقاضائی شاهزاده دولتشاهی ساکن شاه بود مجلس درس مرتبی داشت ، حجته الاسلام و همراه نشی همنیکه یه کرمان شاه رسید مند . از وجود مرحوم شیخ درآن شهر مستحضر شد ند و خواستند حیار مجلس نیز از محضر آن بزرگوار مستفیض شوند . پس ا زحضور چندجلسه در مجلس درس آن بزرگوار متوجه شد ند که لازم است ملتی نیز اس محضر مرحوم شیخ کسب معارف و کمالات بنمایند ، وتهمیں جهت فسخ عزیمت نمودند و در کرمان شاه مستقر گزیدند . و در حدود یک سال و نیم در مجلس آن استاد یه تکمیل علوم معنویه و معارف الهیه پرداختند . مرحوم شیخ نیز یه آهنا توجهی خاص فرموده . و اجازه روایت و اجتهاد باليشان عنایت کرد و رخصت شان داد که بوطن خویش مراجعت نمایند و در

آنجا بہ نشر حقائق دین مبین اسلام و نشر فضائل و مناقب اهل بیت اطهار علیهم السلام بیرد ازند "

قم کے ایک مجتهد آقائے روحانی نے مذہب شیخیہ کے روسانے کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "مزدوران استعمار در لباس مذہب تھا" اس کی رد میں ایران کے شہر تبریز کے ایک شیخی مبلغ غلام حسین تبریزی نے "کلمہ از هزار در رد نشریہ مزدوران استعمار" کے نام سے کتاب لکھی جس کی ایک عبارت اوپر نقل کی گئی ہے اور اس کا ترجمہ اس طرح ہے کہ

"حجتۃ الاسلام محمد محمد ممقانی اور حجتۃ الاسلام مرزا محمود نظام العلماء اور دوسرے ملا محمد مدتوں عیشات عالیت نجب و کربلا میں تحصیل علوم دینیہ میں مشغول رہے یہاںتک کہ آجتہاد کے عالی درجہ پر فائز ہوئے اور اول درجہ کے مجتہدین سے اجازہ حاصل کرنے کے بعد ہر ایک نے اپنے خاندان والوں کو لکھ بھیجا کہ وہ تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں اور وطن واپس آرہے ہیں اور اسکے بعد کرمان شاہ کے راستہ تبریز کے لئے روانہ ہوئے اور زمانہ میں مرحوم شیخ شاہزادہ محمد علی مرزا کے اصرار پر کرمان شاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور درس کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا حجتۃ الاسلام ملا محمد تقی ممقانی اور ان کے ساتھی جونہی کرمان شاہ پہنچے اور ان کو مرحوم شیخ کے اس شہر میں قیام کا علم ہوا تو انھوں نے اس بزرگوار کی مجلس میں رہ کر مستفید ہونے کا ارادہ کرلیا اور اس بزرگوار کی مجلس درس میں کچھ عرصہ حاضری کے بعد انھوں نے تبریز کا ارادہ ترک کردیا اور انھوں نے کچھ عرصہ اور مرحوم شیخ سے معارف وکمالات کے حصول کا ارادہ کرلیا اور تقریباً ڈیڑھ سال تک اس استاد کی مجلس درس میں علوم معنویہ اور معارف الہیہ کی تکمیل کے لئے گذارے۔

مرحوم شیخ نے بھی ان کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور انہیں اجتہاد اور روایت کا

اجازہ عنایت کیا اور انہیں جانے کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے وطن جا کر دین مبین اسلام کے حقائق کی نشر و اشاعت اور اہل بیت اطہار کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت کریں۔

اس کے بعد غلام حسین تبریزی اپنی اس کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں

" چناچه از سر چشمه علم آل محمد صلی الله علیه و آله به تعلیم استاد بزرگوار شان مشروب و سراب شد لوند که اسانید دیگر را فراموش و طبق روشن مرحوم شیخ احمد احسائی به نشر فضائل و مناقت محمد و آل محمد سلام الله علیهم اجمعین مشغول شد ند"

(کلمہ از ہزار در رد نشریہ مزدوران استعمار)

ترجمہ: وہ اپنے استاد بزرگوار شیخ احمد احسائی کی تعلیم سے علوم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے علم کے سر چشمہ سے ایسے سیر و سیراب ہوئے کہ وہ دوسرے تمام استادوں کو (جن سے نجف و کربلا میں کچھ پڑھا تھا) بھول گئے اور مرحوم شیخ احمد احسائی کے طریقہ کے مطابق فضائل و مناقب محمد و آل محمد سلام اللہ علیہم اجمعین کی نشر و اشاعت میں مشغول ہو گئے۔

بالفاظ دیگر نجف و کربلا سے تحصیل علوم کرنے والے ان حجۃ الاسلاموں نے نجف و کربلا کا پڑھا ہوا سبق بھلا دیا اور شیخ احمد احسائی کے مذہب کی تبریز ایران میں تبلیغ کرنے لگ گئے۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ نجف و کربلا اور اب قم کے حوزہ ھائے علمیہ میں عقائد کا بیان پڑھایا ہی نہیں جاتا اور مراجع عظام کی توضیحات مسائل کی پہلی دفعہ میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ عقائد میں تبلیغ حرام ہے اور دلائل کے ساتھ اصل اور صحیح شیعہ عقائد بیان کرنے سے بھی گریز کیا جاتا ہے اور کل جدید لذیذ کے مطابق خود آئمہ اطہار کے زمانہ میں جب بنی عباس نے فلسفہ کے مدارس کھولے اور صوفیہ کو کھڑا کیا تو لوگوں نے آئمہ اطہار کی طرف سے

رخ موڑ کر فلسفہ وتصوف اور پھر تفویض کی طرف رخ کرلیا۔ان حجتہ الاسلاموں نے نجب و کربلا میں رہ کر کتاب طہارت پڑھی تھی، نجاسات کا بیان پڑھا تھا اسی طرح فقہ کے ابواب کا درس لیا تھا انھوں نے عقائد کا بیان فلسفہ کی زبان میں پہلی مرتبہ شیخ احمد احسائی سے سنا او ذہن کی سفید پلیٹ پر مذہب شیخیہ کے عقائد منعکس کر کے وطن لوٹے اور وہاں عقائد کے سلسلہ میں مذہب شیخیہ کی تبلیغ شروع کی۔

یہی حال مرزا حسن گوہر قراچہ داغی کا ہے اس حجتہ الاسلام نے بھی پہلے حوزہ علمیہ نجب اشرف میں رہ کر فقہ پڑھی اور وہاں سے اجازہ حاصل کر کے کربلا آیا جہاں پر شیخ احمد احسائی کرمان شاہ سے آکر اپنے مذہب کی تبلیغ کی ہوئی تھی۔لہذا مرزا حسن قراچہ داغی شیخ احمد احسائی کے حلقہ درس میں شامل ہوگیا اور مذہب شیخیہ اختیار کرلیا۔چونکہ مرزا حسن گوہر قراچہ داغی نے نجف اشرف میں علماء شیعہ کے حلقہ درس میں رہ کر فقہ پڑھی تھی لہذا حجتہ الاسلام آقا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب اعلام الشیعہ کی جلد 2 کے صفحہ 34 پر اپنے حسن ظن کی وجہ سے اور نجف اشرف میں فقہ کے دروس میں شرکت کی وجہ سے مرزا حسن گوہر قراچہ داغی کے بارے میں یہ لکھ دیا کہ ہم محض شیخ احمد احسائی کی شاگردی کی بناء پر مرزا حسن گوہر قراچہ داغی کو شیخی نہیں کہہ سکتے حالانکہ مرزا حسن گوہر قراچہ داغی نہ صرف شیخی تھا بلکہ سید کاظم رشتی کے بعد مذہب شیخیہ کی سربراہی پر فائز ہوا اور اس کے نام کی نسبت سے فرقہ شیخیہ گوہریہ کی بنیاد پڑی۔چنانچہ مرزا علی الاسکوئی احقاقی اپنی کتاب 'المقالۃ الناصحۃ الزاجرہ'' کے عنوان کے تحت آقائے بزرگ طہرانی کی اس بات کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں''

" و ثانیاً قولک لا یمکن القول بانہ من الشیخیہ بمجرد تلمذہ .

اشتباہ صرف بل ھو من لب الشیخیہ " المقالۃ الناصحۃ الزاجرہ۔ص 294

ترجمہ: یعنی دوسرے (اے آقا بزرگ طہرانی) تیرا یہ کہنا کہ محض شیخ احمد احسائی کے پاس

اس کے تلمذ اور شاگردی کی وجہ سے اسے (مرزا حسن گوہر قراچہ داغی کو) شیخ مبلغ نہیں کہہ سکتے۔ یہ محض اشتباہ ہے بلکہ مرزا حسن قراچہ داغی تو لب شیخیہ یعنی مذہب شیخیہ کا مغز ہے۔

اور کتاب مدینۃ الحسین میں مرزا حسن گوہر قراچہ داغی کو فرقہ شیخیہ گوہریہ کا بانی لکھا ہے وہ لکھتے ہیں "الگوهرية اتباع الاخوند ملاحسن گوهر و اتباعه الاسكوئيون المروحون حتى اليوم في كربلاء" کتاب مدینۃ الحسین ص 55

ترجمہ: فرقہ شیخیہ گوہریہ اخوند ملا حسن گوہر کے پیرو ہیں اور آج کل اس کی پیروی کرنے والے اسکوئی ہیں جو کربلا میں اس کے مذہب کی ترویج میں مشغول ہیں"

یہ اسکوئی صدام کے غلبہ کے بعد عراق سے ہجرات کر کے کویت چلے گئے اور آج کل ان کا مرکز کویت ہے اور احقاقی کہلاتے ہیں

مذہب شیخیہ کی تقسیم اور ان کی شاخیں

شیخ احمد احسائی کے بعد اس کا شاگرد ارشد سید کاظم رشتی اس فرقہ کا رئیس ہوا اس کے بعد مذہب شیخیہ تین معروف فرقوں میں بٹ گیا جو ایک شجرہ کی صورت میں ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

شیخ احمد احسائی

سید کاظم رشتی

مرزا علی باب شیرازی	مرزا محمد کریم خان کرمانی	مرزا حسن گوہر قراچہ داغی
حسین علی بہا	مرزا محمد خان کرمانی	مرزا باقر اسکوئی الحائری
صبح ازل	مرزا زین العابدین کرمانی	مرزا موسیٰ اسکوئی احقاقی

مرزا ابو القاسم کرمانی	مرزا علی اسکوئی احقاقی
مرزا عبد الرضا ابراہیمی کرمانی	مرزا حسن اسکوئی احقاقی

ان تینوں شاخوں میں سے پہلا گروہ بابی اور بہائی کہلاتا ہے چونکہ یہ گروہ براہ راست شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی کا شاگرد تھا لہذا یہ گروہ شیخ کے جھوٹے دعوائے وحی و الہام سے شہ پا کر خود مدعی وحی و الہام ہوگیا اور امام مھدی ہونے کا دعویٰ کر دیا لہذا مذہب شیخیہ کی دوسری دونوں شاخوں نے اسے مذہب شیخیہ سے منحرف قرار دے کر ایک جدا مذہب اور کافر قرار دے دیا۔ باقی کے دو گروہوں میں سے کرمانی گروہ برملا طور پر خود کو شیخی کہتا ہے اور اپنی شیخی ہونے پر فخر کرتا ہے۔ چونکہ شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت جامعہ میں چار ارکان کی معرفت واجب قرار دی تھی اور شیخ احمد احسائی خود کو رکن رابع سمجھتا تھا لہذا شیخیہ رکنیہ کرمان شیخ احمد احسائی کی پیروی میں خود کو رکن رابع قرار دیتے ہیں اور چار ارکان کو مانتے۔ یہ گروہ بھی شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی کا براہ راست شاگرد تھا۔ انقلاب ایران کے بعد پہلا گروہ تقریباً ایران سے سکونت کر گیا اور کثیر بابی اور بہائی پاکستان، اسرائیل اور امریکہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

اگر ان میں سے کوئی ایران میں ہوگا تو خفیہ اور پوشیدہ طور پر ہوگا اور شیخیہ رکنیہ کرمان کے آخری سربراہ عبد الرضا ابراہیمی کو کسی نے گولی ماردی اس کی ہلاکت کے بعد یہ گروہ قطعی طور پر زیر زمین چلا گیا یا ہجرت کر کے دوسرے ممالک میں رہائش پذیر ہو گیا۔ البتہ تیسرے گروہ نے مذہب شیعہ امامیہ اثناعشریہ پر غلبہ پالیا ہے چونکہ حجتہ الاسلام مرزا محمد نظام العلماء اور حجتہ الاسلام مرزا محمد باقر اسلوئی اور اور اس کی اولاد براہ راست شیخ احمد احسائی کی شاگرد نہ تھی بلکہ انھوں نے پہلے حوزہ علمیہ نجف و کربلا میں فقہ کا درس لیا تھا اور پھر شیخ احمد احسائی کے حلقہ درس میں شرکت کر کے فلسفہ پڑھا تھا لہذا یہ حضرات فقہ میں حوزہ

علمیہ نجف وکربلا کے ماتحت رہے اور شیخ احمد احسائی سے فلسفہ پڑھنے کے بعد عقائد میں مذہب شیخیہ کے پیرو بنے اور چونکہ یہ عمامہ وعبا میں ملبوس شیعہ امامیہ اثناعشریہ کے نام سے مصروف تبلیغ ہوئے لہذا انھوں نے شیعہ امامیہ اثناعشریہ کے اکثر افراد کو گمراہ کر دیا۔

چونکہ یہ حضرات فلسفہ اور تصوف کے دلائل سے تفویض کی تبلیغ کرتے ہیں لہذا آئمہ اہل بیت کو ہی خالق ورازق، محی وممیت اور نظام کائنات کا چلانے والا مانتے ہیں علل اربعہ کے قائل ہیں۔ آئمہ اہل بیت کو اور انبیاء کو بشر نہیں مانتے۔ آئمہ اہل بیت اور انبیاء کے علم کو ان کا عین ذات مانتے ہیں لہذا انھیں عالم الغیب کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اس مذہب کی رد میں لکھی ہوئی حسب ذیل کتابیں۔

۱۔ ایک پر اسرار جاسوسی کردار یعنی شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں
۲۔ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ نوع نبی وامام
۳۔ العقاء الحقیہ والفرق بین الشیعہ الحقیہ والشیخیہ المضلة
۴۔ ولایت قرآن کی نظر میں
۵۔ شیخیت کیا ہے اور شیخی کون
۶۔ شیخیت کا شیعیت اور شیعہ علماء سے ٹکراؤ
۷۔ فلسفہ تخلیق کائنات در نظر قرآن
۸۔ شیعہ جنت میں جائیں گے مگر کون سے شیعہ
۹۔ ترجمہ تنبیہ العوام بر مفاسد ارشاد العوام
۱۰۔ شیعہ علماء سے چند سوال
۱۱۔ شیعہ عقائد کا خلاصہ اور ان کا فلاسفہ ومفوضہ وصوفیہ وشیخیہ کے عقائد سے مقابلہ
۱۲۔ اسلام پر سیاست وتصوف وفلسفہ کے اثرات

گمراہ کرنے میں کون زیادہ کامیاب رہے

ربوہ (چناب نگر) کی پہاڑیوں میں گونجی ہوئی یہ آواز اخبارات کے صفحہ میں آج تک محفوظ ہے۔

''دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اسلام سے خارج نہیں کر سکتی''

نوائے وقت لاہور ایڈیشن 11 دسمبر 1976 صفحہ آخر کالم 6-7

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کے جانشین و خلیفہ مرزا ناصر احمد کی آواز ہے خبر اسطرح ہے

''لاہور۔10 دسمبر (وقائع نگار) قادیانی جماعت کا سالانہ جلسہ آج صبح ربوہ میں شروع ہوا۔فرقہ قادیان کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ ہم جو محسوس کرتے ہیں اور سچ سمجھتے ہیں اس کا اعلان کرتے رہیں گے۔دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اسلام سے خارج نہیں کر سکتی۔ہم قرآن اور اسلام کو مانتے ہیں۔نبی خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان ہے۔ہم کسی کو اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہماری آئندہ نسلوں کو اسلام سے خارج کرے۔ہم قرآن کی عظمت کا پرچار کرتے رہیں گے اور وہ دن دور نہیں جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے گا۔انھوں نے اپنے عقائد کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس مذہب کی مانتے ہیں جو نبی آخرالزمان لے کر آئے ہمارا فقہ حنفی فقہ ہے''

روزنامہ نوائے وقت لاہور ایڈیشن 11 دسمبر 1976 صفحہ آخر

مرزا حضرات اہل سنت کی طرح ہی توحید کے قائل ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔قیامت پر ایمان رکھتے ہیں قرآن کو آسمانی کتاب مانتے

ہیں صحاح ستہ کی احادیث پرعمل کرتے ہیں ۔اہل سنت کی طرح نمازیں پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں ۔ظاہری طور پر بالکل اہل سنت نظر آتے ہیں اور شیعوں سے اتنا ہی بغض وعناد رکھتے ہیں جتنا کہ اہل سنت کے بعض فرقے رکھتے ہیں ۔لیکن انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مان لیا وہ اسے مھدی موعود اور مسیح موعود ہونے کے دعووں کے ساتھ ساتھ ۔انھوں نے ایک مستقل وجود کے طور پر خود کوعلیحدہ کرلیا ہے اور خود کو دوسرے سنی مسلمانوں سے علیحدہ وجود کے طور پر نمایاں کرلیا ہے اور یحیٰی خان کے مارشل لاء کے بعد پہلی قائم ہونے والی قومی اسمبلی نے انہیں سیاسی طور پر غیر مسلم قرار دے دیا ہے لہذا مسلمانوں کے ان سے گمراہ ہونے کا کوئی خاص خطرہ نہیں ہے۔سوائے اس کے کہ کوئی مال وزن کے لالچ میں ان کا مذہب اختیار کرلے۔

مذہب شیخیہ کے پیروکاروں میں سے محمد علی باب شیرازی کے پیرو یعنی بابی اور حسین علی بہاء کے پیرو یعنی بہائی حضرات اور محمد کریم خان کرمانی رئیس مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان کے پیرو یعنی شیخیہ رکنیہ کرمان کا بھی یہی حال ہے کہ انھوں نے اپنے دعووں کے ساتھ اپنا ایک علیحدہ مستقل وجود بنالیا تھا اور انھوں نے خود کو دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ وجود کے طور پر نمایاں کرلیا تھا اور جس طرح مرزائی غلام احمد قادیانی کے نبی ہونے یا مسیح موعود ہونے یا مھدی موعود ہونے کے دعوے کو ثابت کرنے پر تل جاتے ہیں بابی اور بہائی علی محمد باب اور حسین علی بہا کے باب اور مھدی موعود ہونے کے دعوے کو ثابت کرنے میں مصروف ہوجاتے ہیں اور شیخیہ رکنیہ کرمان خود کو شیعہ کہنے اور شیخی کہلانے پر فخر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ ثابت کرتے ہیں اور بڑے زوروشور کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ شیخ احمد احسائی رکن رابع تھا رکن اول توحید، رکن دوم نبوت ،رکن سوم امامت اور رکن رابع شیخ احمد احسائی اور اس کے بعد رکن رابع محمد کریم خان کرمانی لہذا شیعہ علماء ومجتہدین عظام اور مراجع

عالیقدر شیعیان جہاں کی طرف سے انہیں کافر قرار دینے کے بعد ان سے گمراہ ہونے کا کسی قسم کا کوئی خاص خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے علی محمد باب کو پھر حسین علی بہا کو امام مھدی ماننا ضروری تھا۔ اور شیخیہ رکنیہ کے لئے شیخ احمد احسائی کو اور پھر محمد کریم خان کرمانی کو رکن رابع ماننا ضروری تھا۔ لہذا ان سے کسی کے گمراہ ہونے کا خطرہ بہت کم تھا سوائے اس کے کہ کوئی مال وزن کے لالچ میں ان کا مذہب اختیار کر لے۔

لیکن مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت کے روٴ ساو مبلغین شیعیان امامیہ اثناعشریہ کے عوام کو گمراہ کرنے میں انتہائی کامیاب ثابت ہوئے ہیں جن کا گمراہ کرنے میں شیطان بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

کیونکہ یہ حضرات نجف و کربلا کے حوزہ ھائے علمیہ سے فقہ میں اجتہاد کر کے شیخ احمد احسائی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے تھے لہذا یہ عقائد میں شیخ احمد احسائی کے پیرو ہو گئے اور فقہ میں جعفری فقہ کی پیروی کرتے رہے۔

کیونکہ یہ نجف و کربلا کے حوزہ ھائے علمیہ سے فقہ پڑھ کر آئے تھے اور اجتہاد کے اجازے رکھتے تھے لہذا انھوں نے اپنے استاد کو بھی ایک مجتہد کے طور پر متعارف کرایا اور شیخ احمد احسائی کے دعویٰ ھائے وحی و الہام ماموریت من اللہ ہونے اور رکن رابع ہونے کی بھی درمیان میں نہیں لائے۔ اگر چہ انھوں نے مرزائیں، بابیوں، بہائیوں اور شیخیہ رکنیہ کرمان کی طرح اپنا علیحدہ سے کوئی وجود تو قائم نہیں کیا لیکن اجتہاد و تقلید کی راہ سے یہ اپنا ایک علیحدہ اور مستقل وجود بھی رکھتے ہیں۔ مگر اس میں پردہ یہ ہے کہ روسائے مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت خود کو حجتہ الاسلام آیت اللہ العظمیٰ اور رالاما المصلح کے لقب سے متعارف کراتے ہیں اور یہ حضرات مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان کی طرح رکن رابع یا خلیفہ نہیں کہلاتے بلکہ خلیفہ کہلانے سے چڑتے ہیں اور برا مناتے ہیں۔ لیکن ان کے حجتہ الاسلاموں اور آیت اللہوں کا سلسلہ نسلاً

بعد نسل اس طرح ہے

شیخ احمد احسائی کے بعد سید کاظم اس فرقہ کا رئیس ہوا۔سید کاظم رشتی کے بعد مرزا حسن گوہر قراچہ داغی اس فرقہ کا رئیس ہوا ۔مرزا حسن گوہر قراچہ داغی کے بعد مرزا باقر اسکوئی الحائری اس فرقہ کا رئیس ہوا ۔مرزا باقر اسکوئی کے بعد اس کا فرزند مرزا موسیٰ اسکوئی الحائری اس فرقہ کا رئیس ہوا ۔جس نے شیخ احمد احسائی کے عقائد کی تائید اور شیعہ مجتہدین کے رورد کے جواب میں احقاق الحق لکھی جس کے بعد سے اس فرقہ کے روسا احقاقی کہلاتے ہیں اور مرزا موسیٰ اسکوئی کی اسی کتاب احقاق الحق اور شیخ احمد احسائی کی کتاب شرح زیارت سے ہی مولانا محمد بشیر انصاری نے پاکستان میں مذہب شیخیہ کی تبلیغ کا اپنے خطوط میں اقبال کیا ہے ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو گلدستہ مودت کاظم علی رساء۔اور ایک پر اسرار جاسوسی کردار۔اور العقائد الحقیہ وغیرہ کتابیں۔

بہر حال مرزا موسیٰ اسکوئی کے بعد مرزا علی اسکوئی اس فرقہ کا رئیس ہوا۔اور موجودہ رئیس و سربراہ مرزا حسن الحائری الاسکوئی الاحقاقی ہیں۔جن کو پاکستان میں حجتہ الاسلام آیت اللہ العظمیٰ الامام المصلح حضرت مرزا حسن الاسکوئی الحائری الاحقاقی کے القاب کے ساتھ متعارف کرایا جا رہا ہے۔

یہ حضرات شیعیان عالم میں سے بہت سوں کو علی العموم اور شیعیان امامیہ اثنا عشریہ پاکستان کی اکثریت کو علی الخصوص گمراہ کرنے میں ابلیس سے بھی زیادہ کامیاب ثابت ہوئے ہیں کیونکہ یہ حضرات مرزائیوں کی طرح غلام احمد قادیانی کو، بابیوں کی طرح علی محمد باب کو، بہائیوں کی طرح حسین علی بہا کو اور شیخیہ رکنیہ کرمان کی طرح شیخ احمد احسائی کو، مامور من اللہ کی حیثیت سے نہ تو منواتے ہیں نہ ذکر کرتے ہیں بلکہ شیخ احمد احسائی کو شیعہ روایت کے مطابق مجتہد اور آیت اللہ العظمیٰ ظاہر کرنے میں فقہ میں جعفری فقہ کو ہی اپنانے میں زیادہ

سے زیادہ ان بدعات کو جوان میں جاری ہیں اجتہادی اختلاف کا رنگ دیتے ہیں لہذا جس طرح مرزائی حضرات، بابی حضرات، بہائی حضرات اور شیخیہ رکنیہ کرمان اپنے علیحدہ وجود اور اپنے پیشواؤں کو مامور من اللہ منوانے کی وجہ سے فوراً پہچان لئے جاتے ہیں شیخیہ احقاقیہ کویت کے مبلغین کو اس طرح سے پہچاننا مشکل ہے۔

کیونکہ مجالس عزا شیعیان امامیہ اثنا عشریہ کے لئے شہ رگ حیات کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کا مجالس عزا میں انہماک حد سے زیادہ ہے۔ لہذا انھوں نے مجالس عزا کا بھرپور استحصال کیا ہے اور مجالس عزا کو اپنے عقائد کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا ہے اور انھوں نے مجالس عزا سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ ان کے مبلغین شیعہ علما کے بھیس میں منبروں پر آتے رہے اپنی تقاریر میں پہلے مشترک اقدار بیان کر کے اپنا ہمنوا بناتے رہے اور پھر شیخی افکار و عقائد کو فضائل آل محمد کے عنوان سے بیان کرتے رہے اور آل محمد سے محبت رکھنے والے سادہ لوح شیعہ عوام ان کو فضائل آل محمد سمجھ کر اپناتے رہے۔

بہر حال وہ شیخی عقائد جن کو ہم نے مختصر طور پر سابق میں بیان کیا ہے فضائل آل محمد کے عنوان سے ہی مجالس عزا میں بیان کئے جاتے ہیں لہذا اپنے اس طرز عمل سے انھوں نے پاکستان کے شیعوں کی اکثریت کو گمراہ کر دیا ہے اور شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کہلانے کے باوجود عقائد میں شیخ احمد احسائی کے پیرو بن گئے ہیں اور شیعہ عوام میں نت نئی بدعات کا اجراء ان کا روز کا معمول بن گیا ہے اور اپنے افکار و نظریات پر قرآن کریم کی آیات کو زبردستی غلط طور پر چپکانا ان کا مشغلہ ہو گیا ہے۔ اس طرح انھوں نے پاکستان کے سادہ لوح شیعہ عوام کا مزاج ایسا بنا دیا ہے کہ وہ ان کے سامنے لوچ، لچر، غلط اور نامعقول کرتے ہیں انہیں اتنی ہی داد ملتی ہے اور عزادار اور بانیان مجالس بھی مجمع اکٹھا کرنے اور داد و تحسین اور واہ واہ کے ذریعہ اپنی مجالس کو کامیاب کرانے کے لئے ایسے ہی ذاکرین و واعظین و مقررین کو مدعو کرتے ہیں

ہمارے مدارس دینیہ اور حوزہ ھائے علمیہ مشہد و قم میں صرف فقہ پڑھائی جاتی ہے عقائد کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوتی ۔ مراجع عظام کی توضیحات مسائل میں پہلی ہی دفعہ یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ "عقائد میں تقلید حرام ہے" اس طرح صحیح شیعہ اور اسلامی عقائد کو دلائل سے بیان کرنے کی بھی چھٹی کرلی ہے ۔ لہذا یہاں سے حوزہ ھائے علمیہ میں حصول علم کے لئے جانے والا طالب علم عقائد میں جس عقیدہ کو لے کر وہاں جاتے ہیں اسی عقیدہ کے ساتھ واپس آجاتے ہیں اور عمامہ وعبا وقباء ان کے عقائد کا پردہ پوش بن جاتا ہے ۔ اور سادہ لوح شیعہ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ قم مقدسہ سے عمامہ وعبا وقباء میں ملبوس یہ عالم قم مقدسہ سے پڑھ کر آیا ہے لہذا جب وہ یہ کہتا ہے کہ آئمہ کا علم ان عین ذات ہے تو خوب داد ملتی ہے جب وہ کہتا ہے کہ آئمہ کی نوع جداگانہ تھی تو خوب داد ملتی ہے ۔ جب وہ کہتا ہے کہ آئمہ بشر نہیں تھے تو خوب داد ملتی ہے جب وہ کہتا ہے کہ آئمہ ہی خالق و رازق ہیں تو خوب داد ملتی ہے جب وہ کہتا ہے کہ آئمہ ہی موت وحیات کے مالک ہیں تو خوب داد ملتی ہے ۔ جب وہ کہتا ہے کہ آئمہ ہی موت وحیات کے مالک ہیں تو خوب داد ملتی ہے ۔ جب وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید خود محمد کا کلام ہے تو خوب داد ملتی ہے ۔ جب وہ کہتا ہے کہ نظام کائنات چلانے والے یہی ہیں تو خوب داد ملتی ہے ۔ اور اکثر سامعین یہ سمجھتے ہیں کہ عمامہ وعبا وقبا میں ملبوس یہ عالم شیعہ عقائد بیان کررہا ہے ۔ غرض وہ اسی طرح سے دوسرے باطنی شیخی عقائد کو غلط دلائل کے ساتھ پیش کرتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ قرآن کریم کی آیات کو بھی بطور دلیل کے اپنے غلط مدعا پر چپکا کر قرآن کریم کی آیات کا مزاق اڑتا ہے اور ان عقائد کو نہ ماننے والوں پر لعنتیں بھجوائی جاتی ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا شخص جو مذہب شیعہ نہیں رکھتا مجالس میں آجاتا ہے اور ان کے سٹیج سے اس قسم کے بیانات سنتا ہے تو وہ یہ فیصلے دے دیا ہے کہ شیعہ کافر ہیں، شیعہ مشرک ہیں ۔

پہلے تو یہ بات عقائد میں تجاوز تک ہی محدود تھی اب اعمال و شرعی احکام یعنی فروعات میں بھی مداخلت شروع ہوگئی ہے ہمارے حوزہ ھائے علمیہ جو شرعی احکام کی حفاظت کرتے چلے آرہے تھے اب ان کے اختیار سے بات باہر ہوگئی ہے اب جس کا دل چاہتا ہے اپنی من مانی کر رہا ہے۔

نمازوں کی رکعت میں مداخلت ہورہی ہے کوئی نماز میں شہادت ثالثہ کو داخل کر رہا ہے اور یہ وبا پھیلتی جارہی ہے۔ بعض مقامات پر ایسے پیش نماز کی پٹائی ہوئی ہے جس نے نماز میں شہادت ثالثہ نہیں پڑھائی۔ بعض مقامات پر تشہد میں شہادت ثالثہ نہ پڑھانے پر پیش نماز کو فارغ کردیا گیا ہے۔ مذہب شیخیہ کی قیادت ہر بدعت کو سپورٹ کرتی ہے اور جب وہ بدعت عام ہوجاتی ہے تو اس کے جواز کا فتویٰ دے دیتی ہے۔ یہ لوگ ہر بدعت کے لئے حضرت علیؑ اور آئمہ اطہارؑ کی محبت کا استحصال کرتے ہیں اور حضرت علی اور آئمہ اطہار کی محبت کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔

خلاصة الكلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام پر سیاست وفلسفہ و تصوف کے اثرات

اور

اسلامی فرقوں کی پیدائش کا حال

تالیف

سید محمد حسین زیدی برتی

ادارہ

انتشارات حقائق الاسلام لاہور گیٹ چنیوٹ